300

مردِ مومن

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حیاتِ لیاقت

حماقت

[redacted]

مرتبہ

رئیس احمد جعفری

JAF & CO.
Plot # 43/4, Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

ناشر

اودھ کتاب گھر

پوسٹ بکس نمبر ۴۴۱۴، کچہری روڈ، کراچی

قیمت

پاکستانی سکّہ — [redacted]

ہندستانی سکّہ — [redacted]

طبع اول

اپریل ۱۹۵۲ء

انتساب

لیاقت علیخاں کی بوڑھی ماں کے نام

فہرست

۱- حیات لیاقت ایک نظر میں۔

۲- قائد ملت کا خاندان ایک نظر میں۔

۳ لیاقت علی خاں مسلم لیگ سے پہلے

۴ لیاقت علی خاں میدان عمل میں

یو پی کونسل۔ ممبر ڈپٹی پریسی ڈنٹ

۵- مسلم لیگ میں شرکت

وقار اور اعزاز کے ساتھ

۶- لیاقت علی خاں

فنانس منسٹر کی حیثیت سے

۷- پاکستان بن گیا

خون کا ایک چھٹا دریا

۸- قائداعظم کے بعد

آج تو آپ نے گرتا ہوا گھر تھام لیا

۹- مسئلۂ کشمیر

اہم اور معرکہ آرا حقائق

۱۰- پاکستان کی اقلیتیں

ڈھاکہ کی ایک یادگار تقریر

۱۱ قرارداد مقاصد

۱۲- لیاقت نہرو پیکٹ

۱۳- امریکہ کا دورہ

پاکستان اور اسلام کا تعارف

۱۴- اچانک

بھارت کے عساکر قاہرہ کا اجتماع

۱۵- قتل و قتال

ہم جانتے تھے جو وہ کہیں گے جواب میں

۱۶- یوم وفات۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

۱۷- شیر کی گرج۔

اپنے آخری قطرۂ خون کی پیش کش

۱۸- شہادت۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

۱۹- آنکھوں دیکھا حال

عینی شہادت (مسٹر عرفانی)

۲۰- نقوش و تاثرات

(الف) تعلیم سے سیاست تک (سید الطاف علی)

(ب) لیاقت کا مطالعہ قریب سے (سید حسن ریاض)

(ج) ایک ہم عصر کے تاثرات
خلیق الزماں کا اعتراف

(د) لیاقت علی خاں
رئیس احمد جعفری

(ہ) آخری ملاقات
م، ش

۲۱۔ رائے عامہ
(الف) راز درون پردہ
(سعادت حسن منٹو)
(ب) ایک دل دوز سانحہ
(پروفیسر عنایت اللہ)

۲۲۔ تعزیت
۲۳۔ نوحۂ ماتم
(الف) لیاقت، خدا کے حضور میں
(وقار انبالوی)
(ب) چند آنسو (سیف الدین سیف)
(ج) شہید ملت
(عابد علی عابد)
(د) نوحۂ لیاقت
(حفیظ ہوشیارپوری)

(ہ) برادرانِ ملت

(الطاف پرویز)

(و) یقینِ محکم

(مجید لاہوری)

(ز) شہید ملت کے حضور میں

(نور بجنوری)

۲۴۔ صدیق علی خاں نے کہا

۲۵۔ قائدِ ملت ہاؤس

۲۶۔ اقوال و افکار

جذباتِ نادر

اودھ کتاب گھر

اودھ کتاب گھر مشہور و معروف نہ سہی، نام گوش آشنا ضرور ہے ـــــ تقسیم ہند ایک زلزلہ تھا جس نے چھوٹی موٹی جھونپڑیوں کا توذکر کیا، بڑے بڑے عالی شان محلوں کو پیوند خاک کر دیا ـــــ انسان بھلا کب اپنی شکست مانتا ہے ـــــ آثار قدیمہ کے کھنڈروں پر تعمیر نو کا کام شروع ہوگیا اور زوروں پر جاری ہے، لیکن ـــــ تخریب آسان ہے تعمیر مشکل، بلکہ بہت مشکل۔

اودھ کتاب گھر انصار نہیں مہاجر ہے، مہاجر بھی کیسا، بنگلے اور شاندار دوکان کا الاٹی نہیں، فٹ پاتھ کا جھونپڑی نشین مہاجر۔ یہ مہاجر جب انصار تھا تو کیا تھا۔ "پدرم سلطان بود" کی طرح لاحاصل ہے۔ اودھ کتاب گھر نے آپ کے سامنے کیا پیش کیا؟ ـــــ جو ایک مہاجر پیش کرسکتا ہے: دو سال میں تین کتابیں۔

اودھ کتاب گھر کس معیار کا ادب پیش کرتا ہے۔ یہ ہمارے بتلانے کی بات نہیں "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"، سونا آپ کے ہاتھ میں ہے اور کسوٹی آپ کے پاس، کھوٹا کھرا پرکھ دیکھئے۔

ہمارا آئندہ پروگرام کیا ہے یہ ہم بتا سکتے ہیں، لیکن وہ شاندار ہے

یا بے کار اس کا فیصلہ صحیح معنوں میں آپ کا ذوق سلیم ہی کر سکتا ہے
ہم جلد ہی انتصار حسین یوسفوی کی نئی تصنیف منگیتر، طلی عباس حسینی
کا نفسیاتی ناول "شائد کہ بہار آئی" اور رئیس احمد جعفری کا سماجی ناول
"غلط فہمی" آپ کے ہاتھوں میں پہونچانے کی تیاریوں میں مصروف
ہیں۔

موت وحیات

ہم رئیس احمد جعفری کی ناول غلط فہمی کی تیاریوں میں مصروف
تھے کہ ـــــ ۱۶ اکتوبر کی شام کو یہ روح فرسا خبر بجلی بن کر ہمارے خرمن
ہوش و حواس پر گری کہ کسی دشمن اسلام نے روشنی کے اس مینار کو جسکی
ضیا پاشی کرنیں صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی رہبری
کر رہی تھیں ڈھا دیا ـــــ انسانیت کا وہ علمبردار جس نے دشمنوں
کی وحشت اور بربریت کا جواب بھی محبت اور آشتی سے دینا سیکھا تھا
انہوں کی وحشت اور درندگی کا نشانہ بن گیا۔

راعی ہو یا رعایا، وزیر ہو یا فقیر قائد ملت کی حیات ہر پاکستانی
کے لئے مشعل راہ ہے۔ شہید ملت کی زندگی کا ہر ورق قوم کے لئے ہزاروں
پیغام لئے ہوے ہے، ہم نے ان منتشر اوراق کو یکجا کرا کے شہید ملت کی یاسی
زندگی کی ایک جامع تاریخ اور ایک مکمل تصویر قوم کے سامنے پیش کرنے
کا تہیہ کرلیا، لیکن اتنی بڑی ہستی کی اتنی بڑی زندگی کو الفاظ کے سانچے
میں ڈھالنا آسان کام نہ تھا،

ہماری نظر انتخاب ملک کے مشہور مفکر اور اہل قلم پر پڑی جو اس سے پہلے دو مقتدر ہستیوں کی حیات مرتب کرکے اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

حیات لیاقت کیا ہے؟

حیات لیاقت، لیاقت علی خاں مرحوم کی زندگی کا کوئی افسانہ نہیں ہے — زندگی کے نشیب و فراز کا مرقع، جوانی کے رومانوں کی کہانی یا کامیابی و ناکامی کی تصویر نہیں۔ بلکہ! تاریخ پاکستان کی سرخی ہے جس کو لیاقت نے اپنے خون سے لکھا ہے۔

لیاقت قوم کا لیڈر نہیں سچا خادم تھا، بے ریا خدمت کا وہ معیار جو اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم کیا تھا لیاقت نے بیسویں صدی کے اس مادی دور میں اس کی لافانی مثال قائم کر دی، قوم لیاقت کے ایک ادنیٰ اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار تھی مگر قدرت نے قوم کو لیاقت کے لئے نہیں بنایا تھا بلکہ لیاقت کو قوم کے لئے پیدا کیا تھا، لیاقت کی پاک روح کو حق سے کئے ہوئے اس وعدے کا پاس تھا، اس کی غیرت یہ نہ گوارا کر سکی کہ اس کی قوم کا ایک قطرۂ خون بھی اس کے لئے بہے بلکہ اس نے اپنا خون قوم کے گلشن کی آبیاری کے لئے پانی کر دیا، پاکستانی قوم کی مختصر سی زندگی میں قدم قدم پر ایسے موڑ آئے جہاں قوم کا خون رگوں سے تڑپ کر نکلنے کے لئے بے چین ہو گیا، لیکن

قائدِ ملت اپنے استادِ سیاست، بابائے قوم قائدِ اعظم مرحوم کی طرح اپنی قوم کو ہر گرداب بلا سے قوم کا ایک قطرۂ خون گرے بغیر نکال لے گئے۔

ہٹلر نے اپنی قوم سے کہا تھا "تم مجھے خون دو میں تمھیں دنیا کی حکومت دوں گا" قوم نے خون دے دیا مگر ہٹلر اپنی قوم کو دنیا کی حکومت نہ دے سکا۔

لیاقت کو قوم نے اپنے خون کی پیشکش کی مگر لیاقت کے جذبۂ فداکاری نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیاقت نے ببانگ دہل اعلان کردیا کہ اگر قوم کی ترقی و خوش حالی، عزت و شہرت، عظمت و وقار کے لئے خون بہانے کی ضرورت پیش آئی تو قوم کا خون بے یار و مددگار نہ ہوگا بلکہ جس طرح لیاقت نے اپنی جان و مال کو قوم کے لئے وقف کردیا ہے لیاقت کا خون بھی قوم کے — خون کے ساتھ مل کر اس کی رہبری کرے گا —

لیاقت نے الفاظ سے قوم پر جاں نثاری کا جو معیار قائم کیا تھا اپنے کردار کو اس سے بھی اونچا ثابت کر دکھایا، اس کے کردار نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ اس کا خون قوم کے خون کے ساتھ گرے، بلکہ قوم کا ایک قطرۂ خون گرنے سے پہلے اپنے خون کی آخری بوند تک قوم پر نچھاور کردی۔

حیاتِ لیاقت اسی شہیدِ ملت، ملت کی قومی زندگی اور سیاسی کارناموں کی تاریخ ہے، جس کو رئیس احمد جعفری نے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، رئیس احمد جعفری کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ان کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ وہ رئیسِ ادب ہے جو مولانا محمد علی جوہر اور قائدِ اعظم

محمد علی جناح کی سوانح حیات لکھ کر اُردو ادب میں قابل قدر اضافہ کر چکا ہے۔

قائد اعظم مرحوم کی سوانح متعدد ادیبوں نے مرتب کیں مگر جعفری صاحب کی تالیف سب میں ممتاز اور مقبول کیوں رہی اس کا راز ہمیں اس وقت معلوم ہوا جب قائد ملت مرحوم کی شہادت کے تیسرے یا چوتھے روز ہم نے جعفری صاحب سے درخواست کی کہ وہ حیات لیاقت اتنی جلد مرتب کر دیں کہ ہم اس کو شہید ملت کے چالیسویں کے دن قوم کی خدمت میں پیش کر سکیں تو انھوں نے جواب دیا۔

"جہاں تک جلدی کا تعلق ہے میں دو ہفتہ میں کتاب مرتب کر کے دے سکتا ہوں لیکن وہ حیات لیاقت صحیح معنوں میں حیات لیاقت نہ ہوگی جسے میں اپنے نام سے منسوب کر سکوں"۔ جعفری صاحب کے اس بیان کی صداقت کا احساس ہمیں اس وقت بڑی شدت سے ہوا جب انھوں نے صحیح و مستند حالات کی تلاش میں اپنے ساتھ ہمیں بھی تھکا مارا اور ہمارے کرم فرما جناب محمد حسین الزماں صاحب کو گھسیٹتے گھسیٹتے دُبلا کر دیا۔

خدا کا شکر ہے کہ حیات لیاقت تیار ہو کر آپ تک پہونچ گئی، ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوے اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے، کیا آپ ہم کو اپنی رائے عالی سے مطلع فرمانے کی زحمت گوارا کرینگے۔؟

محمد اثر حسین

کراچی ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۵۲ء

"حیاتِ لیاقت" ــــــــــ لیاقت علی خاں کی مکمل سوانح عمری نہیں ہے، لیکن ان کی زندگی کے روشن کارناموں کا ایک البم ضرور ہے۔

لیاقت علی خاں پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ میں نے اس کتاب میں کوشش یہ کی ہے کہ ایسا مواد پیش کروں جو لیاقت علی خاں کو سمجھنے میں مدد دے، ہم اگر زندگی میں لیاقت علیخاں کو نہیں سمجھ سکے، تو اب سمجھ لیں، یہ بھی ایک کارنامہ ہوگا۔

لیاقت علی خاں کی ولادت، طفولیت پھر تجہیز و تکفین، اخباروں کے ماتمی مقالے، لیڈروں کے یکساں، لیکن پرزور بیانات، ان سب باتوں کو تقریباً میں نے نظر انداز کر دیا ہے اور صرف ان امور کو ترجیح دی ہے جن کا وقت کے لحاظ سے ذکر ضروری تھا۔

رئیس احمد جعفری

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء

مُجاہِد

انھیں سمجھیں گے کیا کم ظرف انساں نہیں ہے یہ حیاتِ عامیانہ
لہو سے کھیل کر سوتے ہیں جب یہ ستارے تانتے ہیں شامیانہ
جہاں یہ نصب کر دیتے ہیں خیمے جھکا کر سر گذرتا ہے زمانہ!
کرشمہ ہے کرشمہ ان کی ٹھوکر زمیں سے پھوٹ پڑتا ہے خزانہ
سرِ تاریخ یہ اپنے لہو سے لگا دیتے ہیں مُہرِ جاودانہ
انھیں تعلیم دیتے ہیں صحیفے
نہیں مرتا مجاہد کا فسانہ

(احسان دانش)

باب ۲

حیات لیاقت

ـــــایک نظر میں!

یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء لیاقت علی خاں کی تاریخ پیدائش ہے، وہ کرنال (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے، نواب رکن الدولہ شمشیر جنگ رستم علی خاں کا یہ دوسرا لخت جگر تھا، پانچ سو برس پہلے یہ خاندان ایران سے ہندستان میں وارد ہوا تھا، لیاقت علی خاں کے اجداد کا سلسلۂ نسب نوشیروان عادل سے ملتا ہے۔

لیاقت علی خاں، ایک کامیاب خطیب، اور بہت بڑے سیاستدان تھے، ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ کالج سے گریجویٹ ہوئے، اور اسی سال انگلستان روانہ ہو گئے، ۱۹۲۱ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی کے اکسٹر کالج EXETER

INNER TEMPLE COLLEGE سے ڈگری لی، ۱۹۲۲ء میں انر ٹیمپل میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا، آکسفورڈ یونی ورسٹی ہندستانی طلبا کی انجمن "انڈین مجلس" کے خزانچی بھی منتخب ہوے۔

۱۹۲۲ء میں ہندستان واپس آئے، ۱۹۲۳ء سے مسلم لیگ میں شریک ہوے، اگرچہ وہ اچھے بیرسٹر تھے لیکن انھوں نے کسی عدالت میں باقاعدہ پریکٹس نہیں کی، گھر میں خدا کا دیا کافی تھا، فکر معاش سے آزاد تھے، اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ محدود پیمانہ پر اپنے وطن میں معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں میں منہمک ہو گئے۔

۱۹۲۶ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز (یوپی کونسل) کے ممبر منتخب ہوے، ۱۹۴۰ء تک، یوپی کونسل (بعد میں اسمبلی) سے ان کا ممبری کا تعلق قائم رہا، چھ سال تک، یوپی کونسل کے نائب صدر بھی رہے کونسل میں انھوں نے ایک پارٹی بنائی تھی جس کا نام تھا، ڈیموکریٹک پارٹی DEMOCRATIC PARTY، اس پارٹی کے وہ لیڈر تھے۔

کئی سال تک مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، اور آگرہ یونی ورسٹی کی اگزیکیٹو کونسل کے ممبر بھی رہے، سات برس تک اینگلو عربک کالج (دہلی) کے سکریٹری رہے۔ ۱۹۳۷ء میں انڈو برٹش ٹریڈ ڈیلی گیشن کے ممبر بن کر ولایت گئے، ۱۹۳۷ء میں جب قائد اعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم جدید آغاز کیا تو سر یعقوب کے بجائے مسلم لیگ کے آنریری جنرل سکریٹری منتخب ہوے، اگست ۱۹۴۷ء تک اس منصب پر فائز رہے، اس منصب جلیلہ کے فرائض

جس تندہی، خلوص، بیباکی اور جوش کے ساتھ انجام دیے اس کا اعتراف
بارہا قائد اعظم نے کیا، مسلم لیگ کے سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ کا صدر بھی
قائد اعظم نے انہی کو بنایا، اور اس ذمہ داری کو بھی خوبی اور خوش اسلوبی
کے ساتھ انجام دیا۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، مرکزی
اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر قائد اعظم تھے، اور ڈپٹی لیڈر سر غلام
بھیک نیرنگ، لیکن اب لیاقت علی خاں پر یہ ذمہ داری بھی آپڑی، اور
اسے انھوں نے بڑے رکھ رکھاؤ اور دانش مندی سے انجام دیا، یہاں
انھوں نے اپنی سلجھی ہوئی تقریروں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بڑے اچھے مقرر
اور بڑے پایہ کے DEBATER ہیں، سنہ ۱۹۴۵ء کے عام صوبائی اور مرکزی انتخابات
میں مسلم لیگ کو جو بے مثال کامیابی ہوئی اس کا سہرا بڑی حد تک
لیاقت علی خاں کی مردم شناسی اور حسن انتخاب کے سر ہے۔

سنہ ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول کی زیر صدارت جو شملہ کانفرنس ہوئی
تھی اس میں لیاقت علی خاں بھی مدعو تھے اور مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت
سے انھوں نے اپنی شیوا بیانی، استدلال، اور خوبی تقریر کی دھاک
بٹھا دی تھی سنہ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے عارضی حکومت INTERIM
GOVERNMENT میں شرکت کا فیصلہ کیا، تو لیاقت علی خاں مسلم لیگ کے
لیڈر تھے، اس حیثیت سے انھوں نے عارضی حکومت میں ممبر مالیات کا چارج
لیا، اس طرح ہندوستان کے سب سے پہلے فینانس منسٹر بننے کا اعزاز لیاقت علیخاں

کو حاصل ہوا، انھوں نے ۱۹۴۷-۴۸ء کا جو بجٹ اسمبلی میں پیش کیا، وہ عام طور پر بہت پسند کیا گیا، اور "غریب آدمی کا بجٹ" کے نام سے مشہور ہوا۔
۱۹۴۶ء میں حکومت برطانیہ نے ہندستان سے جن چار لیڈروں کو مستقبل ہند کا فیصلہ کرنے کے لئے مدعو کیا تھا ان میں ایک لیاقت علیخاں بھی تھے، ویسرائے نے جو PARTITION COUNCIL بنائی تھی، ہونے والی حکومت پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے لیاقت علیخاں اس کے ممبر تھے، ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ قائد اعظم کے دست راست کی حیثیت سے، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم منتخب ہوئے، ۱۹۴۷ء کے آخر دسمبر تک وہ محکمۂ دفاع اور محکمۂ خارجہ کے وزیر بھی رہے پھر محکمۂ خارجہ سر ظفر اللہ خاں کو تفویض کر دیا گیا۔ اور دفاع کا محکمہ انھی کے ہاتھ میں آخر وقت تک رہا، ۱۹۵۰ء میں چودھری خلیق الزماں نے جب کل پاکستان مسلم لیگ کی صدارت سے استعفا دیا، تو کونسل کے ممبروں نے بالاتفاق لیاقت علی خاں کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا۔
۱۹۵۰ء میں، صدر ٹرومین کی دعوت پر امریکہ کا دورہ کیا، اور وہاں پاکستان کی نمائندگی اس شائستگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کی کہ ان کی اور پاکستان کی دھوم مچ گئی۔

قائد ملت کا خاندان ایک نظر میں!

نواب احمد علی خاں آف کرنال کے تین بیٹے ہوئے

۱۔ نواب عظمت علی خاں
۲۔ نواب رستم علی خاں
۳۔ نواب عمر دراز علی خاں

نواب رستم علی خاں کی اولاد

۱۔ نواب زادہ سجاد علی خاں (بقید حیات ہیں)
۲۔ نواب زادہ زبیدہ بیگم (مرحومہ)
۳۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں
۴۔ نواب زادہ خورشید علی خاں (خودکشی کرلی)
۵۔ نواب زادہ صداقت علی خاں (بقید حیات ہیں)
۶۔ نواب زادہ شوکت علی خاں (مرحوم)
۷۔ نواب زادہ زاہدہ بیگم (مرحومہ)

نواب عمر دراز علی خاں کی اولاد میں محترمہ جہانگیرہ بیگم بھی ہیں

جو لیاقت علی خاں کی پہلی بیگم ہیں، ان کے بطن سے نواب زادہ ولایت علی خاں ہوے، رعنا بیگم لیاقت علی خاں کے ہاں دو بیٹے ہوے، اشرف علی خاں اور اکبر علی خاں، جو ابھی نو عمر ہیں۔

نواب زادہ ولایت علی خاں کی اولاد کی تفصیل یہ ہے

۱۔ مشرف علی خاں ۱۱ سال
۲۔ قیصر جہاں ۱۰ سال
۳۔ مکرم علی خاں ۸ سال
۴۔ تنویر جہاں ۶ سال
۵۔ وجاہت علی خاں ۵ سال

نواب زادہ صداقت علی خاں کی اولاد یہ ہے

۱۔ مبارک علی خاں
۲۔ جاوید علی خاں
۳۔ ریحانہ
۴۔ رخسانہ
۵۔ فرزانہ

باب ۲

لیاقت علی خاں

مسلم لیگ سے پہلے!

دنیا کے اعاظم رجال پر اگر ایک نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، ان کے بچپن میں بھی بڑائی کے آثار نظر آتے تھے، ان کا عہد طفولیت اس طرح گذرا کہ وہ طفلانِ شوخ و شنگ کے رہنما تھے، ان کی طالب علمی کا دور یوں صرف ہوا کہ بورڈنگ، اسکول اور کالج کی ساری ہنگامہ آرائیاں اور محشر خیزیاں ان کے دم قدم سے قائم تھیں، پھر جب وہ عملی زندگی میں داخل ہوئے تو گو قدم قدم پر مشکلات

حائل گیر ہوئیں، مصائب نے ان کا خیر مقدم کیا، حوصلہ فرسا حالات نے ان کے راستے میں کانٹے بچھائے، موانع کا ایک سلسلہ تھا جو شروع اس لئے ہوا تھا کہ کبھی ختم نہ ہو، لیکن وہ مردانہ وار، استقلال و استقامت کے ساتھ مسکراتے ہوئے چہرے اور ہنستی ہوئی پیشانی کے ساتھ میدان عمل میں ڈٹے رہے۔ ہر ناکامی ان کے سمندِ عزم کے لئے مہمیز ثابت ہوئی، ہر دشواری نے ان کے حوصلے اور امنگ میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیا، ہر رکاوٹ ان کی صبا رفتاری میں مخل ہونے کے بجائے ممد و معاون ثابت ہوئی۔ وہ بڑھتے رہے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز بڑائی کی چوٹی پر پہونچ گئے۔ جہاں سے یہ دنیا بہت پست نظر آتی تھی۔

پس منظر اور ماحول

لیکن لیاقت علی خاں کی زندگی میں اس طرح کا کوئی پس منظر نہیں دکھائی دیتا۔ وہ ایک دولت مند خاندان کے فرد تھے، انھیں وہ تمام روایات ورثہ میں ملے تھے، جو، سرمایہ داروں اور مالداروں کا شعار بن چکے ہیں۔ یہ لوگ خدمت کرنا نہیں جانتے، خدمت لینا جانتے ہیں، ان کے دسترخوان پر طرح طرح کے لذیذ کھانے، ضرورت سے کہیں زیادہ موجود ہوتے ہیں، لہذا یہ نہیں جانتے

فقر و فاقہ کے عالم میں انسان پر کیا گزرتی ہے؟ بھوک جب بہت بڑھ جاتی ہے، تو وہ کیا گل کھلاتی ہے، افلاس اور نکبت کا شباب، انسان کے مجد و شرافت پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ ان حضرات کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ عوام کا رجحان کسے کہتے ہیں؟ عوام کے خیالات کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے؟ عوام کے جوش و خروش کو کیونکر قابو میں رکھا جاتا ہے؟ عوام کے سیل بے پناہ کو آنکھ کے ایک اشارے اور زبان کی ایک جنبش سے کیونکر قابو میں کیا جاتا ہے؟ یہ لوگ اگر قوم کی خدمت بھی کرتے ہیں تو قوم کے لئے نہیں اپنے لئے، یہ قوم کا نام لے کر عروج و ارتقا کے مراحل طے کرتے ہیں، اور جب طے کر لیتے ہیں تو قوم کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔

جس ماحول اور جس فضا میں لیاقت علی خاں نے آنکھ کھولی جس سوسائٹی اور جس معاشرہ میں انھوں نے عملی زندگی کا آغاز کیا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ سر محمد یوسف وغیرہ کے نقش قدم پر چلتے، ترقی کرتے، تو وزیر ہو جاتے، ترقی نہ کرتے تو اپنی جگہ قائم رہتے۔

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

لیکن لیاقت علی خاں نے نہ سکوت اختیار کیا، نہ ترقی کی طرف

قدم بڑھایا، بلکہ ایک عجیب اور بظاہر متضاد اصول پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد رکھی، وہ عوام میں کبھی نہیں آئے، عوام کے دکھ درد کے ساتھی کبھی نہیں بنے، عوامی تحریکوں سے کبھی وابستہ نہیں رہے۔

وہ زمانہ جسے ان کے ریعان شباب کا زمانہ کہا جاسکتا ہے جب امنگیں جواں ہوتی ہیں حوصلے تازہ ہوتے ہیں، ارادوں میں فولاد و آہن کی قوت واستقامت ہوتی ہے، انھوں نے سرد مہری کے ساتھ گذار دیا۔ نہ سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے۔

انقلاب آفریں دور

یہ وہ زمانہ تھا، ہندستان کا جمود و تعطل، ہنگامہ خیزی اور سرگرمی سے بدل رہا تھا، پرانی قیادت دم توڑ رہی تھی اور نئی قیادت ابھر رہی تھی، تلک، اور گوکھلے، محسن الملک اور وقار الملک کی جگہ گاندھی اور موتی لال، محمد علی اور شوکت علی لے رہے تھے انگریزوں کی نیاز مندی کا دور ختم ہوچکا تھا، بغاوت، سرکشی، اور مقابلہ کے جذبات پروان چڑھ رہے تھے، غلامی پر قناعت کا دور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکا تھا۔ آزادی استقلال اور حریت کے نعرے لگ رہے تھے، کانگرس نے نیا چولا بدل لیا تھا، اور خلافت کے نام سے ایک نئی اور نہایت ہنگامہ پرور تحریک عالم وجود میں آچکی تھی۔ عوام اور خواص، جاہل

موج کی جستجو فراق، قطرہ کی آبرو فراق
گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہاؤ ہو فراق

اور عالم، بڑے اور چھوٹے، جوان اور بوڑھے، مرد اور عورت کسان اور مزدور، زمیندار اور سرمایہ دار، وکیل اور بیرسٹر جج اور منصف، ایک نئے جوش سے سرشار تھے، کالجوں کا مقاطعہ ہو رہا تھا، اسکولوں پر تالے پڑ رہے تھے، یونی ورسٹیاں قبرستان کی طرح ویران تھیں بائیکاٹ ہڑتال، ہنگامے، جلوس، جلسے، روزمرہ کے واقعات تھے جن لوگوں کے دلوں میں قوم کی ہمدردی اور خدمت کا جذبہ تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی، مستقبل، اور توقعات، سے یکسر منہ موڑ کر، میدان عمل میں قدم رکھ دیا تھا۔

نئی پود!

ایک طرف نئے لیڈر تھے جنھوں نے پرانے لیڈروں کو گوشۂ خلوت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، گاندھی جی آزاد، موتی لال نہرو، محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد، یہ وقت کے سب سے بڑے لوگ تھے، انھوں نے ایک نئی قوم بنائی تھی، ایک نئی زندگی کی طرح ڈالی تھی، ایک نیا جذبہ پیدا کیا تھا، ان کی خطابت، ان کی سحر طرازی، ان کی فسوں سازی، ان کی شخصیت، ان کا ایثار، ان کی قربانی، یہ سب چیزیں برصغیر ہندوستان کے لئے نئی تھیں،

بالکل نئی، بالکل عجیب ——— !

ہندستان نے، اب تک جو کچھ سیکھا تھا، وہ صرف یہ کہ انگریزوں کی اطاعت کی جائے، انھیں نکال کر، قومی حکومت قائم کی جائے، جس میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک ہوں، یہ ایک نیا نعرہ تھا۔

لیکن بے انتہا مقبول اور بہت زیادہ محبوب — !

یہ نعرہ سارے ملک میں عام ہوتا جا رہا تھا، یہ نئے لیڈر، اس نعرہ کو، اس کی روح کو، اس کے مقتضا کو، زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ ابھارتے جا رہے تھے۔

حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی
نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی

اور اس نئی قیادت کے ساتھ ایک نئی پود ابھر رہی تھی، یہ تھے جواہر لال، سوباش چندر بوس، شعیب قریشی خلیق الزماں، رفیع احمد قدوائی، عبدالرحمٰن سندھی، جے پرکاش نرائن، تصدق احمد خاں شروانی، عبدالرب نشتر، انھوں نے اپنے روشن مستقبل کو قوم پر قربان کر دیا، انھوں نے اپنے خاندان کی بہترین توقعات کو پامال کر دیا، انھوں نے خود کچھ نہ چاہا، جو کچھ چاہا صرف اپنی ملت کے لئے، اپنی قوم کے لئے، اپنے وطن کے لئے، اب ہندو اور مسلمان،

الگ الگ نہ تھے، ایک تھے، بھائی بھائی تھے، جامع مسجد دلی کے ممبر پر سوامی شردھانند تقریریں کرتے تھے، اور خلافت کی تحریک اور خلافت کے حفظ و بقا کے لئے، سوامی شنکراچاریہ جیل جاتے تھے،

یہ زمانہ لیاقت علی خاں کے ریعان شباب کا تھا لیکن اس ساری تصویر میں وہ کہیں نظر نہیں آتے، نہ کسی جلسہ میں شریک ہوئے، نہ کوئی جلوس نکالا، نہ جیل گئے، نہ کھدر پہنا، نہ ہڑتال کرائی، نہ بائی کاٹ میں پیش پیش نظر آئے، نہ ستیہ گرہ کی، نہ کوئی قانون توڑا،

وہ اس اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے، جیسے انھیں قوم، اور ملک کے رنج و راحت سے کوئی سروکار نہیں نہ فکر امروز، نہ غم فردا،

ابتو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے،

دوسرا دور

متحدہ قومیت، حریت طلبی، ہندو مسلم اتحاد، اللہ اکبر، بندے ماترم و ست سری اکال کا دور، جتنے جاہ و جلال، اور دبدبہ و طنطنہ کے ساتھ آیا تھا، اسی تیزی اور سرعت کے ساتھ ختم ہو گیا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

نفاق و افتراق کی ہوائیں چلنے لگیں، منافرت اور عداوت کا سکہ چلنے لگا، ہندوؤں کو اورنگ زیب عالمگیر، اور سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی یاد ستانے لگی، مسلمانوں کو گاندھی جی کی ہندویت کھٹکنے لگی، شردھانند کی مسلم آزاریاں پریشان کرنے لگیں، شدھی اور سنگھٹن کے نعروں نے انہیں بھی تبلیغ اور تنظیم پر مجبور کر دیا،

گاندھی جی نے اعلان کیا "میری کوئی نہیں سنتا، میں بھی چپ کا روزہ رکھتا ہوں" اور وہ اپنے سابرمتی آشرم میں معتکف ہو گئے۔

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

ہندو مسلمان لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کا سر پھوڑ رہے تھے اور بربریت کی مشق کر رہے تھے، محمد علی شوکت علی نے اس طوفان کو تنِ تنہا روکنا چاہا، لیکن نہ روک سکے، وہ لوگ جو ان کے دست و بازو تھے رفیق اور دمساز تھے، وفادار اور معتمد تھے، خلافت سے اور علی برادران سے کنارہ کش ہونے لگے، پہلے ظفر علی خاں نے داغِ مفارقت دیا، پھر ابو الکلام آزاد نے ساتھ چھوڑا، مقدمہ کراچی کے رفیق زنداں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے بھی پینترا بدلا، اور بالآخر وہ بھی رخصت ہو گئے۔ علی برادران اکیلے اب تک ڈٹے

تھے، لیکن ان کی قوم ان سے بیزار ہوتی چلی جا رہی تھی، وہ شدھی اور سنگھٹن کا جواب چاہتی تھی، اتحاد و اتفاق پر وعظ سننا نہیں چاہتی تھی، گاندھی جی کی گوشہ نشینی کے بعد موتی لال نہرو نے بھی سکوت اختیار کر لیا، محمد علی، شوکت علی کے علاوہ اپنی قوم سے لڑنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا، نہ سابرمتی کا پیر مرد دانا، گاندھی، نہ آنند بھون کا ہیرو، موتی لال،

کچلو اور نیرنگ!

علی برادران اور مجلس خلافت سے ترک تعلق کرنے کے بعد ڈاکٹر کچلو ایک نئی تحریک "تنظیم" کے داعی بنے، یہ جماعت آل انڈیا بنیاد پر قائم ہوئی، میر غلام بھیک نیرنگ نے انجمن تبلیغ قائم کی۔

یہ شدھی اور سنگھٹن کا جواب تھا!

مسلمانوں کو وہ چیز مل گئی جو وہ چاہتے تھے:

ہندوؤں میں کانگرس ایک افسانۂ پارینہ بن چکی تھی، اور ہندو مہاسبھا کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا، مسلمانوں میں تحریک خلافت، ایک بھولا ہوا سبق بن چکی تھی، اور تحریک تنظیم و تبلیغ کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔

ڈاکٹر کچلو اپنے رفقا میں سب سے زیادہ علمی آدمی تھے، بہت جلد وہ مسلمانان ہند کے ہیرو بن گئے، تنظیمی کمیٹیاں

سارے ملک میں قائم ہوگئیں پہلے جس شان سے علی برادران کے جلوس نکلتے تھے، اب اسی جاہ وتجمل کے ساتھ ڈاکٹر کچلو کے جلوس نکلنے لگے۔ ہندوستان کا کوئی شہر، کوئی قریہ، کوئی قصبہ ایسا نہیں تھا جہاں تنظیم کمیٹی موجود نہ ہو، سارے ہندوستان میں ایک ہلچل تھی، ہندوؤں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی، اور یہ ہلچل اکثر و بیشتر خون ریزیوں کی صورت میں رونما ہوا کرتی تھی، مسلمان ہندوؤں کو ملاحیاں سناتے تھے اور ہندو مسلمانوں کو گالیاں دیتے تھے، جوش وخروش نے ہوش وخرد کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

اس سارے ہنگامہ خیز دور میں بہت سی نئی اور پرانی، جوان اور بوڑھی، کارآزمودہ، اور از کار رفتہ، سراسر جوش و عمل، اور یکسر سکوت وافسردگی، ہر طرح کی شخصیتیں منظر نمود پر ابھریں، لیکن اس سارے اور کئی برس کے طویل دور میں لیاقت علیخاں کی صورت کہیں نہیں دکھائی دیتی، نہ لیڈروں میں نہ لیڈروں کے عقیدت مندوں میں، نہ پہلی صف میں نہ پچھلی صف میں، نہ داعی کی حیثیت سے نہ مدعو کی حیثیت سے، حالانکہ یہ دور تحریک خلافت دور کانگرس سے بھی زیادہ ہنگامہ آفریں تھا اس دور نے بہت سے نئے لوگوں کو ابھارا، گمنامی سے پردۂ شہرت پر پہونچایا، قیادت کی کرسی پیش کی، جلوس نکالے، اور

نعرے لگوائے، لیکن لیاقت علی خاں کی دلفریب شخصیت، باوقار چہرہ، دل میں گھر کرنے والی تقریروں اور تجویزوں کو نہ ابھار سکا۔

لیاقت علی خاں نے اب تک جنبش نہ کی تھی!

شائد ابھی تک وہ اپنی راہ عمل متعین نہیں کر پائے تھے،!

شائد ابھی تک وہ فیصلہ نہ کر سکے تھے، کدھر جائیں؟ کس طرف کا رُخ کریں،

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے!

شائد اب تک اپنے ذہن و دماغ کی صلاحیت پر خود انہیں اعتماد نہ تھا، وہ خود اپنے آپ کو تول رہے تھے، اپنا آپ جائزہ لے رہے تھے۔

شائد اُن کے کانوں میں یہ صدا پڑ چکی تھی،

اے راہ رو پشت بہ منزل ہشدار!

وہ اس کے قائل نہیں تھے کہ بیٹھ منزل کی طرف ہو، قدم اس کی مخالف سمت میں رکھ رہے ہوں، اور منزل کے قرب کے بجائے بعد بڑھتا جائے،

شائد ان کا فیصلہ یہ تھا کہ منزل کا انتخاب خواہ کتنی ہی

دیر میں کیا جائے، کتنا ہی وقت غور و فکر میں صرف کرکے کیا جائے لیکن جب ایک مرتبہ منزل متعین ہو جائے، تو پھر وہی فکر و عمل، ذہن و دماغ، اور جوشش و سرگرمی کا واحد مرکز اور منتہا ہو، وہ بار بار منزل بدلنے کے قائل نہیں تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ بڑھا ہوا قدم کبھی اور کسی حالت میں، پیچھے نہ ہٹنے پائے۔

نتیجہ خیز تذبذب

یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک تذبذب اور گو مگو کے عالم میں تھے۔!

وہ تذبذب نہیں جو عزم و ارادہ کی کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے، وہ تذبذب جو نتیجہ ہوتا ہے فکر صحیح اور احساس کامل کا، جس کے بعد منزل واضح ہو جاتی ہے، راستہ صاف ہو جاتا ہے اور قدم صرف اس لئے اٹھتے ہیں کہ بڑھیں۔ وہ جوش میں بہنا نہیں جانتے تھے، وہ جوش کو فہم پر ترجیح نہیں دیتے تھے، انھیں شعر و شاعری سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، نہ وہ سخن فہمی کے مدعی تھے، نہ سخن سنجی کے، لیکن اکبر کا یہ شعر ان کا رہنما تھا۔

باطن میں ابھر کر ضبط فغاں، لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر، تاثیر دکھا، تقریر نہ کر

اُن کا ضمیر اُبھر رہا تھا، نالہ و فغاں سے وہ آشنا تھے، لیکن قوت ضبط بھی رکھتے تھے، انھوں نے زبان کا کام اپنی نظر سے لینا

نہیں سیکھا تھا، لیکن اس کی اہمیت انھوں نے اچھی طرح سمجھ لی تھی
واقعات وحوادث کا اثر ان کے قلب پر پڑتا تھا، لیکن بے نتیجہ
شور وشر کے وہ قائل نہ تھے، وہ تقریر کے مقابلہ میں تاثیر کے
زیادہ قائل تھے، وہ جانتے تھے، تقریر بھی اسی وقت اثر کرتی
ہے جب آدمی اپنے کردار میں تاثیر پیدا کر لیتا ہے، اور کردار
کی تاثیر آن کی آن میں نہیں پیدا ہوتی، اس کے لئے ذہن و
دماغ کی خاص تربیت کی ضرورت ہے، اور جب تک یہ چیز
نہ پیدا ہو آدمی صحیح معنٰی میں نہ اپنے کام آ سکتا ہے، نہ اپنی قوم
کے، نہ اپنے ملک و وطن کے، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تربیت کرتے
رہے، اور ہر قسم کے رستخیز سے الگ رہے، وہ اسے پسند کرتے تھے
کہ کچھ نہ بنیں، لیکن اسے کسی حالت میں گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ
وہ بن جائیں جو نہ اپنے کام آ سکے نہ قوم کے، وہ خاک میں مل کر
کیمیا بننا چاہتے تھے، لیکن انھیں ایسی کیمیا بننا منظور نہ تھا
جس کا حشر یہ ہو کہ وہ مٹی میں مل کر، مٹ جائے، برباد
ہو جائے۔

وقت گذرتا رہا، تحریکوں کے سیلاب اور طوفان آتے
رہے، ہنگامہ آرائیوں، اور انقلاب انگیزیوں کی
ہوائیں چلتی رہیں، مگر وہ کسی سے مرعوب ہوئے نہ متاثر،
نہ انھوں نے کسی کو اپنایا، نہ کسی کے بنے، ———

——— زندگی کا ایک دور یہ بھی ہوتا ہے، اور صحیح معنی میں تعمیری دور یہی ہوتا ہے،!

باب ۳

لیاقت علیخاں میدانِ عمل میں

یو پی کونسل، ممبر، ڈپٹی پریسیڈنٹ

لیاقت علیخاں علی گڑھ کے گریجویٹ تھے، لندن سے بیرسٹری کی سند بھی ساتھ لائے تھے۔ زندگی کی ایک وسیع شاہراہ سامنے تھی، لیکن ارادہ کا مسافر ابھی قدم آگے بڑھاتے ہوئے جھجکتا تھا، یہ تو طے تھا کہ وہ نہ پریکٹس کریں گے، نہ سرکاری ملازمت ان دونوں چیزوں کو وہ اپنی دفتاد طبع کے خلاف سمجھتے تھے، وہ نواب زادہ تھے، ایک دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ، خدا کے فضل سے اتنی جائداد موجود تھی کہ اگر صرف پیانو اور موسیقی سے

شغل قائم رکھنا چاہتے تو ساری زندگی گذر جاتی، اور انھیں کبھی کوئی پریشانی دامن گیر نہ ہوتی، لیکن انھیں سیاست کی گھما گھمی سے دلچسپی تھی، اس وادی پر خار میں قدم رکھنے کے لئے وہ پر تول رہے تھے۔

آرام کرسی کی سیاست!

لیاقت علی خاں کے سامنے تین راستے تھے۔

۱۔ کانگرس اور خلافت کا راستہ۔
۲۔ تنظیم اور تبلیغ کا راستہ۔
۳۔ عافیت پسندوں کا راستہ۔

انھیں پوری آزادی تھی کہ تین راستوں میں سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، ان میں سے وہ جس محفل میں بھی جاتے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے، ان کی ذہنی اور دماغی صلاحیتیں ایسی تھیں کہ بڑی آسانی سے وہ ہر جگہ چھا سکتے تھے۔

آخری راستہ!

انھوں نے کافی غور و فکر کے بعد آخری راستہ اختیار کیا یعنی۔ ———— عافیت پسندوں کا راستہ، وہ جس ماحول میں رہے تھے، جس فضا میں انھوں نے پرورش پائی تھی جس

سماج کے وہ ایک رکن تھے، جس رنگ حیات کے وہ خوگر ہو چکے تھے اسکا تقاضا یہی تھا کہ وہ ایسا راستہ اختیار کریں جسمیں ترقی کے امکانات زیادہ سے زیادہ ہوں، شہرت اور ناموری کے تمام مواقع حاصل ہوں، جاہ وجلال کا ہر مرحلہ آسانی سے گرفت میں آسکتا ہو، لیکن نہ ہتھکڑی اور بیڑی کا شور ہو، نہ جیل اور حوالات کی زندگی ہو، نہ ایثار اور قربانی کا مطالبہ ہو، نہ سب کچھ کھو دینے اور لٹا دینے کی دعوت ہو، نہ کھدر اور گاڑھے کا سوال ہو نہ مزدوروں اور کسانوں، بے کسوں، اور بے بسوں، تباہ حالوں اور پریشاں روزگاروں سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی کوئی ضرورت ہو۔

اگر وہ خلافت کی تحریک سے دلچسپی لیتے، تو انھیں یہ سب کچھ کرنا پڑتا، اگر وہ تنظیم اور تبلیغ کی تحریکوں سے وابستہ ہوتے تو بھی انھیں ایک ایسی زندگی سے دوچار ہونا پڑتا، جس میں شور وغوغا ہنگامہ اور رستخیز کی جھنکار تو بہت کچھ ہوتی، لیکن نہ کوئی تعمیری کام ہوتا، نہ ٹھوس خدمت بن آتی، نہ ذاتی سربلندیوں کا راستہ صاف ہوتا، نہ قوم زیادہ عرصہ تک قدر افزائی کرتی۔

لے دے کے عافیت پسندوں کا گروہ باقی رہ گیا تھا جسے عملی سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس کی زندگی صرف ایڈریس اور کرسمس کی تعطیلات میں چند روز کے لئے ابھرتی تھی، یا پھر مانس آبین؛

کے اجلاس کے دوران میں، خواہ وہ کتنا ہی مختصر و طویل ہو اس لئے گو بعض محکمے گورنر کے نامزد ممبروں کو سونپ دیے گئے تھے، لیکن سارے اختیار و اقتدار کی باگ گورنر یا گورنر جنرل اور وائسرائے کے ہاتھ میں تھی، لہٰذا بے نتیجہ لیکن دلچسپ جنگ زرگری کے پر لطف مناظر ان دنوں میں نظر آ جاتے تھے۔

یوپی کی حیثیت!

ہندوستان کے اقلیتی صوبوں میں، صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ یہاں کے مسلمان دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے ممتاز اور سر بلند تھے۔ تعلیمی اعتبار سے بھی اقتصادی اعتبار سے بھی، ذہنیت و دماغ کے لحاظ سے بھی مسلمانان ہند کی باگ ڈور انہی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، اسلامی ہند کی تمام سیاسی اور نیم سیاسی، مذہبی اور علمی، ثقافتی اور تمدنی سرگرمیوں کا مرکز یہی صوبہ تھا، یہیں مسلم یونیورسٹی تھی جس کی دھاک سارے ہندوستان میں بیٹھی ہوئی تھی، یہیں دار العلوم دیوبند، فرنگی محل، اور دار العلوم ندوۃ العلما نام کے زبردست ترین مذہبی ادارے تھے، جن کا لوہا، ہندوستان تو ہندوستان افغانستان، ایران، عراق، مصر غرض تمام دنیائے اسلام میں مانا جاتا تھا، یہیں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تھی جس نے ہندوستان کے

مسلمانوں میں تعلیمی ترقی اور بیداری کا ایسا صور پھونکا تھا کہ جگہ جگہ نئی درس گاہیں قائم ہو رہی تھیں، یہیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا مرکز تھا، جس کی مرکزیت نے اُس فرقہ میں ایک نئی زندگی اور ہلچل پیدا کر دی تھی، یہیں منشی نول کشور آنجہانی کا وہ مشہور اور یگانۂ روزگار مطبع اور دارالاشاعت تھا جو ہندوستان بھر میں اُردو، فارسی، عربی کی بہترین نادر اور مقبول کتابوں کا مخزن تھا، یہیں تکمیل الطب، منبع الطب، واجدیہ کالج، اور دوسرے طبی ادارے تھے جنھوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں طب یونانی اسلامی کی ترویج و ترقی میں سب سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہیں مسلم لیگ کا مرکز تھا جس کے مستقل سکریٹری سر وزیر حسن (سابق چیف جسٹس اودھ چیف کورٹ) تھے اور جس نے مسلمانان ہند میں سیاسی شعور کے پیدا کرنے میں قائدانہ حصہ لیا تھا، یہیں انجمن خدام کعبہ کا مرکز تھا جس کے صدر اور سکریٹری حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم اور مولانا شوکت علی مغفور تھے، یہیں مسلمانوں کا وہ پشتینی اور مالدار طبقہ تھا، جو محمود آباد، نانپارہ، جہانگیر آباد، سلیم پور وغیرہ، جوار اطراف کے تعلقہ داروں کے نام سے مشہور تھا۔

غرض ہر اعتبار سے یوپی ہی کو مسلمانان ہند کی رہنمائی کا شرف حاصل تھا، یہیں تحریکیں بنتی تھیں بگڑتی تھیں، پروان

بڑھتی تھیں، گھٹتی تھیں، ترقی کرتی تھیں، تنزل کے مراحل طے کرتی تھیں اور یہیں مسلمانانِ ہند کے حال اور مستقبل کے بارے میں فیصلے کئے جاتے تھے، تجویزیں منظور کی جاتیں تھیں، بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔

یوپی کا انتخاب!

اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کر لیاقت علی خاں نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ اپنی سرگرمیوں کا مرکز لکھنؤ کو قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

لیاقت علی خاں کی جائداد جس طرح یوپی میں (مظفر نگر میں) تھی، اسی طرح کرنال (پنجاب) میں بھی تھی، وہ چاہتے تو بڑی آسانی سے اور بغیر کسی قسم کی زحمت کے وہاں سیاسی سرفرازیاں حاصل کر سکتے تھے، اور اس لئے اور زیادہ کہ کرنال ہی ان کے آباؤ اجداد کے مجد و وقار کا مرکز تھا، یہیں وہ پیدا ہوئے تھے، یہیں انھوں نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں لیکن ان تمام چیزوں کو انھوں نے نظر انداز کر دیا اور بالکل صحیح طور پر لکھنؤ کو اپنی جولان گاہ قرار دیا، اور یہاں مستقل قیام اختیار کر لیا۔

کونسل کی تشکیل!

ہندوستان میں منٹو مارلے اصلاحات کا نفاذ ہو چکا تھا، ان اصلاحات کے ماتحت ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایک مجلس آئین ساز قائم کی گئی تھی، جس کا سرکاری نام "کونسل" تھا، ان کونسلوں میں لوگ، عام حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب ہو کر آتے تھے، لیکن منتخب ہونے کے باوجود حکومت کے معاملات میں انھیں کچھ بہت زیادہ دخل نہ تھا۔

گورنر کے اختیارات!

گورنر کو ان اصلاحات کی رو سے وہ اختیارات حاصل تھے جو خدا کو بندوں پر حاصل ہونے چاہئیں، یہ کونسلیں عوام کے سامنے نہیں گورنر کے سامنے جواب دہ تھیں، لوکل سلف تعلیم وغیرہ کو "صیغہ جات منتقلہ" کا کام دیا گیا تھا، یہ محکمے، گورنر، جس پبلک مین کو چاہتا سونپ سکتا تھا، قطعاً ضروری نہیں تھا کہ وہ کونسل کا ممبر بھی ہو۔ کونسل کو ہر چیز پر رائے دینے کا حق تھا لیکن گورنر کو بھی حق تھا کہ وہ یہ رائے مانے یا نہ مانے صیغہ جات منتقلہ کے وزیر، کونسل کے سامنے جواب دہ نہیں تھے۔ وہ بھی گورنر کے سامنے جواب دہ تھے، غیر منتقل صیغہ جات

شلاً ہوم افیسرس، لا اینڈ آرڈر، پولیس وغیرہ انگریز ممبروں کی تحویل میں تھے، ان محکموں کے وہ مطلق العنان بادشاہ تھے منتقلہ اور غیر منتقلہ صیغہ جات کے وزیر ممبر کہلاتے تھے، وزیر کا کام انھیں نہیں دیا گیا، یہ سب لوگ گورنر کی اگزیکیٹو کونسل کے ممبر تھے، اور جو محکمہ جس کے سپرد ہوتا تھا، وہ اسی محکمہ کا ممبر کہا جاتا تھا۔

وزیروں کو تقریباً چار ہزار ماہوار تنخواہ ملتی تھی، آراستہ پیراستہ مکان ملتا تھا، دورے کرنے کی اجازت عام تھی اور اسی سلسلہ میں گراں قدر الاؤنس ملتا تھا، کونسل کے عام ممبروں کو آجکل کی طرح تنخواہ تو نہیں ملتی تھی، لیکن اجلاس کے دنوں میں بیش قرار الاؤنس ملتا تھا۔

غرض یہ کونسلیں اپنے اندر دلچسپیوں کا کافی سامان فراہم رکھتی تھیں، ان ہی کے بارے میں اقبال نے جل کر کہا ہے۔

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پا کے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

سیاسی جماعتیں اور اصلاحات!

مجلس خلافت ،، دیو استبداد ،، کی قہرمانی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی، اسنے نہایت سختی کے ساتھ ان اصلاحات کا مقاطعہ کیا اور اپنے کسی ممبر کو اجازت نہ دی کہ وہ کونسل کی ممبری کے لئے کھڑا ہو، محمد علی کانگرس کے صدر تھے، انھوں نے بھی یہی روش اختیار کی، گاندھی جی کو اپنا ہمنوا بنایا، اور کانگرس سے فیصلہ کرادیا کہ مجالس وضع قوانین میں کوئی کانگرسی ممبری کے لئے نہ کھڑا ہو، لیکن محمد علی اور گاندھی جی کی زیادہ نہ چلی، پنڈت موتی لال نہرو علم بغاوت لے کر کھڑے ہوئے سی آر داس کو انھوں نے اپنا ہمنوا بنایا، اور کانگرس کو مجبور کردیا کہ انھیں کانگرس کے علاوہ کر ،،سوراج پارٹی،، بنانے کی اجازت دے اور سوراج پارٹی کو آزادی ہو کہ وہ مرکز میں اور صوبوں میں، کانگرس کے ٹکٹ پر اپنے نمایندے کونسلوں کے لئے کھڑے کرے، کانگرس نے دباؤ میں آکر یہ بات منظور کرلی، اس لئے کہ

نہ گاندھی جی یہ چاہتے تھے، نہ محمد علی کی یہ خواہش تھی کہ نہرو داس کانگرس سے الگ ہو جائیں لیکن متعدد کانگرسی اس فیصلے کے بعد بھی غیر تبدیلی پسند NO CHANGER رہے۔
ذاتی طور پر انھوں نے کونسلوں سے ترک تعلق ہی رکھا جن میں علی برادران، گاندھی جی، راج گوپال اچاریہ، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر پرشاد وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کونسل میں داخلہ!

یہ حالات تھے جب لیاقت علی خاں میدان عمل میں اترے۔

لیاقت علی خاں نے کسی سیاسی جماعت سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ نہ کانگرس سے نہ خلافت سے، نہ سوراج پارٹی سے، نہ مسلم لیگ سے، وہ ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے، آج بھی صلاحیت کی اساس پر دوست بہت کم ملتے ہیں، اس زمانے میں تو بالکل نہیں ملتے تھے، سفارش تعلقات، دباؤ، لالچ، رشوت، مواعید، یہ تیر بہدف نسخہ تھا، ووٹروں کو ہموار کرنے کا اور سب ہی اس نسخہ کو استعمال کرنے پر مجبور تھے، دوسرے لوگوں کی طرح لیاقت علی خاں کو بھی

کافی روپیہ صرف کرنا پڑا اور بالآخر نہایت اطمینان اور نشاطِ خاطر کے ساتھ، یو پی کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے، اور اس طرح زندگی میں بالکل پہلی مرتبہ انھوں نے بہت بڑا اقدام اٹھایا، اور بغیر کسی جھجک اور ہراس کے، پوری یکسوئی طبع اور سکونِ خاطر کے ساتھ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

•

کونسل کے اندر!

اس زمانے کی کونسل بڑی دلچسپ چیز تھی، سوراج پارٹی کے ممبر، گورنمنٹ پر بے باکی سے نکتہ چینیاں کرتے تھے، گورنمنٹ کی ہر تجویز کی مخالفت کرتے تھے، قدم قدم پر اسے شکست دینے کی کوشش کرتے تھے، غیر کانگرسی ممبران میں جو لوگ، گورنر کی اگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے، وہ قانون کے مسودے اور تجویزیں پیش کرتے تھے، دھواں دھار تقریریں کرتے تھے، ان کے مخصوص دوست ان کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے اور باقی ماندہ صحاب آپس میں گپیں کرتے تھے، جب ووٹنگ ہوتی تھی تو بے سوچے سمجھے حکومت کی تائید میں ہاتھ اٹھا دیتے تھے۔

لیاقت علی خاں، ان تینوں گروہوں میں سے کسی میں شامل نہیں تھے، کچھ روز تک تو وہ خاموشی سے یہ فضا دیکھتے رہے۔

چن لیں گے کوئی پھول بنالیں گے نشیمن
ہم تو ابھی گلشن کی ہوا دیکھ رہے ہیں

اور کچھ روز کے بعد جب گلشن کی ہوا اچھی طرح دیکھ چکے، چمن کا باغبان کا، صیاد کا، بلبل کا، اچھی طرح جائزہ لے لیا تو خود اپنی ایک انڈپنڈنٹ پارٹی بنا ڈالی، جو نہ کسی سے ہدایات لیتی تھی، نہ کسی کی دبیل تھی جو اپنی پالیسی میں ملک میں بالکل آزاد تھی اس پارٹی کا لیڈر لیاقت علی خاں حکومت کی تائید بھی کرتا تھا اور مخالفت بھی، اگزیکٹو کونسل کے ممبروں پر تنقید بھی کرتا تھا اور ان کی تحسین بھی کرتا تھا، جب تائید کرتا تھا تو کسی لالچ کے ماتحت نہیں، جب مخالفت کرتا تھا تو کسی کی خوشنودی کی خاطر نہیں، جب تنقید کرتا تھا تو انتقام اور نفرت سے مجبور ہو کر نہیں، اور جب تحسین کرتا تھا تو امید فردا کے خوش آئند خواب دیکھ کر نہیں، اس کی موافقت اور مخالفت ہر چیز بے لاگ تھی، بے لوث تھی۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ پسند ہوں، نہ تہذیب کا فرزند

لیاقت علی خاں کی تنقید و تعریف بالکل اس شعر کا ایک دل فریب عکس تھی۔

ڈپٹی پریسیڈنٹ

لیاقت علی خاں نے جس شائستگی اور وقار کے ساتھ اپنی پارلیمانی زندگی کا آغاز کیا، اس نے دوست دشمن، موافق مخالف سب سے خراج تحسین وصول کیا، سب قائل ہوئے کہ یہ شخص، ذاتی سربلندیوں کی تمنا سے بے نیاز ہے، اس کی تقریر مدلل ہوتی ہے اس کی تنقید وزنی ہوتی ہے، اس کے خیالات ٹھوس ہوتے ہیں اس کی باتیں کھری ہوتی ہیں۔

یوپی کے مشہور لبرل رہنما، سر سیتارام ——————— جو پاکستان میں بھارت کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے کافی عرصہ تک مقیم رہ چکے ہیں ——————— کونسل کے صدر منتخب ہوئے، نائب صدر لازمی طور پر کسی مسلمان ہی کو ہونا تھا، کیونکہ تعامل، اور روایات کا یہی تقاضہ تھا، ان کی نگاہ انتخاب اسی باہمہ اور بے ہمہ شخص پر پڑی اور لیاقت علی خان نے اس اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اس منصب کو قبول کر لیا، جیسے یہ صرف ایک زینہ ہے آگے بڑھنے کا اور متعدد واقعات نے ثابت کر دیا، لیاقت علی خاں کو اپنی ذات سے جو حسن ظن تھا وہ وہ کچھ غلط نہ تھا۔

یوپی کونسل کی نائب صدارت کوئی معمولی کام نہیں تھا اس

منصب کو نبھانے کے لئے احساس ذمہ داری فرض شناسی، غیر جانبداری، معاملہ فہمی، تدبر، مآل اندیشی اور صبر و سکون کی ضرورت تھی اور یہ تمام اوصاف لیاقت علی خاں میں بدرجۂ اتم موجود تھے انھوں نے اپنی نائب وزارت کے زمانے میں کسی کو جائز شکایات کا موقع نہیں دیا، ایک دیانت دار اور باوقار انسان کی طرح اپنے فرائض مفوضہ کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، نہ کسی کو دبایا، نہ کسی سے دبے، اور اس منصب کے لئے اسی صلاحیت کی ضرورت تھی۔!

باب ۵

مسلم لیگ میں شرکت

وقار اور اعزاز کے ساتھ

لیاقت علی خاں ۱۹۳۶ء میں یوپی کونسل کی ممبری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، یہاں انھوں نے جس شائستگی اور دم خم کے ساتھ کام کیا، اس نے ان کے مداحوں اور قدرشناسوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا کردیا، لیکن یہ حلقہ وسیع ہونے کے باوجود محدود تھا، ان کی سرگرمیاں جو کچھ بھی تھیں وہ بہرحال صوبہ ہی تک محدود تھیں، ابتک آل انڈیا پلیٹ فارم ان سے دور تھا، اگرچہ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اس کا حق رکھتے تھے کہ آل انڈیا سائل

میں حصہ لیں، ہندوستان گیر جماعتوں میں شرکت کریں اور کل ہند اداروں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنائیں، صوبائی سیاسیات تک اپنے آپ کو محدود رکھنا خود اپنے اوپر اور اپنی صلاحیتوں پر ظلم تھا، زیادتی تھی،

کچھ اور چاہئے وسعت ......!

لیاقت علی خاں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے عادی تھے، ایک مآل اندیش اور دانش مند آدمی سے توقع بھی اسی کی ہو سکتی ہے، وہ ان لوگوں میں نہیں تھے، جو کہنیاں مار کر آگے بڑھتے ہیں، جو دوسروں کو پیچھے ڈھکیل کر اپنے لئے جگہ پیدا کرتے ہیں جو دوسروں کے زوال پر اپنے عروج کا قصر فلک نما تعمیر کرتے ہیں یہ فرومایہ باتیں ان کی طبع بلند سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھیں وہ سستی شہرت اور سہل الحصول عظمت کے قائل ہی نہیں تھے۔

انھوں نے سارے ہندوستان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی، انھوں نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کا جائزہ لیا، انھوں نے قومیت متحدہ کے علمبردار، اور فرقہ وارانہ اداروں کو ان کی سرگرمیوں کو ان کے اغراض و مقاصد کو، ان کے قول و عمل کو ایک ممتحن کی نظر سے دیکھا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ مسلم لیگ میں شرکت کریں گے، اور اس فیصلہ کو انھوں نے بہت جلد عملی جامہ بھی پہنا دیا۔

مسلم لیگ پر ایک نظر!

مسلم لیگ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ ،، انقلاب پسند جماعت تھی ،، انقلاب پسند ،، اس اعتبار سے کہ اس کی پالیسی میں ، نظریات میں ، عقائد وخیالات میں ، عمل اور آہنگ میں بار بار اور جلد جلد انقلاب ہوتا رہتا تھا ہر نیا صدر اس کی باگ جدھر چاہتا تھا موڑ دیتا تھا ، ہر نئے اجلاس میں اس کی منزل مقصود بدل جاتی تھی ، اس پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو جاتا تھا ، نہ قبضہ کرنے میں دیر لگتی تھی نہ قبضہ سے دستبردار ہونے میں ، اس کی تاسیس وتشکیل میں ، اسلامی ہند کے بہترین دل ودماغ شریک تھے ، محسن الملک ، وقار الملک ، محمد علی ، آغا خاں ، اور کئی اچھے اور مخلص لوگ ، لیکن بہت جلد موقع پرستوں کی کنیز بن گئی ، سر ذوالفقار علی بیگ ایسا ... [illegible] سر رذیر حسن قابض ہوئے تو وہ الف لیلہ کے پیر تسمہ پا ثابت ہوئے ، مہاراجہ محمود آباد نے دست شفقت پھیرا تو وہی سیاہ وسفید کے مالک بن گئے ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں آئے تو انھیں حقوق شہنشاہی حاصل ہو گئے ، عزیز مرزا نے باگ سنبھالی تو جب تک ہاتھ شل نہ ہو گئے باگ نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا ، ظہور احمد (وکیل) سکریٹری بنے تو ان کا ایک کمرہ مسلم لیگ بن گیا ، مظہر الحق صدارت کی مسند پر بیٹھے تو رنگ کچھ اور ہو گیا ، ڈاکٹر انصاری نے کرسی صدارت پر قبضہ کیا

تو رنگ بالکل بدل گیا، سر علی امام کو یہ رتبہ بلند ملا تو حالات نے پھر پلٹا کھایا، سر عبدالرحیم نے صدارت کی، تو مسلم لیگ فرقہ پرست بن گئی، سر شفیع صدر ہوئے، تو مسلم لیگ سرکار برطانیہ کی یار و وفادار بن گئی، حسرت موہانی کے نام قرعہ صدارت پڑا تو وہ قومیت متحدہ کی علمبردار نظر آنے لگی، غرض ہر سال اور ہر صدر کے ساتھ مسلم لیگ کے آب و رنگ اور خد و خال میں فرق آتا رہتا تھا۔

مسٹر جناح اور لیگ!

لیکن اب کچھ عرصہ سے لیگ کی ہیئت ترکیبی میں ایک دیرپا انقلاب نظر آرہا تھا!

اب صورت یہ تھی کہ مسٹر جناح لیگ کونسل کے مستقل صدر بن گئے تھے، وہ ابتک قائد اعظم نہیں بنے تھے، مسلمانوں سے بہت دور، اور ہندوؤں سے بہت قریب تھے، پھر بھی وہ آہنی عزم و ارادہ کے مالک تھے، پالیسی کی تشکیل انھیں کے ہاتھ میں تھی، سالانہ اجلاس کے موقع پر، صدر اجلاس عام نیا ہوتا تھا، لیکن کونسل کا صدر جس کے ہاتھ میں لیگ کی باگ ڈور تھی مستقل تھا، لہٰذا اس کی پالیسی اور رفتار و گفتار میں یکسانیت اور ہمواری پیدا ہوگئی تھی لیگ کے لئے یہ بھی بہت انقلاب تھا، اگرچہ خوش آئند اور خوش گوار۔

مسٹر جناح نے جب لیگ کی قیادت ہاتھ میں لی، تو لیگ کا سارا نظام اُن کی گرفت میں آگیا، اب لیگ کے سالانہ اجلاس کا صدر، آئندہ کی پالیسی متعین کرنے میں آزاد اور خود مختار نہیں تھا، بلکہ اس پالیسی پر چلنے اور اُسے روبہ کار لانے پر مجبور تھا جسے مسٹر جناح وضع کر چکے تھے اور لیگ کونسل سے اس کی تائید کرا چکے تھے اس صورت حال نے لیگ کی تجویزوں اور فیصلوں کا بھرم پیدا کر دیا تھا، عوام بھی اس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے اور خواص بھی۔

نہرو رپورٹ!

۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نے نہرو رپورٹ پیش کی، یہ لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کے طنز کا جواب تھا۔ لارڈ صاحب نے فرمایا تھا کہ ہندوستانی ایک متفقہ دستورِ اساسی بھی اپنے ملک کا نہیں پیش کر سکتے۔ پھر وہ آزادی کیا لیں گے؟ موتی لال نے اس چیلنج کو قبول کر لیا، اور نہرو رپورٹ تیار کر ڈالی۔

اس رپورٹ نے ہندو اکثریت کو سب کچھ دے دیا تھا جو وہ چاہتی تھی، اور مسلم اقلیت سے وہ سب کچھ چھین لیا تھا جو اب تک اسے حاصل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہرو کمیٹی کے واحد مسلمان ممبر شعیب قریشی نے ممبری سے استعفا دے دیا، موتی لال نے شعیب کی جگہ، خلیق الزماں اور تصدق احمد خاں شروانی کو بالکل آخری مرحلہ پر ممبر بنا لیا۔ اور ہندوستان

کی طرف سے، ہندستان کی اقلیتوں، سکھوں، اچھوتوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی نہیں اپنی کمیٹی کی طرف سے "متفقہ" دستور اساسی پیش کر دیا جسے کانگرس نے منظور کر لیا، اور گاندھی جی اس کی پشت پناہی پر تیار ہو گئے، گاندھی جی اور موتی لال کی یہ روش دیکھ کر علی برادران کانگرس سے مایوس ہو گئے۔ اور انھوں نے نہرو رپورٹ کی مخالفت میں ایک محاذ قائم کر لیا، علی برادران کی مخالفت نے ہندستان کے مسلمانوں میں نہرو رپورٹ کے خلاف بیزاری اور مخالفت کا طوفان برپا کر دیا، حالانکہ مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں مولانا ظفر علی خان، عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمن لدھیانوی، عبدالقادر قصوری اور ڈاکٹر کچلو، رپورٹ کی پرزور حمایت کر رہے تھے، لیکن پنجاب کے مسلمان بھی علی برادران کے ساتھ تھے، اور رپورٹ کی مخالفت میں شدید مظاہرے کر رہے تھے۔

مسلم لیگ کا رویہ!

ہندستان کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے، اپنے مسلک کا
نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں اعلان کر دیا تھا۔
یا مخالفت، یا موافقت۔!
لیکن مسلم لیگ اب تک خاموش تھی!
اس لئے کہ مسٹر جناح کا سکوت ابتک قائم تھا،!

اور مسٹر جناح کے سکوت سخن شناسی کی علت یہ تھی کہ وہ ابتک
نہ کانگرس سے مایوس ہوئے تھے، نہ موتی لال نہرو سے، نہ ہندو قوم
سے، انھوں نے ابھی حال میں اپنے مشہور چودہ نکات ترتیب دیے تھے
وہ چاہتے تھے کہ رپورٹ میں اتنی ترمیم کر دی جائے کہ یہ نکات
شامل کر دیے جائیں، پھر مسلمان خوش ہو جائیں گے، مطمئن ہو جائینگے
اس کی مخالفت ختم ہو جائے گی، پھر وہ مخلوط انتخاب پر راضی ہو جائیں گے
پھر وہ کانگرس کی سیاست قبول کر لیں گے، پھر انھیں گاندھی جی
کی قیادت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، پھر وہ ہندو اکثریت کی بالادستی
بھی مان لیں گے۔

بات بھی یہی تھی!

جو مسلمان لیڈر اور مسلمان ادارے رپورٹ کی مخالفت کر رہے
تھے وہ صرف یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ضروری تحفظات دیئے
جائیں، ان کے جائز اور واجب مطالبات مان لئے جائیں، پھر نہرو
کے ساتھ ہیں۔

علی برادران جو رپورٹ کی مخالفت میں پیش پیش تھے،
اور جو کبھی جنگ کے سابق وفادار دوستوں اور کارکنوں سے
تھے، وہ یہی چاہتے تھے کہ جناح کے چودہ نکات رپو،
شریک کر لئے جائیں، مسلمان اس سے زیادہ کچھ نہ
ہند، آزاد مسلم مملکت کا تصور اب تک کسی

کے دماغ میں نہیں آیا تھا، حتیٰ کہ ڈاکٹر اقبال تک ــــــــ جنھوں نے دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں لیگ کے خطبۂ صدارت میں پاکستان کا تصور پیش کیا ــــــــ صرف اسی پر قناعت کرتے نظر آرہے تھے۔

محمد علی، اور علی محمد

دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ، قومی تحریکات کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، موتی لال کی صدارت میں کانگرس کا سالانہ اجلاس یہیں ہو رہا تھا، محمد علی کی صدارت میں مجلس خلافت کا سالانہ اجتماع بھی یہیں ہو رہا تھا، سر علی محمد خاں، مہاراجہ محمود آباد کی صدارت میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی یہیں ہو رہا تھا،

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے، اس مرتبہ مسلم لیگ کی صدارت محمد علی کے حصہ میں آرہی تھی، ملک کے سربرآوردہ اشخاص، بلند پایہ اخبارات، اور قابل ذکر اداروں کی طرف سے شدت کے ساتھ محمد علی کے نام پر زور دیا جا رہا تھا لیکن مسٹر جناح محمد علی کی صدارت کے مخالف تھے،

کیوں مخالف تھے؟

کچھ اس لئے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، محمد علی، اور جناح، دونوں اپنی اپنی جگہ، فولاد و آہن سے تھے ان میں

ٹکر ہوسکتی تھی، اشتراکِ عمل مشکل تھا، اور زیادہ تر اس لئے کہ محمد علی اپنی پالیسی کا اعلان کر چکے تھے، وہ نہرو رپورٹ کی مخالفت کر رہے تھے اور جناح صاحب کسی ایسے شخص کو لیگ کا صدر بنانے پر تیار نہیں تھے، جو مخالفت کر چکا تھا، ان کا خیال تھا، اس طرح کانگرس اور پنڈت نہرو سے مفاہمت کے تمام امکانات ختم ہو جائیں گے، لہٰذا انھوں نے چھانٹ کر مہاراجہ محمود آباد کو صدر بنایا، جو موتی لال کے خاص الخاص دوستوں میں تھے، خود مسٹر جناح سے بھی موتی لال کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے، اور انھیں امید تھی کہ دوستانہ ماحول میں سارے اختلافات خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے اور معمولی ترمیمیں منظور کرنے سے موتی لال انکار نہیں کریں گے۔ مسٹر جناح نے یہاں تک احتیاط برتی تھی کہ ابتک کانگرس کی مخالفت میں، یا نہرو رپورٹ کے خلاف، یا موتی لال کے خلاف ایک لفظ بھی پبلک طور پر نہیں کہا تھا، وہ بالکل خاموش تھے اور بہت زیادہ پر امید۔

نیشنل کنونشن!

اس موقع پر ڈاکٹر انصاری کی زیر صدارت "نیشنل کنونشن" بھی منعقد ہو رہی تھی۔

- یہ "نیشنل کنونشن" کیا چیز تھی؟ ——— ؟

نہرو رپورٹ اگر صرف کانگرس منظور کر لیتی تو بہر حال یہ ایک اقدام صرف ایک جماعت کا ہوتا، لہٰذا موتی لال کی تجویز سے ڈاکٹر انصاری نے کنونشن طلب کی، جس میں تمام سیاسی جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اپنے خیالات واضح کریں، اپنے دلائل سے حاضرین کو قائل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ترمیمیں بغرض استصواب اجلاس میں رکھیں اکثریت بہر حال ہندوؤں کی تھی، لہٰذا یہ یقین تھا وہی منظور ہوگا جو ہم چاہیں گے، اور وہ رد کر دیا جائے گا جسے ہماری سند قبول حاصل نہیں ہوگی۔ مسٹر جناح اپنے دلائل کی قوت، اور اپنے مطالبات کی معقولیت پر اس درجہ مطمئن تھے کہ انھیں یقین کامل تھا، لیگ کی ترمیمات منظور کر لی جائیں گی۔ لہٰذا جہاں ایک طرف مجلس خلافت نے کنونشن کی دعوت مسترد کر دی، وہاں دوسری طرف مسلم لیگ نے بڑے شوق اور اشتیاق کے ساتھ یہ دعوت منظور کر لی، اور طے کر لیا کہ کنونشن میں لیگ کا وفد شریک ہوگا۔

لیگ کونسل کا جلسہ

چنانچہ ابرٹ ہال میں لیگ کونسل کا جلسہ منعقد ہوا، چونکہ مسٹر جناح کی طرف سے اب تک سعادت مندی کا اظہار ہوا تھا لہٰذا اس جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر آصف علی وغیرہ بھی -

شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں ایک نئی شخصیت ابھرتی نظر آرہی ہو لیاقت علی خاں!

لیاقت علی خاں نے ہنگامہ خیز طریقہ پر تو حصہ نہیں لیا کہ کرسیاں توڑتیں، اور میزیں گرتیں، اپنی مسلمہ شائستگی، وقار اور مدبرانہ شان کے ساتھ انھوں نے لیگ کی کارروائیوں میں حصہ لیا، ان کی باتیں حاضرین نے توجہ سے سنیں، ان کے خیالات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا، ان کی سحر طراز شخصیت نے جہاں اور بہت سے قابل ذکر، اور ناقابل ذکر لوگوں کو متاثر کیا، وہاں مسٹر جناح سر علی محمد خاں، اور مسٹر چھاگلا (موجودہ چیف جسٹس بمبئی ہائی کورٹ) کو بھی متاثر کیا، مسٹر چھاگلا اس زمانے میں مسٹر جناح کے دست راست تھے، ان میں اور مسٹر جناح میں وہی ربط ضبط تھا، جو بعد میں قائد اعظم اور قائد ملت میں ہوا۔

مسلم لیگ کا وفد!

بالآخر کونسل نے مسٹر جناح کی یہ تجویز منظور کرلی کہ کنونشن میں مسلم لیگ کا وفد بھیجا جائے۔

وفد کی تشکیل اور اس کے ممبروں کے انتخاب کا کام مسٹر چھاگلا کے سپرد ہوا، مسٹر جناح سے مشورے کے بعد چھاگلا صاحب نے کونسل کے سامنے ممبران وفد کے نام پیش کئے، ان ممبروں میں جہاں مسٹر جناح

سر علی محمد خاں، مسٹر چھاگلا اور دوسرے بڑے بڑے مسلم سیاستداں اور زعیم و قائد شریک تھے، وہاں ایک نو آموز شخص بھی تھا جسے بعد میں دنیا نے خان لیاقت علی خاں کے نام سے جانا، اور مسلمانوں نے قائد ملت کی حیثیت سے پہچانا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی!!

یہ شعر آگے چل کر لیاقت علی خاں پر بالکل چسپاں ہو گیا۔

مسلم لیگ کا وفد جس کے ایک ممبر لیاقت علی بھی تھے، بڑی تمناؤں اور امیدوں کے ساتھ نیشنل کنونشن میں شریک ہوا، وفد کے زعیم کبیر کی حیثیت سے مسٹر جناح نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی اور نہایت اخلاص سے اپنے مطالبات پیش کئے۔ سر تیج بہادر سپرو، ساری کنونشن میں واحد شخص تھے، جنہوں نے مسٹر جناح کی تائید کی، لیکن موتی لال نے ایک نہ سنی، جناح کی ساری ترمیمیں ایک ایک کر کے مسترد کر دیں، نتیجہ یہ ہوا وفد خالی ہاتھ گیا تھا، خالی ہاتھ واپس آیا۔

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

باب ۷

•

لیاقت علی خاں

فنانس منسٹر کی حیثیت سے!

عارضی حکومت میں جب مسلم لیگ نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کی بدعہدی کے باعث شرکت سے انکار کیا تو کانگرس پارٹی نے تمام اہم اور کلیدی عہدے اپنی پارٹی کے سپرد کر دیئے اور جن مسلمانوں کو مسلم لیگ کی عدم شرکت کے باعث عارضی طور پر وزارت میں لیا تھا ________ مثلاً سر شفاعت احمد خاں، اور علی ظہیر اور مسٹر آصف علی وغیرہ ________ ان کو ایسے محکمے دیئے جن کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی۔

مسلم لیگ کا احتجاج!

• جب وائسرائے کی یقین دہانی کے بعد، مسلم لیگ عارضی

حکومت میں شرکت پر رضامند ہوئی، تو وہی معمولی محکمے مسلم لیگ کو پیش کئے گئے۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد، مالیات اور تجارت کا محکمہ مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کو دیا گیا، چنانچہ قائداعظم نے تجارت کے لئے مسٹر چندریگر کو (جو اب پنجاب کے گورنر ہیں) اور مالیات کے لئے مسٹر لیاقت علی خاں کو تجویز کیا۔

محکمۂ مالیات!

مالیات کا محکمہ اب تک کسی ہندستانی کے سپرد نہیں کیا گیا تھا، جب سے انگریزی راج کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اسی دن سے تک اس منصب پر انگریزوں ہی کا تقرر ہوتا رہا، یہ کوئی اعزازی منصب نہیں تھا، اس منصب کے لئے اہلیت، قابلیت، مہارت شرط تھی کانگرس نے فراخ حوصلگی کو کام میں لاکر، یہ محکمہ مسلم لیگ پارٹی کو نہیں پیش کیا تھا، یہ سمجھ کر پیش کیا تھا، قائداعظم جس شخص کو بھی اس منصب کے لئے تجویز کریں گے، وہ اسے بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر ہٹ جائے گا۔

اس محکمہ کی کامیابی پر ہندستان کی اقتصادیات کا انحصار تھا اس کی ناکامی کے معنی یہ تھے کہ ہندستان مالی اور اقتصادی اعتبار سے پست ہو گیا، اس کی ساکھ گر گئی، اس کا وقار کم ہو گیا، اس کی شان و شوکت میں فرق آ گیا، کوئی شبہ نہیں، مسلم لیگ کا، مسلم لیگی ارکان

کا، قائداعظم کا، بلکہ صحیح تر الفاظ میں ملت اسلامیہ کا یہ بہت بڑا ہمت شکن، اور بڑا فیصلہ کن امتحان تھا ——— اس امتحان میں فیل ہونے کے معنی یہ تھے کہ مسلم لیگ کا، مسلم قیادت کا اور مسلمانوں کی قابلیت و صلاحیت کا جنازہ نکل گیا۔

کانگرس کی چالاکی!

کانگرس یہ جانتی تھی کہ اس کے ارکان میں اور لیڈروں میں وہی لوگ ہیں جو اسٹیج اور پلیٹ فارم کی زندگی بسر کرتے آئے ہیں وہ دوسرے محکموں کو تو کسی نہ کسی طرح سنبھال لے جا سکتے ہیں لیکن مالیات کا محکمہ نہیں سنبھال سکتے، ان میں اتنی ٹھوس قابلیت نہیں کہ وہ اس مشکل ترین منصب کو خوبی اور خوش اسلوبی، قابلیت اور صلاحیت کے ساتھ نباہ سکیں۔

چنانچہ کانگرس نے جیسے ہی عارضی حکومت (انٹرم گورنمنٹ) کی تشکیل کی، اور عہدوں کی تقسیم شروع کی تو محکمۂ مالیات ایک غیر ہندو اور غیر کانگرسی شخص، یعنی سر جان متھائی (انڈین کرسچین) کے سپرد کیا جنکے ماہر مالیات ہونے کا شہرہ تھا، اور جو اب تک ٹاٹا کے سب سے بڑے مشیر مالیات تھے، پھر جب یہ محکمہ مسلم لیگ کے ہاتھ سے نکل کر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد پھر کانگرس کے ہاتھ میں آیا تو اس مرتبہ بھی اس نے محکمۂ مالیات کا قلمدان کسی کانگرسی کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس کی

نگاہ انتخاب، ایک دوسرے نائب، سرشان موکھم چیٹی پر پڑی، جو اپنی زندگی کے سارے دور میں نہ صرف یہ کہ کانگرسی نہیں رہے تھے بلکہ کانگرس کے بدترین مخالفوں میں ان کا شمار ہوتا رہا تھا۔

یہ شان موکھم چیٹی وہی تھے جن کے ماہر مالیات ہونے کا سب کو اعتراف تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ ان کی قابلیت سے ہندستان کو ہمیشہ فائدہ پہونچنے کے بجائے نقصان ــــــــ اور وہ بھی سخت و شدید ــــــــ ہی پہونچا، شان موکھم چیٹی کی قابلیت، حب وطن اور مہارت کا شاہکار "اوٹاوہ پیکٹ" تھا، یہ مالیاتی معاہدہ زبردستی ہندستان کے سر تھوپا گیا تھا، اور دوسرے ہندستان کو کروڑوں، اربوں روپے کا نقصان پہونچا تھا، اسی کارنامہ کی بنا پر موصوف سر سے سر ہوئے، مرکزی اسمبلی کے صدر بنے اور لارڈ لنگلڈن وائسرائے ہند کے متبنی کہلائے، اس معاہدے کو اسمبلی میں نامنظور کرانے کے لئے کانگرس پارٹی نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا تھا اور اس معاملہ میں کانگرس کا شدید ترین اصولی اور بنیادی اختلاف کے باوجود جس نے ساتھ دیا تھا اس نام بدم شخص کا نام تھا، محمد علی جناح، اور دوسرا بھاری بھرکم شخص جس نے کانگرس کا مخالف ہونے کے باوجود کانگرس کا ساتھ دیا تھا، وہ تھا دیوانۂ اسلام ــــــــ شوکت علی!

ان تو یہ شان موکھم چیٹی صاحب کانگرس کی نظر انتخاب پر

چڑھے اور اس منصب پر فائز ہوئے، جواہر لال، اور ٹشان موکھم کا اتحاد بالکل بے بسی کا اتحاد تھا۔

میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!

پھر جب ایک سنگین الزام کے ماتحت جواہر لال مجبور ہوئے کہ ٹشان موکھم سے استعفیٰ طلب کریں تو پھر انھوں نے کانگرس کے حلقہ میں ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی!

کانگرس کے حلقوں میں کوئی ایسا مرد خرد مند نظر نہ آیا جو اس بار امانت کو اٹھا سکتا، آخر مجبور ہو کر پھر سر جان متھائی کو دعوت دی گئی کہ وہ یہ بار گراں اٹھائیں، ان سے یہ بار گراں نہ اٹھ سکا، او دیکھتے کو ٹھیلے کا بہانا، شیام پرشاد مکرجی کی مخالفت میں انھوں نے بھی استعفا دے دیا، اور اب پھر کانگرس کے حلقہ میں کسی مرد دانا کی تلاش شروع ہوئی، مگر وہی بات،

اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر!

کانگرس اس منصب کے لئے پھر کسی کو پیش نہ کر سکی، آخر کار جواہر لال نے مجبور ہو کر، رزرو بینک آف انڈیا کے گورنر دیش مکھ سے استدعا کی کہ ملازمت ترک کر دیں اور وزارت کے حلقۂ رنداں میں شریک ہو جائیں، انھیں کیا عذر ہو سکتا تھا، بمبئی سے اڑے اور دہلی پہونچ گئے۔

منزلِ عشق بے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے!

چنانچہ یہ جادۂ صد سالہ ایک نعرۂ مستانہ میں ونیش مکھ صاحب نے طے کر لیا،

عجیب و غریب ریکارڈ!

غرض یہ عجیب و ریکارڈ کانگرس نے قائم کیا ہے کہ آزادیٔ ہند کے بعد سے اب تک اسے اپنے حلقہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا، جو اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا، ہمیشہ نگاہ انتخاب اغیار پر پڑی اور اغیار بھی وہ جن کا پس منظر وطن دشمنی اور سامراج پرستی کے سوا کچھ نہ تھا، اور جن کے حال میں بھی کوئی اصلاح کسی درجہ میں نہیں ہوئی تھی۔

قائد اعظم کا انتخاب!

اس پس منظر کی روشنی میں صحیح طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ مالیات کا محکمہ جو مسلم لیگ کو پیش کیا گیا تھا، یہ درحقیقت ایک چیلنج تھا۔

قائد اعظم نے اس چیلنج کو حسب معمول ایک جان نواز تبسم کے ساتھ قبول کر لیا!

قائد اعظم نے، لارڈ ویول کو اطلاع دی کہ مالیات کا محکمہ لیاقت علی خاں

کے سپرد کیا جائے، لارڈ ویول نے یہ تجویز قبول کرلی، اور لیاقت علی خاں غیر منقسم ہندوستان کے پہلے ہندوستانی فنانس منسٹر ہو گئے۔!

رَدِّ عمل!

قائد اعظم کے اس انتخاب کا ردعمل بڑا دلچسپ تھا۔

جو لوگ مسلم لیگ کے قائد اعظم کے نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے انھوں نے خوشی کی تالیاں بجائیں، اس سے بڑھ کر مسلم لیگ کو زک دینے کا کوئی موقع تو نہیں آسکتا تھا۔ قائد اعظم بڑی ہوشیار مچھلی بنتے تھے لیکن آخر جال میں پھنس گئے، لیاقت علی خاں کی ناکامی، قائد اعظم کی، مسلم لیگ کی، اور ساری ملت اسلامیہ کی ناکامی تھی، اور ان حضرات کو یقین تھا کہ یہ بدترین اور رسواکن ناکامی رونما ہو کر رہے گی ——— لیاقت علی خاں اس گراں بار ذمہ داری کو کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں انجام دے سکتے۔

یہ ردعمل تو تھا مخالفین کا ——— لیکن جو لوگ مسلم لیگ کے حامی تھے، قائد اعظم کے وفادار تھے، پاکستان کے کارکن اور سیاسی تھے، لیاقت علی خاں کے مداح اور قدرشناس تھے وہ بھی اس انتخاب کو حیرت اور تاسف کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہے تھے، • ان کی دلی تمنا تھی کہ لیاقت علی خاں اس امتحان سے سرخ رو ہو کر

نکلیں ان کا دل اندر سے دھڑک رہا تھا، بہترین جذبۂ خیر سگالی کے باوجود انھیں شبہ تھا کہ لیاقت علی خاں، کامیاب ہو سکیں گے۔!

لیاقت کا پسِ منظر!

لیاقت علی خاں کا پس منظر بھی جہاں تک اس منصب کا تعلق ہے، ذرا بھی امید افزا نہیں تھا۔!

لیاقت علی خاں کی ساری پونجی اخلاص کے سوا کچھ نہ تھی ——— اور اخلاص و ذہن رسا، اور مہارت لازم و ملزوم نہیں ہیں۔!

لیاقت علی خاں کی ابتک کی ساری کارگذاریوں کا جائزہ لیجئے تو کیا نظر آئے گا؟ ——— ؟

یہ کہ بڑے مخلص اور شائستہ آدمی ہیں، یوپی کونسل کے نائب صدر (ڈپٹی پریسیڈنٹ) رہے، لیکن یہ کوئی ایسا منصب نہیں تھا جس کی محکمۂ مالیات تک رسائی ہوتی۔ یوپی کونسل کی ممبری کے زمانے میں ان کی جدوجہد زیادہ تر تعلیمی امور کی طرف رہی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے، سوشل معاملات سے بھی دلچسپی رکھی لیکن نہ اتنی کہ ہندستان گیر شہرت اور اثر و رسوخ کے مالک بن جاتے، اب کچھ عرصہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری چلے آرہے تھے، اس سلسلہ میں بھی ان کی پوزیشن قائد اعظم کے ایک وفادار لفٹنٹ سے

زیادہ نہ تھی، غرض تعلیمی، سوشل، اور سیاسی سرگرمیاں کسی درجہ میں بھی آدمی کو ماہر مالیات نہیں بناتیں، لہذا کیسے سمجھ لیا جاتا کہ وہ کامیاب وزیر مال ثابت ہوں گے؟ غلام محمد کی طرح ان کی حساب دانی کا شہرہ نہیں تھا، زاہد حسین کی طرح وہ مسلمہ شہرت کے ماہر معاشیات و مالیات نہیں تھے، اب تک کسی مالی کمیٹی کے ممبر بھی نہیں منتخب ہوئے تھے۔

غرض سارا پس منظر دیکھ ڈالئے کہیں بھی تاریکی کے سوا اُمید کی کرن نہیں دکھائی دیتی تھی، اندیشہ کی کارفرمائی جاری تھی۔!

اچانک ——— !

امید و بیم کا یہ عالم جاری تھا کہ دفعتہً ۲۸ فروری ۴۷ء کو لیاقت علی خاں نے نئی دلی کی مرکزی اسمبلی میں اپنی یادگار اور زندہ جاوید "اشتراکی" اور "اسلامی" کا میزانیہ (بجٹ) پیش کردیا، جیسے ہی یہ میزانیہ پبلک کے سامنے آیا، ایک شور مچ گیا ——— داد و تحسین کا بھی، عناد و نفرین کا بھی!

بجٹ کا خلاصہ!

سب سے پہلے بجٹ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے

- حسب ذیل اعداد و شمار سے سال گذشتہ اور سال آئندہ

کے بجٹ کا اندازہ ہوگا۔

	۱۹۴۶-۴۷ء	۱۹۴۷-۴۸ء
آمدنی	۲۳۶،۱۹ (کروڑ روپیہ)	۲۷۹،۴۸ کروڑ روپیہ
خرچ	۲۸۱،۴۷ "	۳۲۷،۸۸ "
خسارہ	۴۵،۲۸ "	۴۸،۴۶ "

لیاقت علی خاں کی تقریر!

اپنے میزانیہ کو پیش کرتے ہوئے لیاقت علی خاں نے ایک معرکہ آرا تقریر کی، اس تقریر میں انھوں نے ان نکات کو واضح کیا جو اس بجٹ کو مرتب کرتے وقت ان کے ذہن میں تھے، جب تک ان نکات پر ایک سرسری نظر نہ ڈال لی جائے بجٹ کی افادیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

میری خاص طور پر یہ کوشش ہوگی کہ اس نمایاں فرق کو جو آج امیر طبقہ کے لوگوں اور بے شمار غریب عوام کی آمدنی اور معیار زندگی میں پایا جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک کم کر دیا جائے اور عوام کی فلاح و ترقی میں حتی الوسع مدد دی جائے۔

۲۔ ہمیں ان بھاری ذمہ داریوں کو نہیں بھولنا چاہئے جو اس امر کو یقینی بنانے کے سلسلے میں ہم پر عائد ہوتی ہیں کہ برطانوی ہاتھوں سے ہندوستانی ہاتھوں میں اختیارات کے متعلق اس کے ساتھ

عمل میں آئے اور جو آزادی کامل ہو وہ برِ عظیم کے تمام لوگوں کے لئے حقیقی آزادی ہو۔

۳۔ مستقبل کے آئین کے خد و خال کے متعلق کافی یقین حاصل کئے بغیر طویل مدت کا کوئی اقتصادی یا مالیاتی منصوبہ تیار کرنا آسان نہیں ہے تاہم آئینی مسئلہ کو کسی رنگ میں پیش بینی کئے بغیر ہم فوری اہمیت رکھنے والے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کا کام جاری رکھیں گے۔

ہمیں افراطِ زر کے موجودہ رجحانات کو روکنا ہوگا اور اس امر کا انتظام کرنا ہوگا کہ جب تفریطِ زر کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوں جیسا کہ زود یا بدیر ان کا رونما ہونا ضروری ہے تو ہم روزگار اور پیداوار کے معیار کو برقرار رکھ سکیں۔

۴۔ حکومت ہند اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان مالی سمجھوتہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ہندوستان جو کچھ دفاعی مصارف کے سلسلے میں صرف کرے گا وہ سب کا سب براہ راست حکومت ہند پر ڈالا جائے گا۔

۵۔ اسٹرلنگ تحویلات کے بارے میں ہندوستان کا جو مطالبہ ملک معظم کی حکومت سے ہے اس پر ایسی کوئی بات اثر انداز نہیں ہوگی جس میں ان تکلیفوں اور ان قربانیوں کا جو اس ملک کو جنگ کے سالوں میں پیش کرنا پڑی ہیں اور ہمارے غریب اور فلاکت زدہ عوام کے اس خطرناک طور پر پست معیارِ زندگی کا پورا پورا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

۱۶۔ اگرچہ طویل مدت کے ان منصوبوں پر جنھیں عملی جامہ پہنانے کا کام مرکزی محکموں کے سپرد کیا گیا ہے، نئی صورت حال کے پیش نظر نظر ثانی کی ضرورت ہوگی، تاہم صوبائی اور علاقہ واری بنیاد پر ترقی کے کام میں مدد دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی، صوبوں کو ۴۵ کروڑ روپیہ کی ترقی کی گرانٹ اور ۳۲ کروڑ روپے کے قرضہ جات دینے کا بندوبست کیا گیا ہے، مرکزی حکومت نے قومی شاہراہوں کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال کے لئے مالی ذمہ داری اٹھانا منظور کر لیا ہے اور اس پر اپریل ۱۹۴۸ء سے عمل درآمد شروع ہو جائے گا، امید ہے کہ عنقریب دامودر ویلی کارپوریشن قائم کی جائے گی تاکہ دامودر اسکیم کی منصوبہ بندی کی جائے اس کی تعمیر اور اس کے نظم و نسق کا انتظام کیا جائے اور بعض بندوں کی تعمیر کا کام اگلے سال شروع کر دیا جائے گا۔

مالی حالت!

مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ۱۹۴۶-۴۷ء کی مالی حالت اور محصول بندی کی موجودہ سطح کے مطابق ۱۹۴۷-۴۸ء کے بجٹ کے تخمینوں کی وضاحت ہوتی ہے۔

کروڑوں میں

	۱۹۴۶-۴۷ء	۱۹۴۷-۴۸ء
آمدنی	۲۳۶٫۱۹	۲۷۹٫۴۲
اخراجات	۲۸۱٫۴۷	۳۲۷٫۸۸
کمی	۴۵٫۲۸	۴۸٫۴۶

عام آمدنی!

فنانس ممبر نے اپنی تقریر کے شروع میں عام آدمی کی حالت سدھارنے کی خواہش پر زور دیا۔

سیاسی صورت حال میں ان تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے جن کا انجام ملک معظم کی حکومت کے ۲۰ر فروری والے اعلان کی صورت میں ظاہر ہوتا فنانس ممبر نے کہا۔

"یہ بہت اہم تغیرات ہیں، خاص کر ملک معظم کی حکومت کا وہ حالیہ بیان جس میں اس ارادہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ کامل اختیارات ہندوستان کے باشندوں کو منتقل کر دیے جائیں گے، ان تمام تبدیلیوں کا واضح تصور جس کی طرف اس بیان میں اشارہ کیا گیا ہے قبل از وقت ہے لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ مستقبل کی تشکیل کی ذمہ داری اب ہم پر عائد ہوتی ہے اور اس آزادی کے خیال سے جو ہماری منتظر ہے ہم خواہ کتنا ہی خوش ہولیں لیکن ہمیں اس بھاری ذمہ داری کو نہ بھولنا چاہئے جو ہم پر اس ضمانت کے لئے عائد ہوتی ہے کہ برطانیہ کی طرف سے ہندستان کو اختیارات پرامن طور پر منتقل ہوں اور جو آزادی حاصل کی جائے وہ اس وسیع ذیلی براعظم کے تمام باشندوں کے لئے حقیقی آزادی کا درجہ رکھتی ہو

اقتصادی حالت!

تقریر جاری رکھتے ہوئے فنانس ممبر نے کہا، کمی زر کے رجحانات جنکے متعلق ایک وقت یہ امید تھی کہ وہ جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے، نظر نہیں آئے۔ ابھی تک افراط زر موجود ہے اور قیمتیں بڑھی ہوئی ہیں، زمانۂ جنگ میں روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی جو قلت تھی اس میں ابھی تک کوئی خاص فرق نہیں ہوا، بھاری مشینوں کے حصول میں ناگزیر تاخیر، مزدوروں کی بے اطمینانی اور نقل و حمل کی مشکلات کے باعث پیداوار میں رکاوٹ واقع ہوئی ہے، اس کے علاوہ خوراک کی صورت حال کے بارے میں برابر تشویش لگی رہی ہے۔

آئندہ آئین کے متعلق کچھ معلوم ہوئے بغیر طویل مدت کی کوئی اقتصادی یا مالی پلان تیار کرنا آسان نہیں۔

ملک معظم کی حکومت کے حالیہ اعلان کے پیش نظر لازمی ہے کہ آنیوالے سال میں شدید سیاسی سرگرمی نظر آئے گی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک آئینی مسئلہ حل نہ ہو جائے ہم انتظار ہی کی حالت میں رہیں اس مسئلہ پر مخالفانہ اثر ڈالے بغیر ہیں۔

اس وسیع ذیلی براعظم کے فوری اقتصادی مسائل کے حل کرنے میں برابر کوشاں رہنا چاہئے۔ افراط زر کے موجودہ رجحانات کو روکنا چاہئے اور روزگار اور پیداوار کو برقرار رکھنے کا بندوبست کرنا چاہئے۔

مالی سال ۴۷-۱۹۴۶ء

سال رواں کے لئے آمدنی کا اندازہ ۳۳۶٫۱۹ کرور لگایا گیا ہے، جو بجٹ سے بقدر ۲۹٫۲۶ کرور کے زیادہ ہے، توقع ہے کہ بجری محصول میں ۲۸٫۰۲ کرور روپیہ کا اضافہ ہوگا، جو ایک حد تک درآمد میں ترقی چائے، جوٹ اور روئی پر محصول سے حاصل ہوگا، مرکزی اکسائز سے ۴۴٫۰۷ کرور روپیہ وصول ہونے کی توقع ہے۔

اس کے مقابلہ میں بجٹ میں اس مد میں ۴۴٫۳۲ کرور روپیہ کا اندازہ تھا، بجٹ کے ۱۰۰٫۹۹، ۲۵ روپیہ کے اندازہ کے برعکس انکم ٹیکس سے ۱۰۵٫۷ کرور روپیہ وصول ہوں گے، ڈاک وتار کے محکمہ سے ۱۵٫۲۱ کرور روپے کی آمدنی ہوگی جو بجٹ کے اندازہ سے بقدر ۷۵ لاکھ روپے کے زیادہ ہے اور بجٹ کی ۳۲۳٫۸ کرور کی تخمینی بچت کے مقابلہ میں ۴۱٫۷۸ کرور کی خالص بچت ہوئی، جس کی وجہ یہ تھی کہ کاروباری اخراجات میں اضافہ ہوگیا ریلوے سے بجٹ کے تخمینہ کے مطابق ۷٫۳۶ کرور روپیہ کی امداد کی بجائے ۱۶٫۵ کرور روپیہ کے وصول ہوئے۔

جہاں تک دفاعی اخراجات کا تعلق ہے اخراجات سرمایہ سمیت نظر ثانی شدہ تخمینہ ۲۴۰٫۱۱ کرور کا ہے، اس مقابلہ میں بجٹ میں ۲۴۵٫۴۳ روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا تھا، سبک دوشی کے آغاز سے ۱۹۴۶ء کے آخر تک فوج سے ۱۱،۸۷،۰۰۰ بحریہ سے ۲۰،۰۰۰ اور ہوائیہ سے ۱۸،۰۰۰ سپاہی سبک دوش کیے گئے۔

توقع ہے کہ مسلح فوجوں کو ملکی بنانے کی کمیٹی کے ذریعہ جو تمام دفاعی فوجوں میں غیر ہندستانیوں کی جگہ ہندستانیوں کو جلد سے جلد مقرر کرنے کے ذرائع معلوم کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے ہندستان کی دفاعی بجٹ میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی۔

غیر فوجی تخمینے!

غیر فوجی اخراجات کا نظر ثانی شدہ تخمینہ ۱۴۳،۳۶ کرور روپیہ ہے، یہ رقم بجٹ کی رقم سے ۲۲،۳۵ کرور روپیہ زیادہ ہے، اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اجناس خوراک جو باہر سے درآمد کی گئی ہیں اس سلسلہ میں امدادی رقم دی جا رہی ہے اور اس کا اندازہ ۲۰ کرور ہے کم تنخواہ پانے والے عملہ کے لئے جو عبوری مراعات منظور ہوئی ہیں ان کا تخمینہ ۲ کرور روپیہ ہے، قبائلی علاقوں پر بڑھے ہوئے صرفہ کا اندازہ ۳/۴ ۱۳ کرور ہے۔ اور نیپال کو اس کی جنگی خدمات کے معاوضہ میں ۱/۲ ۱ کرور روپیہ دیا گیا ہے۔

مشرق میں جنگ کے اچانک ختم ہو جانے پر دو ایسے بڑے سوال سامنے آگئے ہیں جن پر اسی وقت غور کرنا ضروری تھا مثلاً

(الف) جنگ سے متعلق سامان کے لئے مانگیں در پیش تھیں ان کی تنسیخ اور

(ب) ضروریات جنگ کے بجائے اب صنعت سے شہری ضروریات

کے پورا کرنے کا کام لینا۔

بنابریں دو کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں جو مالی سال کے ختم ہونے سے پہلے مانگوں کی تخفیف کے کام کو مکمل کر دیں گی، دسمبر کے آخر تک ۵۰ کروڑ روپیہ کی مالیت کے معاہدے منسوخ کئے جا چکے ہیں۔

شہری رسد و صنعت کے محکمہ میں جس کی دوبارہ تشکیل ہوئی ہے ایک شعبۂ ترقی قائم کیا گیا ہے جس کا اولین کام یہ ہے کہ جنگی ضروریات کی پیداوار کی طرف سے شہری ضروریات کی طرف منتقل ہونے میں امداد دے اور صنعت کو ضروری ترجیحات حمل و نقل اور پیداوار کی دوسری آسائشیں بہم پہونچائے۔

ادھار پٹہ کے سلسلہ میں امریکہ سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی طرف مختصر سا اشارہ کرتے ہوئے فنانس ممبر نے ڈسپوزلز کے موضوع پر کہا۔

اس معاہدہ کی بنا پر جو فاضلات حاصل ہوئے ہیں ان کی تقسیم کے لئے سرگرم کوشش کی گئی ہے، ان فاضلات کی فروخت کی مجموعی قیمت ۵۰ ملین ڈالر سے بھی بڑھ جائے گی۔

ان امریکی فاضلات کے علاوہ دفاعی سروسوں کے پاس ذخیروں کی جو بڑی بڑی مقداریں موجود تھیں وہ بھی ان فاضلات میں شامل ہیں۔

ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کہ ان فاضلات سے عہدہ برآ ہونے میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہونے پائے۔

دفاعی سروسوں کی مانگوں کو پورا کرنے کے لئے جنگ کے دوران میں ۳۶ آرڈیننس اور دوسری فیکٹریاں قائم کی گئی ہیں، ان کا یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ۱۵ فیکٹریوں کو برقرار رکھا جائے، اور ان میں از سرنو ارتباط پیدا کر کے، انھیں زمانۂ امن کی ضروریات کے موافق کر دیا جائے اور اکیس[۲۱] فیکٹریوں کو جن میں اکثر کلورنگ، ہارنس اور سیڈلری کی فیکٹریاں ہیں بند کر دیا جائے، یہ اس پالیسی کے تحت ہے کہ جنگی پیداوار کی صلاحیت کو شہری پیداوار کی صلاحیت کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

سال زیر تبصرہ کے جن دوسرے مسائل کا ذکر فنانس ممبر نے کیا وہ یہ تھے۔

کنٹرولوں کو نرم بنانا، ان میں سے اکثر کنٹرول یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے ہٹا لئے گئے۔ اور صرف کوئلہ، پارچہ جات، لوہا اور فولاد جیسی اشیا کے کنٹرول اور بعض ضروری کنٹرول مثلاً برآمدن و درآمدن اور ایکسچینج کے کنٹرول باقی رہ گئے۔

تنخواہوں کا مرکزی کمیشن سرکاری ملازموں کی شرائط ملازمت بالخصوص تنخواہوں کے پیمانوں اور معاوضوں کے معیاروں کی موزونیت کے متعلق تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا۔

کمیشن نے اپنا کام تقریباً مکمل کر لیا ہے اور اس کی سفارشوں کے بارے میں جلد سے جلد کارروائی کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی گئی ہیں تنخواہوں کی شرحوں میں جن تبدیلیوں کا فیصلہ کیا جائے گا وہ یکم جنوری

سنہ ۱۹۴۷ء سے نافذ کردی جائیں گی۔

محکمہ مالیات کے تحت اشیا کی قیمتوں کا ایک بورڈ قائم کیا گیا ہے اس کے متعلق ممبر مالیات نے کہا کہ قیمتوں کا ایک صحیح اور درست نظام ملک کی اقتصادی حالت کی عمدگی کے لئے بے حد اہم ہے خصوصاً اس عبوری دور میں جو ہمہ گیر جنگ سے پیدا شدہ اقتصادی خلل اور تنزل کے بعد شروع ہوا ہے، بورڈ قیمتوں کی ایک موزوں اور یکساں پالیسی قائم کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے میں حکومت کی امداد دے گا۔

سنہ ۴۸-۱۹۴۷ء کا مالی سال

اس کے بعد ممبر مالیات نے سنہ ۴۸-۱۹۴۷ء کے مالی سال کے متعلق اظہار خیالات کیا، محصول بندی کی بنیاد کے مطابق اس سال کی آمدنی کا تخمینہ ۲۷۹٫۴۲ کروڑ روپیہ اور اس کے مقابلہ میں سال رواں کی آمدنی کا تخمینہ ۹۱٫۶۳۳ کروڑ روپیہ ہے۔

کسٹم کے محصولوں کی آمدنی کا اندازہ ۹۸ کروڑ روپیہ ہے، یعنی سال رواں کے نظر ثانی شدہ تخمینہ سے بقدر ۱۲/۲ کروڑ روپے زیادہ مرکزی محصول پیداوار (اکسائز) کے ذریعہ ۹۳،۴۰ کروڑ روپیہ انکم ٹیکس کی آمدنی ۱۳۵ کروڑ روپیہ جس میں ۴۰ کروڑ کی ۵۵ رقم بھی شامل ہے جو زائد منافع کے محصول کے بقائے کے سلسلہ میں وصول ہوئی اور ۷٫۵۵ کروڑ روپیہ بھی شامل ہے جو مرکزی سرچارج کے بقائے کے طور پر وصول ہوا، کل قابل تقسیم

مجموعی آمدنی (پول) کا تخمینہ ۳۳۲،۶۷ کرور روپیہ اور صوبائی حصہ کا تخمینہ ۱۹،۳۵ کرور روپیہ ہے۔

توقع ہے کہ ڈاک اور تار کے محکمہ کی آمدنی ۲۰٫۲۲ کرور روپیہ اور محکمہ کو چلانے کے مصارف اور سود کی رقم ۲۵٫۹۸ کرور روپے ہوں گے، اسطرح ۴٫۲۲ کرور روپیہ کی خالص بچت ہوگی،

سال رواں کے خاتمہ پر محکمہ کی جمع شدہ بچت ۱۸/۲ کرور روپے ہو جائے گی۔ اور تجویز ہے کہ اسے (محکمہ کو) اس رقم پر سود کی واپسی (ریمیٹ) دیجائے نہ کہ ایک کرور روپیہ کی رقم پر جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔

ریلوں سے جو رقم حاصل ہوگی اس کا تخمینہ ۷٫۵ کرور روپے ہے۔

دفاعی اخراجات

اگرچہ مسلح افواج کی عام سبک دوشی اور دفاعی سروسوں کی زمانہ جنگ کی سرگرمیاں بند ہونے سے ۴۷-۱۹۴۶ء کے آخر تک ہم زمانہ امن کی حالت پھر بحال کرنے میں بہت کچھ آگے بڑھ چکے ہوں گے پھر بھی ۴۸-۱۹۴۷ء میں ہم جو حالات پیدا کر سکیں گے وہ بعض صورتوں میں معمولی حالات سے بہت کچھ جداگانہ ہوں گے۔

فوجوں سے اندازاً ۲،۰۰۰۰۰ آدمیوں کو سبک دوش کرنا باقی رہ جائے گا قبل اس کے کہ ہم سبک دوشی کی مقررہ عارضی حد تک پہونچیں، ہندستان کی بعد جنگ کی بری بحری اور ہوائی فوج کی طاقت اور ہیئت ترکیبی کے

سلسلہ میں اعلیٰ پالیسی کے متعدد غور طلب مسائل پیدا ہوتے ہیں جن پر اس وقت ہم سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں،

ہندستانی فوج میں برطانی افسروں کی بھرتی دوسری عالمگیر جنگ شروع ہونے کے بعد سے بند ہو گئی ہے، یہ پھر شروع نہ کی جائے گی اور فوج کو مکمل طور پر ملکی بنانے تک فوج کے برطانوی سروس کے افسروں کو آئندہ صرف کم مدت کی ملازمت کے لئے رکھا جائے گا۔

مالیاتی سمجھوتہ!

حکومت ہند اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان مالیاتی سمجھوتہ کا ذکر کرتے ہوئے فنانس ممبر نے کہا۔

کہ یہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو ختم ہو جائے گا، یکم اپریل ۱۹۴۷ء سے ہندستان کا تمام دفاعی خرچ براہ راست ہندستان کے دفاعی تخمینوں سے لیا جائے، جیسا کہ جنگ سے قبل کیا جاتا تھا اگر ملک معظم کی حکومت سے ان ہندستانی فوجوں کے مصارف کے مطابق جن سے ہندستان کے باہر کا کام لیا جائے، نیز اس حکومت کو جو دیگر رسدیں اور خدمات فراہم کی جائیں، ان کے مطابق رقم لے لی جائے گی۔

دفاعی اخراجات کے سلسلہ میں ملک معظم کی حکومت سے قابل وصول رقم کے متعلق فنانس ممبر نے ان دشواریوں کا ذکر کیا جو ہندستان کی موجودہ حالت میں اس کا حساب کرنے میں ہوں گی، نیز اسی طرح

کے مصارف کے سلسلہ میں ہندستان کے اس جوابی مطالبہ کا ذکر کیا جو ہندستانی فوج کے اس عملہ سے متعلق ہے جسے ملک معظم کی حکومت نے سمندر پار رکھا ہے، ایک مزید دشواری دونوں حکومتوں کی ان باہمی ذمہ داریوں کی پیدا ہوتی ہے جن کا تعلق غیر موثر اخراجات سے ہے۔ ان کے متعلق جو سمجھوتہ ہے وہ بھی اصل مالیاتی سمجھوتہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

اس مسئلہ پر ملک معظم کی حکومت کے ساتھ گفت وشنید ہوئی ہے اور متعلقہ مالیاتی مضمرات کے بڑے بڑے پہلوؤں کو جانچنے کے بعد یہ طے ہوا کہ ۱۹۴۷-۴۸ء میں متذکرہ بالا قسم کے تمام مطالبات اور ادائگیاں دونوں طرف سے ترک کر دی جائیں۔

میزانیہ کیا تھا؟

اب یہ بھی معلوم کر لیجئے، میزانیہ کیا تھا، کیسا تھا، اس کی کیفیت وکمیت کیا تھی۔

ذیل میں دہلی کے ایک سربرآوردہ روزنامہ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۴۷ء سے ہم کارروائی نقل کرتے ہیں، کارروائی نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ بحث، ملک کی سنجیدہ صحافت نے کس اہتمام اور کس تشریح وتعبیر کے ساتھ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کیا۔

نئی دہلی ۲۸ فروری۔ "میں قرآن مجید کی اس تعلیم پر ایمان رکھتا ہوں کہ دولت کو صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں محدود نہیں

رہنا چاہئے اور قرآن پاک کے اس حکم کا پابند ہوں کہ دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کرنے سے روکا جائے۔ میں نے حتی الامکان اپنے مالیاتی میزانیہ کو ان ہی اصولوں پر مبنی کیا ہے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو ہندستان کے پہلے ہندستانی اور پہلے مسلمان رکن مالیات مسٹر لیاقت علی خاں نے ۴۸-۱۹۴۷ء کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کہے۔

ہندوستان کی عارضی حکومت کے مسلم لیگی رکن مالیات نے تاریخی اعلان کیا کہ نمک کا محصول ختم کیا جاتا ہے، اس محصول کو ختم کرنے کے لئے مسٹر گاندھی گذشتہ ۱۰ سال سے کوشاں تھے، لیکن کانگرس کے نامزد کردہ رکن مالیات مسٹر متھائی نے اس کو ختم کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔

نمک کا محصول ختم کرنے سے ہندستان کے مالیات کو ۹ کرور سالانہ کا خسارہ ہوگا، لیکن رکن مالیات نے نہایت مہارت سے اس خسارہ کی خانہ پری کرلی۔

نمک کے محصول کو ختم کرنے ہی کا فعل شاہد ہے کہ مسلم لیگ عام انسانوں کی حالت بہتر بنانے کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔

عام انسانوں کی فلاح و بہبود کا جذبہ ایک اور اقدام سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اب انکم ٹیکس صرف بڑی بڑی آمدنی والوں پر عائد ہوگا اور متوسط طبقہ کو اس کی زد سے بچالیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار سے زائد آمدنی والوں کو محصول آمدنی ادا کرنا ہوگا۔

نئے محاصل!

بجٹ کے مطابق تجارت میں ایک لاکھ روپیہ سے زائد منافع پر ۲۵ فی صد محصول لگایا جائے گا۔ اور کارپوریشن کا محصول ایک آنہ سے دو آنے کر دیا گیا ہے۔

بالواسطہ محصول کے لئے رکن مالیات نے چائے کی برآمد پر محصول لگایا اور ایک پونڈ پر دو آنے کے بجائے چار آنے محصول لگا دیا گیا۔

ان محاصل سے آمدنی ۹۷ء۳۹ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوگا اور خسارہ صرف ۱۶٫۶ کروڑ رہ جائے گا۔

تحقیقاتی کمیٹی!

رکن مالیات نے اعلان کیا کہ سرکاری اور غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی جو خرچ میں کفایت کرنے اور فضول اخراجات کی روک تھام کرنے کے لئے مختلف سفارشات رکھے گی۔

اسٹاک مارکٹ میں سٹہ بازی کو روکنے کے لئے بھی تجویز رکھی گئی ہے تاکہ اس قمار بازی کا سدباب ہوسکے۔

اہم نکات!

رکن مالیات کی تقریر کے بعض اہم نکات حسب ذیل ہیں:۔

ا میری ساری کوششیں اس پر مرکوز ہوں گی کہ میں دولت مندوں کے تمول اور غریبوں کے مصائب و غربت کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے اس کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی کروں۔

ہمیں ان زبردست ذمہ داریوں کو فراموش نہ کرنا چاہیئے جو ہمارے کاندھوں پر ہیں، وہ یہ کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں پرامن طریقہ سے اقتدار منتقل کیا جائے، اور جو آزادی حاصل ہو وہ ہندوستان میں بسنے والے ہر فرقہ اور ہر قوم کی آزادی ہو۔

حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے مالی معاہدے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء ہے لہٰذا دفاع کے جو اخراجات ہندوستان میں ہوں گے وہ ان کے لئے واجب الادا ہوں گے۔

ہندوستان کا جو ذخیرۂ غذا انگلستان کے ذمہ ہے وہ پورا پورا ادا ہوگا۔ اس لئے کہ ہندوستان نے جو عظیم قربانیاں دی ہیں اُن کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حلقہ وار منصوبہ بندی!

رکن مالیات نے خاص طور پر حلقہ واری منصوبہ بندی پر زور دیا، آپ نے کہا کہ اس برکوچک کی ہموار ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے تمام حصے ایک ہی معاشی معیار پر آجائیں، اور وہ حصے جو پس ماندہ ہیں اُن کی خاص طور پر امداد کی جائے۔

رکن مالیات نے اس پر خاص طور سے زور دیا کہ مالیاتی موازنہ میں جو کچھ بھی آمدنی وخرچ بتایا گیا ہے، وہ روزمرہ کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے ناگزیر ہے، اس میں کوئی غیر ضروری عنصر شامل نہیں۔

سرمایہ کی تحقیقات!

رکن مالیات نے اعلان کیا کہ جنگ کے زمانے میں لوگوں کے پاس کروروں روپے کا سرمایہ جمع ہوگیا ہے جس کا انکم ٹکس ادا نہیں ہوتا۔

اس سرمایہ کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جو حکومت سے سفارش کرے گا کہ اس روپیہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔

نمک کا محصول

رکن مالیات نے کہا کہ نمک انتہائی خام محصول کی چیز ہے اور اس پر محصول لگانے سے ملک کے غریب طبقہ پر خاص طور پر بار پڑتا ہے۔

اس کو اب تک اس بہانے سے نہیں ہٹایا گیا کہ اس سے ۸ کروڑ روپے سالانہ کی آمدنی تھی،

لیکن اب آمدنی کے دوسرے ذرائع ڈھونڈھ لئے ہیں لہذا اب اس کو ختم کیا جاتا ہے، لیکن نمک کی پیداوار کے معیار کو بلند رکھنے کے لئے اس پر خاص طور سے نگرانی رکھی جائے گی۔

بعدازاں رکن مالیات نے بالراست محصول، تجارتی منافعوں پر محصول اور چائے کی برآمد پر محصول لگانے کی تشریح کی۔ اور آخر میں رکن مالیات نے عظیم مسائل کا ذکر کیا جن سے ہندستان دوچار ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کو انگریزوں سے پُرامن طور پر اقتدار حاصل کرنا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کی سیاسی ترقی معاشرتی ترقی سے وابستہ ہے اور ہمارے کاندھوں پر نہایت ہی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ اگر ہم عقل اور سمجھوتے سے کام لیں اور ایک منصفانہ اور باعزت سمجھوتہ کریں تو ہمارے فرائض بڑی حد تک پورے ہوجائیں گے۔

بجٹ پیش کرنے کے بعد رکن مالیات نے حسب ذیل چار مسودہ قانون پیش کئے۔

۱۔ مالیاتی سال سن (اپریل ۱۹۴۷ء تا اپریل ۱۹۴۸ء) تک کے لئے مالیاتی موازنہ کا مسودہ قانون۔

۲۔ قانون زائد منافع ۱۹۴۰ء میں ترمیم۔

۳۔ قانون انکم ٹکس ۱۹۲۲ء میں ترمیم۔

۴۔ آمدنی کی تحقیق کرانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کا مسودہ قانون۔

مَدح و ذَم!

جب مسٹر لیاقت علی خاں اسمبلی ہال میں داخل ہوئے ہر طرف امید و بیم کا ایک عجیب حال پیدا ہوگیا۔

مہمانوں کی نشستوں پر ہجوم تھا، اور بہت سے ممتاز افراد موجود تھے جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امریکہ کے سفیر مسٹر جارج میری۔ سفیر ایران مسٹر علی معتمدی، بیگم لیاقت علیخاں قاضی محمد عیسٰی، ہز ہائی نس خان آف قلات۔

تالیوں کی گونج میں مسٹر لیاقت علی خاں بجٹ پیش کرنے کھڑے ہوئے اور نہایت ہی متین سنجیدہ اور مستحکم انداز میں اعلان کیا کہ امیروں کی امارت عیش و آرام اور غریبوں کی غربت فلاکت اور مصیبت کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے اس کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

اپنی تقریر کا پہلا حصہ ختم کرنے کے بعد جب انھوں نے محاصل کا اعلان شروع کیا ہر طرف ایک سنسنی پھیل گئی، اور بار بار تالیاں بجا کر خیر مقدم کیا جا رہا تھا۔

پونے ۷ بجے ان کی تقریر ختم ہوئی اور ایوان کے ہر حصہ نے ان کو پُر تپاک مبارک باد دی۔

سر کاؤس جی جہانگیر نے سرمایہ داروں کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے نئے محاصل پر سخت تشویش ظاہر کی اور کہا کہ اس سے صنعتوں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

بے بنیاد اندیشے!

لیکن مسٹر این ایم جوشی اور مس منی بن کارا نے جو وہیں موجود تھے

ان اندیشوں کو بے بنیاد قرار دے دیا اور کہا کہ انگلستان میں بھی اسی قسم کے محاصل عائد کئے گئے ہیں لیکن وہاں صنعت تباہ نہیں ہوئی۔

اس تجویز کا بھی ہر طرف سے خیر مقدم ہوا کہ جنگ کے دوران میں دولت کے بڑے بڑے ذخیرے افراد کے پاس جمع ہو گئے ہیں، ان کی جانچ کے لئے کمیشن مقرر کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اقدام نہایت ہی دلیرانہ ہے اور اس سے بازاروں میں استقلال پیدا ہو گا۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع!

مسٹر لیاقت علی خاں کے پہلے اشتراکی بجٹ کا حصہ شروع میں تو صرف چند ہی تمہیدی بیانات پر مشتمل تھا لیکن جب انھوں نے محاصل عائد کرنے کے متعلق تفصیلات بیان کرنا شروع کیں تو سارے ایوان میں سنسنی پھیل گئی۔

جب نمک کے محصول کو ختم کرنے کا اعلان ہوا ہر طرف سے تالیاں گونجنے لگیں اور مہمانوں کی نشستوں میں سے ایک صاحب تو اس قدر آپے سے باہر ہوے کہ کھڑے ہو کر نعرے لگانے لگے اور ان کے حزب کے ایک صاحب نے اُن کو خاموش کیا۔

بجٹ کے متعلق مختلف قسم کی آراء کا اظہار کیا گیا، خواجہ ناظم الدین ڈپٹی لیڈر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اسے "غریبوں کا بجٹ" قرار دیا۔

• مسٹر یامین خاں ڈپٹی اسپیکر نے خاص طور سے بڑی آمدنیوں پر

ٹکس لگانے کا خیر مقدم کیا۔

مسٹر گڈگل (کانگرس) نے کہا ، غریبوں کو ان کا حق ملتا ہے۔ اور امیروں کو ان کی قبر،،

سرمایہ دار پریشان!

بمبئی کے کارخانہ دار سر کاؤس جی جہانگیر نے کہا ،، یہ بجٹ توقع سے کہیں زیادہ سخت ہے ، اور اس کا ملک کی صنعت و تجارت پر کیا اثر پڑے گا ، اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں اس سے صنعت و حرفت کو ضرور نقصان پہونچے گا۔،،

مسٹر ڈہی لال للوبھائی ،، اب مالکان کارخانہ کو اپنے نفع کے ہر روپیہ میں سے نو آنے ٹکس دینا ہوگا ، صنعت و حرفت کی ترقی مسدود ہوگی لہذا حکومت کو صنعت و حرفت اپنے ذمے لے لینا چاہئے۔،،

محمد اسمٰعیل خاں صاحب کا اظہار خیال

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل کے صدر مسٹر محمد اسمٰعیل خاں نے کہا ،، یہ پہلی مرتبہ ہے کہ غریبوں اور محنت کشوں کے مفاد کا بجٹ بنایا گیا ، ایک ایسی حکومت سے جو کانگرس اور لیگ کے نمائندوں پر مشتمل ہو یہی توقع تھی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سابق وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

نے کہا۔ "غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کا فائدہ ہوگا، اور کروڑپتی اور لکھ پتی لوگوں کو محصول ادا کرنا ہوگا، میں اس بجٹ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

مس منی بن کارا (مزدور) "میری توقعات سے کہیں زیادہ اچھا بجٹ، میں خوش ہوں کہ محاصل کا بار امیروں پر پڑے گا۔"

مسٹر سری پرکاش۔

جب فنانس ممبر نے کہا کہ "میں نے اپنا کام کردیا" تو میں نے کہا "بہت سوں کا کام تمام بھی ہوگیا"

سید غلام بھیک نیرنگ۔

"نہایت ہی اچھا بجٹ"

سردار ونجور کر۔

"متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے نہایت اچھا بجٹ ہے سرمایہ داروں کو ملک کی ترقی کے لئے روپیہ دینا ہوگا۔ میں اس بجٹ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

ڈالمیا کا اضطراب!

لیاقت کا یہ بجٹ "غریبوں کا بجٹ" کے نام سے مشہور خاص و عام ہوگیا، اس نے غریبوں کو سہولت دی، امیروں سے سہولت لی، غریب خوش ہوئے، امیر خفا ہوئے۔

بجٹ کے پبلک ہوتے ہی یکم مارچ سنہ ۱۹۴۷ء کو سیٹھ رام کرشن ڈالمیا نے ایک بپھرا ہوا بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

"اس بجٹ سے ملک کے مفاد اور بالخصوص غربا اور اوسط طبقہ کے عوام کو سخت نقصان پہونچے گا۔

صنعتوں پر جو محاصل لگائے جائیں گے ان سے یقینی طور پر اوسط اور مزدور طبقہ اثر انداز ہوگا۔

اس سے موجودہ صنعت کی ترقی رک جائے گی، اس وقت ہندستانی صنعت اپنی ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، یہ تجاویز اس کی بنیادوں کو کاٹ دیں گی اور ملک کے اقتصادی ڈھانچہ کو منتشر کر دیں گی اور اسطرح بعد از جنگ کی ان تمام اسکیموں پر پانی پھر جائے گا جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے مرتب کی ہیں اور یہ اسکیمیں صرف کاغذ ہی تک محدود رہیں گی مزید جب صنعتوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی، تو وہ ریاستوں کا رُخ کریں گی، صنعتوں پر جنہیں ملک کی اقتصادی حالت کو سدھارنا ہے محصول عائد کر کے غریب ہندستان غریب تر ہو جائے گا، اس سے ہماری صنعتوں کے مقابلہ میں غیر ملکیوں کو تقویت پہونچے گی، کیونکہ ہماری صنعتوں میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہے گی اور اس طرح معیار زندگی مزید گھٹیا ہو جائے گا۔"

کانگریس کی مخالفت!

اس میزانیہ کی سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ اس میں تجارتی منافع

پر محصول عائد کیا گیا تھا، برلا، ڈالمیا، سنگھانیا، ٹاٹا۔ اگر اس کی مخالفت کرتے تو ایک بات بھی تھی، اس لئے کہ یہ ضرب براہ راست ان کی شہ رگ پر پڑ رہی تھی لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کانگرس پارٹی بھی اس کی مخالفت میں پیش پیش تھی، شائد اس لئے کہ برلا اینڈ کمپنی سے اس کی گہری دوستی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بجٹ کی اور تجارتی منافع پر محصول کی مخالفت کرکے کانگرس نے بڑی زبردست اخلاقی جرات کا ثبوت دیا، اب تک دنیا کے سامنے اس کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ غریبوں کی دوست، عوام کی ہمدرد اور جنتا کی عاشق زار تھی، اب دنیا نے پہلی بار محسوس کیا کہ دولت مندوں اور سرمایہ داروں سے بھی اسکے خفیہ تعلقات نہایت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔

کانگرس کا فیصلہ!

کانگرس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر لیاقت علی خاں، تجارتی منافع پر محصول کی شرح کم کرنے پر راضی نہ ہوے تو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں کانگرس پارٹی اس بجٹ کی مخالفت کرے گی، اور اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اسے مسترد کراکے دم لے گی۔

لیاقت علی خاں اس رسوا کن صورت حال سے بچنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ عارضی حکومت کی ہانڈی یوں چوراہے پر پھوٹے

آخر اپنے رفقا سے صلاح و مشورہ کے بعد وہ اس پر راضی ہوئے کہ اس محصول میں کچھ تخفیف کر دیں۔

مصالحت کا ردِ عمل!

لیاقت علی خاں کی اس مصالحانہ روش پر ان لوگوں کو افسوس ہوا جو اس بیزانیہ کی افادیت کے قائل تھے، چنانچہ مرکزی اسمبلی میں اس مسلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ایک سربرآوردہ رکن ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے ایک طویل تقریر کی اپنی اس تقریر کے دوران میں انھوں نے فرمایا۔

لیاقت علی خاں کے جھکنے پر افسوس!

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (مسلم لیگ) نے فرمایا کہ جن لوگوں نے سلکٹ کمیٹی میں اقلیت کی رپورٹوں پر دستخط کئے ہیں ان کے لئے میرے دل میں احترام موجود ہے، لیکن اتفاق سے ایسا ہوا ہے کہ ان لوگوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ وہی ہیں جو ایوان ہائے تجارت نے ظاہر کئے ہیں، یعنی بنگال کے ایوان تجارت، بمبئی کے ایوان تجارت اور ایوان ہائے تجارت کی فیڈریشن نے۔

مجھے افسوس ہے کہ وزیر مالیات نے کابینہ میں اتفاق رائے حاصل کرنے کے لئے سمجھوتہ منظور کر لیا ہے۔

لیاقت کا اعلان!

لیاقت علی خاں نے اس سلسلہ میں مرکزی اسمبلی میں اعلان کیا۔ حکومت نے تمام معاملات پر غور کرنے کے بعد تجارتی نفع کے ٹکس میں حسب ذیل ترمیمیں منظور کر لی ہیں۔

تخفیف کے معاملہ میں ۱۵ اور ۶ فی صدی کے بجائے ۶ فی صدی ایک ہی رقم منظور کر لی گئی ہے اور محصول کی شرح کے سلسلہ میں ۵ر۲ فی صدی کے بجائے ۱۶ فی صدی اور دو تہائی کو شرح تسلیم کر لیا گیا ہے۔ سرمایہ کے منافع کے سلسلہ میں حکومت اس ترمیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے کہ ذاتی سرمایہ اور سامان کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ حکومت مجلس منتخبہ کی ترمیموں کو اور بعض ممبروں کے اختلافی نوٹوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ بل کی مدوں کے سلسلے میں ایوان میں شدید اختلاف رائے ہے۔

حکومت نے ایوان کے تمام طبقوں کی رائے حاصل کرنے کے لئے بعض ترمیمیں قبول کرنا منظور کر لیا ہے۔

اظہار رائے

لیاقت علیخاں کے اس مصالحت آمیز رویے کا مسلم لیگ پارٹی والوں کو صدمہ تھا، اور مخالفین اس سے بھی مطمئن نہیں تھے۔

چنانچہ لیاقت علیخاں کے اس بیان کے بعد ممبران اسمبلی نے ایوان میں جو اظہار خیال کیا اس کا کچھ حصہ ضرور اس قابل ہے کہ تاریخ کے صفحات پر مخفی نہ رہ جائے۔

پروفیسر رنگا نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ بجٹ کے سلسلہ میں حکومت میں اتفاق رائے ہو گیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ کپڑوں کے کرگھے چلانے والوں، روئی اگانے والوں اور گنے کے کاشت کاروں سے کوئی رعایت نہ ہونا افسوسناک ہے۔

پنڈت ٹھاکر داس نے کہا کہ صرف نمک کا محصول اڑا دینا کافی نہیں ہے، ہر شخص کو نمک بنانے کی اجازت دیدینی چاہیئے۔

مولوی تمیز الدین نے کہا کہ بجٹ کے سلسلہ میں جو مفاہمت ہوئی ہے میں اس سے خوش نہیں ہوں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت سرمایہ داروں کے سامنے جھک گئی ہے، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ حکومت نے مجموعی طور پر سرمایہ داروں کے سامنے سر جھکایا ہے، میں تمام ہندستان کے لئے ترقی کی اسکیمیں بنانے کے خلاف ہوں کیونکہ اگر کانگرس اور لیگ میں صلح نہ ہوئی تو نتیجہ تباہ کن نکلے گا۔

حافظ محمد عبداللہ نے کہا کہ بجٹ کے مخالف سرمایہ داروں کے پٹھو ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وزیر مالیات نے اپنا بجٹ دو کانگرسی

ساتھیوں کے مشورے سے بنایا تھا۔

مجلس منتخبہ میں جو جھگڑا ہوا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس پارٹی میں تنظیم کی کمی ہے۔

مسٹر جیلشری نائی سن نے وزیر مالیات کو اس صبر و تحمل پر مبارک باد دی جس کا مظاہرہ انھوں نے مجلس منتخبہ میں کیا تھا، جو بجٹ میں ترمیمیں کر رہی تھی۔

جوابی تقریر!

موافق اور مخالف تقریریں سننے کے بعد لیاقت علی خاں نے ایک معرکہ آرا جوابی تقریر کی، یہ تقریر زبان و بیان، مغز و مفہوم ہر اعتبار سے ایک یادگار تقریر ہے، اس تقریر میں انھوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے، انھوں نے اپنا ما فی الضمیر جس خلوص، سچائی اور جوش صداقت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ انھوں نے طنز کے تیر بھی چلائے ہیں اور لطف کی بارش بھی کی ہے لیکن نہ ان کے طنز میں نفرت ہے نہ اُن کے لطف میں چھچھورا پن ــــــــــــ وقار ان کی زندگی کے ہر مرحلہ پر زیادہ بہترین رفیق اور دمساز تھا۔ اس مرحلہ پر بھی اس نے ساتھ نہیں چھوڑا، انھوں نے جو بات بھی کی ہے، وقار کا رنگ اس میں صاف جھلک رہا ہے۔ اس تقریر کے بعد ایوان نے بتراثیہ منظور کر لیا۔

• پوری تقریر کے لئے یہ صفحات متحمل نہیں ہوسکتے، ضروری خلاصہ

درج ذیل ہے، اس خلاصہ میں ان دلچسپ اعتراضات کا بھی سراغ مل جائے گا جو آنریبل ممبران کی طرف سے وارد کئے گئے تھے۔

تقریر یہ ہے:۔

جب تک میں اپنے موجودہ عہدہ پر ہوں میں اپنا فرض اور یہ اعتماد ایمان داری سے ادا کروں گا مجھے جو اختیارات حاصل ہیں انھیں میں کسی فرقہ کو تباہ کرنے کے لئے استعمال نہ کروں گا کیونکہ میرے خیال میں ایک اعتماد اور ذمہ داری رکھنے والے کا یہ انتہائی غیر ایمان دارانہ فعل ہوگا۔

بجٹ کی تجویزیں محکمۂ مالیات کی نہیں بلکہ حکومت ہند کی ہیں کانگرس پارٹی کے آنریبل ممبروں نے مجھے مالیات کا عطائی کہا ہے اور میرے رفقا کی تمام خطائیں اور قصور میرے سر تھوپے ہیں۔ ایک صاحب نے میری تجویزوں کو کسی واقعی خرابی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ناپسند کیا ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں ہندستان کے لئے بھارت ماتا کے بجائے ذیلی براعظم کا لفظ استعمال کیا،

جناب والا، میرے آنریبل دوست مسٹر موہن لال سکسینہ نے مجھ پر بدنیتی کا الزام لگایا ہے کہ ان تجویزوں کو پیش کرنے سے میرا یہ منشا ہے کہ ملک کی اقتصادی زندگی خراب کرکے خود پاکستان میں جا بیٹھوں، آنریبل ممبر نے یہ نہ سوچا کہ اس وقت پورا ہندستان ایک ہی ہے اور اگر میں ہندستان کے ایک حصہ کو تباہ کروں تو یقیناً ہندستان کے دوسرے حصہ کو بھی تباہ کردوں گا۔

اس کے علاوہ جناب والا میرے آنریبل دوست مجھ سے اس لئے بھی خفا ہیں کہ میں نے نہیں بلکہ ملک کے باشندوں اور اخبارات کی کثیر تعداد نے اس بجٹ کو غریبوں کا بجٹ کہا ہے۔

اگر ملک کے باشندے اسے ایسا کہتے ہیں تو اس میں میری کیا خطا ہے۔ اس کے علاوہ جناب والا مجھے اس لئے موردالزام ٹھہرایا گیا ہے اور میری تجویزوں کی اس لئے مخالفت کی گئی کہ بکثرت لوگوں اور بہت سے اخباروں نے اسے سوشلسٹ بجٹ کہا۔

جناب والا میں نے اپنے بجٹ کے لئے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا، میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں نے یہ تجویزیں صرف خسارا پورا کرنے کے خیال سے نہیں بلکہ ایک خاص سماجی مقصد کو پیش نظر رکھ کر بنائی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ میرے آنریبل دوستوں نے اسے تعصب کی نظروں سے دیکھا اور ان کو بجٹ میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی۔

غریبوں کی بہتری!

غریبوں کی حالت سدھارنے کے لئے میں نے نمک کا محصول دور کر کے اور انکم ٹیکس کی ابتدائی حد بڑھا کر بالواسطہ ٹیکس میں بالترتیب نو کروڑ اور ۵۰ کروڑ کی کمی کر دی ہے، اس کے علاوہ خوراک کی امدادیں ہیں جن کے لئے ۱۷ کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔ صوبائی حکومتوں کو دینے کے لئے ۴۵ کروڑ رکھے گئے ہیں جو افسروں کی کثیر تعداد ملازم رکھنے

کے واسطے نہیں بلکہ عوام کو فائدہ پہونچائے، آب پاشی، تعلیم، صحت عامہ طبی آسانیوں، "زیادہ خوراک پیدا کرو" کی مہم اور ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کے لئے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ صوبوں کو اسی مقصد کے لئے ۲۲ کروڑ روپے قرض دیے جانے کی بھی تجویز ہے۔

مرکزی علاقوں میں "زیادہ خوراک پیدا کرو" کے مقصد کے واسطے ۲۷ لاکھ روپیہ اور قبائلی علاقوں میں اسپتال اور اسکول وغیرہ بنانے کے واسطے ۴۰ لاکھ روپیہ ریسرچ اسکیموں اور اداروں کے لئے جن کا نفع عوام کو حاصل ہوگا بہ تفصیل ذیل روپیہ رکھا گیا ہے، جنگلاتی تحقیقات کے واسطے ۲ کروڑ ۲۳ لاکھ تعلیمی اسکیموں کے واسطے ایک کروڑ ۴۲ لاکھ، طبی اسکیموں کے واسطے ۸۹ لاکھ، آب پاشی کی اسکیموں کے لئے ۷۰ لاکھ، آب پاشی کی تحقیقات کے ۲۱ لاکھ، برقی قوت کی ترقی کے لئے ۱۴ لاکھ۔ سائنسی عطیے ۹۸ لاکھ تاکہ زراعت کے واسطے زیادہ اور اچھی کھاد مل سکے، ترقی کے پراجکٹوں کی تعمیر کے لئے ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ، کوئلہ کی کانوں کے مزدوروں کے مکانات کے لئے ۵۰ لاکھ۔ اس طرح سب ملا کر ایک ارب ۱۱ کروڑ ۷۰ لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔

کیا کوئی بھی آنریبل ممبر سنجیدگی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ بجٹ میں غریبوں کی حالت سدھارنے کے لئے کچھ نہیں۔ کاش میرے آنریبل دوستوں نے بجٹ پر اعتراضوں کی بوچھار کرنے سے پہلے اسے پڑھا بھی ہوتا۔

حکومت کی تجویزیں!

مجھے اُمید ہے کہ میری تجویزیں ملک کی صنعت کو تباہ نہیں کرینگی۔

اس موقع پر میں اپنے آنریبل دوست مسٹر سکسینہ کے ایک سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ وہ سوال یہ تھا کہ آیا یہ تجویزیں حکومت ہند کی ہیں یا محکمۂ مالیات کی۔

میں ان سے عرض کروں گا کہ بجٹ کی تجویزیں حکومت ہند کی تھیں اور ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ بلوں میں بعض تبدیلیاں کی گئی ہیں اس لئے ان میں اصل میں خامیاں تھیں اور وہ جلدی میں تیار کی گئی تھیں، بجائے اس کے کہ اس بات کی قدر کی جائے کہ میں نے اس ایوان کے ممبروں کی رائے کسی حد تک قبول کرلی مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ صحیح طرزِ عمل کیوں اختیار کیا

یہ تجویزیں قبول کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان تمام صنعتوں کے مزدوروں کی حالت بہتر بنانی بہت ضروری ہے اور اس لئے یہ خیال کیا کہ میں نے شروع میں صنعت سے جتنا روپیہ لینا سوچا تھا اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دوں تو صنعتیں اسے غریب مزدوروں کی حالت سدھارنے پر صرف کرینگی

میرے آنریبل دوستوں سر کاؤس جی جہانگیر اور مسٹر دادی لال للو بھائی نے کہا ہے کہ ہندستان میں سپر ٹیکس کی شرح انگلتان کی شرح سے بڑھا دی گئی ہے۔ انگلتان میں انتہائی حد ۲۰۰۰۰ پونڈ اور ہندستان میں ۱۲۰۰۰ روپیہ ہے۔

• اول تو یہ دیکھئے یہاں جس کی آمدنی ۱۲۰۰۰ روپیہ ہو اس کی زندگی

انگلستان کے ....۲ پونڈ کی آمدنی والے شخص سے کہیں اچھی بسر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ انگلستان میں اوسط آدمی کی تنخواہ ۲۰۰ گنی یا تقریباً ۲۸۰۰ روپیہ ماہوار ہے اور ہندستان میں اوسط درجہ کا آدمی زیادہ سے زیادہ ۶۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہے۔ اس حساب سے مجھے اس ملک میں انتہائی حد ....۶ روپیہ رکھنی چاہئے تھی، اس لئے انگلستان کی ....۲ پونڈ کی آمدنی سے اس کا مقابلہ کرنا بے سود ہے۔

ڈاکٹر دیش مکھ نے یہ فرمایا تھا کہ انگلستان کی طرح ٹیکس تو بڑھایا جا رہا ہے مگر سہولتیں نہیں مہیا کی جا رہی ہیں۔

اس کا جواب میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے آمدنی کے نیچے کے درجوں میں ٹیکس نہیں بڑھایا ہے اور انھیں درجوں کے لئے سہولتیں ضروری تھیں۔

ممبران ایوان اس امر کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تحقیقاتی کمیشن کے ارکان تجربہ، علم وفضل اور دیانت داری کے اعتبار سے بلند پایہ اشخاص ہوں، کیونکہ جب تک اس کمیشن کے ارکان ان اوصاف کے مالک نہ ہوں اس سے بجائے فائدے کے الٹا نقصان پہونچے گا۔ ہندستان میں یقیناً مندرجہ بالا اوصاف رکھنے والے اشخاص کی کمی نہیں۔

منصوبہ بندی کے متعلق جن معزز ارکان نے نکتہ چینی کی ہے۔ انھوں نے میرے نقطہ نظر کو نہیں سمجھا، ان حضرات کے دماغ پر پاکستان

کچھ اس طرح سوار ہوگیا ہے کہ انھیں مسلم لیگ کے ارکان کی ہر تقریر میں پاکستان ہی پاکستان نظر آتا ہے۔

منصوبہ بندی کا ذکر کرتے وقت مسلم اقلیت والے علاقے اور ہندو اکثریت والے علاقے میرے پیش نظر نہیں تھے۔ میں نے ملک کی اقتصادی علاقہ بندی کی بنیاد پر علاقہ وار منصوبہ بندی کا ذکر کیا تھا۔

افسوس ہے کہ بعض ارکان کو ان کی ہر تجویز میں پاکستان نظر آتا ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں جب تک میں فنانس ممبر کے عہدے پر ہوں میں اپنے فرائض کو کمال دیانت داری اور غیر جانب داری کے ساتھ انجام دوں گا۔

آمدنی کے تخمینے اور فساد زدگان کو مالی امداد

آمدنی کے تخمینوں کے متعلق بعض ارکان کے قول کے برعکس مجھے یقین ہے کہ جو اعداد و شمار بجٹ میں دیے گئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں البتہ غیر زرعی املاک کا ٹیکس چونکہ نیا ٹیکس ہے اور پہلی مرتبہ لگایا جا رہا ہے اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی صحیح اعداد و شمار موجود نہیں لیکن دو تین سال گزرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ اس ٹیکس سے کتنی آمدنی ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے فرقہ وار فسادات میں نقصان اٹھایا ہے اگر کوئی

صوبائی حکومت ان لوگوں کی بحالی کے لئے مرکز سے امداد طلب کرے گی تو حکومت ان درخواستوں پر ہمدردی سے غور کرے گی اور حسب ضرورت فیصلہ کرے گی۔

زائد منافع اور تجارتی منافع کے محصولوں میں فرق

اب زائد منافع کے محصول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ کارخانہ دار کہتے ہیں کہ زائد منافع کے محصول کے ذریعہ آپ کو زیادہ روپیہ مل سکتا تھا لیکن آپ اس قدر بے وقوف ہیں کہ آپ نے زیادہ روپیہ حاصل نہیں کیا اور تجارتی منافع کا محصول لگانے پر اصرار کیا۔ (اس محصول کے سلسلہ میں) میرا ابتدائی تخمینہ ۲۰ کروڑ روپیہ کا تھا۔ اگر اس بار کی وجہ سے صنعت تباہ ہو سکتی تھی تو زائد منافع کے محصول کی وجہ سے جس کے ذریعہ بہت زیادہ رقم وصول ہوتی صنعت زیادہ تباہ ہو جاتی۔

کہا گیا ہے کہ مجھے آئندہ تین یا چار سال کے لئے بجٹ تیار کرنا چاہئے تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آئندہ دو یا تین سال کے لئے بجٹ تیار کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

لیکن میرے آنریبل دوستوں کو یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ شترمرغ کی طرح اپنا منہ ریت میں چھپا کر ہمیں یہ نہ کہنا چاہئے کہ کوئی خسارہ نہیں ہوا۔

ملک معظم کی حکومت کے ۲۰ فروری والے بیان کی وجہ سے اس

ملک کی آئندہ سیاسی حیثیت میں ایک زبردست تبدیلی واقع ہو گئی ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں پہلے سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا کہ آئندہ دو یا تین برسوں میں کیا کچھ ہوگا تو یہ بے وقوفی ہوتی ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ایک بات یقینی ہے ——— خواہ میں متحدہ ہندستان کا حامی ہوں، خواہ تقسیم ہندستان کا ——— اور وہ یہ کہ حکومت ہند آئندہ اس شکل میں باقی نہیں رہے گی جس میں کہ وہ اس وقت ہے۔ لہٰذا یہ میری بے وقوفی ہوتی اگر میں، بنا بجٹ دو یا تین سال کے لئے تیار کرتا اور ان لوگوں سے اس وقت جبکہ ان کے پاس روپیہ موجود ہے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا۔

انکم ٹیکس اور ترغیب کار!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انکم ٹیکس پر میری تجویز کا یہ اثر پڑے گا کہ کارخانہ داروں کے لئے کام کی کوئی ترغیب نہیں رہے گی اور بڑے کارخانہ دار اپنا کام دل و جان سے نہیں کریں گے جس کی وجہ سے پیداوار کو نقصان پہونچے گا۔

میرا یہ خیال نہیں کہ سارے کارخانے دار جرے ہیں، اس محصول سے ظاہر ہو جائے گا کہ کون لوگ حقیقتہً محب وطن ہیں اور کون نہیں ہیں۔ جو لوگ محض روپیہ کے لئے کام کرتے ہیں وہ پریشان ہو سکتے

ہیں لیکن جو لوگ ملک کی بھلائی اور اس کی اقتصادی ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں وہ بدستور سرگرمی کے ساتھ کام کرتے رہیں گے۔ کام کرنے کی ترغیب بھی کافی رہے گی اور ہر شخص کو کام کرنا ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کارخانہ دار اپنا روپیہ سرکاری تمسکات میں لگا دیں گے اور کام نہ کریں گے تو حکومت کو صنعتی کارخانے خود چلانے پڑیں گے، لیکن میری سمجھ میں یہ منطق نہیں آتی کہ حکومت کیوں ایسا نہیں کر سکتی۔

ٹیکس سے بچنے کو ہر ممکن طریق سے روکا جائے گا کیونکہ جو لوگ ٹیکس ادا کرنے سے بچتے ہیں وہ اس غریب فاقہ کش کی نسبت زیادہ بڑے مجرم ہیں جو اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کی خاطر چوری کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

جو شخص ملک کو فریب دیتا ہے وہ سماج کا مجرم ہے اور معاشی نظام کے لئے خطرناک ہے۔ جب تک لوگوں میں یہ احساس پیدا نہ ہوگا اس قماش کے لوگ بددیانتی سے باز نہ آئیں گے۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ سب اہم امور میری تقریر میں آ چکے ہیں۔ میں پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یقین ہے میں نے محصول بندی کی جو تجویزیں پیش کی ہیں ان سے صنعت کو کسی صورت میں بھی نقصان نہیں پہونچے گا۔ مجھے یقین ہے کہ کتابوں اور ماہرین اقتصادیات کے نظریات کچھ ہوں، محصول بندی کے بارے میں

انھوں نے جو پالیسی اختیار کی ہے وہ اس ملک کے لئے صحیح پالیسی ہے اور یہ پالیسی ہے سماجی انصاف کا قیام۔ میں اس جملہ کو پھر دہراتا ہوں میرے آنریبل دوست مسٹر گرفتھس نے کہا ہے کہ سماجی انصاف کی کوئی باقاعدہ اور جامع تعریف موجود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی تعریف ہو بھی نہیں سکتی۔

سماجی انصاف متعدد امور پر مبنی ہے۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس شدید مالی تفاوت کو دور کیا جائے جو اس ملک میں پایا جاتا ہے اور اس فرق کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک طرف غریبوں کے معیار کو بلند کیا جائے اور دوسری طرف امیروں کے معیار کو نیچے لایا جائے۔

میں نے بھی یہی کیا ہے، میں پھر کہوں گا کہ محصول بندی کے معاملہ میں حکومت کا یہ نقطۂ نگاہ نہیں ہونا چاہئے کہ بجٹ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس قدر روپے کی ضرورت ہے بلکہ حکومت کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ملک کے اقتصادی نظام کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہونچائے بغیر محصول اس حد تک لگایا جائے کہ لوگ اسے برداشت کر سکیں۔

جناب والا! میں نے یہی کیا ہے، مجھے پوری امید ہے کہ ایوان میری تحریک کو منظور کرلے گا۔

باب ۵

پاکستان بن گیا

خون کا ایک چھٹا دریا!

آخرکار پاکستان عالم وجود میں آگیا۔! ——— !

دنیا میں سب سے بڑی مسلمان حکومت۔! ——— !

حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند

وہ بات جو کل تک ناممکن سمجھی جاتی تھی آج ممکن ہو گئی، جسے ناقابل عمل سمجھا جاتا تھا اس نے عمل کا لباس پہن لیا، جس تصور کا مذاق اڑایا جاتا تھا وہ حقیقت بن گیا جس تحریک کو چند سر پھروں اور آشفتہ مزاجوں کا نعرۂ مستانہ سمجھا جاتا تھا وہ ایک بڑے ملک کے قالب میں ڈھل گئی

سیاسیات عالم کا یہ اتنا بڑا معجزہ تھا جس کی نظیر جب سے تاریخ عالم وجود میں آئی ہے آج تک نہیں مل سکی۔

غلامی سے آزادی تک!

دنیا کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے، !

ہر دور میں یہ نظر آئے گا کہ کمزوروں پر زورآوروں نے اپنی سلطانی کا دام پھینکا، اور انھیں اسیر کر لیا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی نظر آئے گی کہ کمزوروں اور غلاموں کو جب یہ احساس ہوا کہ وہ کمزور ہیں غلام ہیں، استبداد کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں، قہرمانیت کے جال میں گرفتار ہیں، اپنے ضمیر کے مطابق کام نہیں کر سکتے، اپنے دل و دماغ کی رہنمائی میں قدم نہیں بڑھا سکتے، اپنی نیند سو نہیں سکتے۔ اپنی مرضی سے بیدار نہیں ہو سکتے اپنی ملی، قومی، وطنی اور تجارتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے، سکہ غیروں کا چلتا ہے، حکم غیروں کا مانا جاتا ہے، حکومت غیروں کے ہاتھ میں ہے، تجارت، صنعت وحرفت اور کاروبار پر غیروں کا قبضہ ہے، تو وہ انگڑائی لے کر اٹھے، اور استبداد و قہرمانیت کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک آزاد نہیں ہوتی جب تک وہ خون کے سمندر میں نہیں نہاتی، آزادی کی دیوی کے درشن نہیں ہوتے

نہیں ہوے، جب تک خطاکاروں اور بے گناہوں کے خون سے یہ قطعۂ ارض رنگین قبا نہیں ہو گیا۔

چند تاریخی مثالیں!

امریکہ نے، برطانیہ کی قیصریت کے خلاف جہاد کیا، اور خون کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد عروسِ حریت سے ہم کناری حاصل کی اور آئرلینڈ نے برطانوی شہنشاہیت کے خلاف مورچہ قائم کیا اور اس وقت تک حصولِ مقصد میں کامیابی نہیں حاصل کی، جب تک وطنِ عزیز کی سرزمین خونِ شہیداں سے لالہ زار نہ ہو گئی۔ انگریزوں نے شخصی استبداد اور مطلق العنانیت کے بجائے جمہوریت کو فروغ دینا چاہا، اور اس وقت تک فروغ نہ دے سکے، جب تک قصر شاہنشاہی اور کلیسا اخزان میں خون کی ندیاں نہ بہ گئیں، فرانس نے آزادی کا پرچم بلند کیا، اور اس پرچم کو بلند رکھنے کی سکت اس وقت تک اس میں نہیں پیدا ہوئی جب تک اسکے بے شمار حریت پسند اور آزادی خواہ پھانسی پر لٹکائے گئے، روس کے عوام نے شورائیہ حکومت قائم کرنی چاہی اور زار کی سقائی، اور قساوت کے مقابلہ میں ایک چٹان کی طرح جم گئے۔ لیکن، شورائیہ (سوویت) کے قائم ہونے، اور زار کے ختم ہونے میں جو وقت صرف ہوا، یہ سوائے خون ریزی، قتل و غارت

اور خون آشامی کی داستان خونیں کے اور کیا ہے ؟ ترکوں نے ایک خاندان کی حکومت قبول کرنے سے انکار کیا، اور چاہا کہ حکومت عوام کی رائے سے بنے، اس مقصد کو وہ اس وقت تک حاصل نہ کر سکے جب تک آبنائے باسفورس کا رنگ سرخ نہ ہوگیا، ایران نے فرنگی ستم کاریوں، روسی فریب کاریوں اور خود اپنے بادشاہ جم جاہ کی دراز دستیوں کا مقابلہ کیا اور ایک نئی اور آزاد حکومت قائم کی، لیکن کس طرح ؟ اس طرح کہ بھائی نے بھائی کے خلاف، دوست نے دوست کے خلاف، باپ نے بیٹے کے خلاف، اور بیٹے نے باپ کے خلاف تلوار اٹھائی اور تلوار میان میں اس وقت گئی، جب اس کی زبان تازہ، گرم، اور سرخ خون چاٹتے چاٹتے تھک گئی۔

تاریخ آزادی ہند!

خود ہندستان کی تاریخ آزادی پر ایک نظر ڈالئے !

یہ تاریخ ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہے، جب ہندستان کا آخری مغل بادشاہ "بغاوت" کے الزام میں گرفتار ہوا اور ایک غیر ملکی حکومت نے اس الزام کو صحیح پاکر اسے رنگون میں جلا وطن کر دیا۔

بہادر شاہ کے بعد استخلاص وطن کے لئے بڑے بڑے علماء اور صلحاء

اٹھے۔ ان میں سے کسی نے پھانسی پائی، کوئی کالے پانی بھیجا گیا، کسی کی جائداد، املاک کی ضبطی کا فرمان صادر ہوا، کسی نے علاقۂ آزاد میں پہونچ کر پناہ پائی، انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کی امداد داعانت کے بغیر، بلکہ مخالفت اور مخاصمت کے باوجود، مسلمانوں نے جس جوش وخروش، استقلال واستقامت، عزم وحوصلہ، اور ثبات وتہور کے ساتھ مجاہدہ کیا، وہ ہندستان کی تاریخ کا ایسا صفحہ ہے، جو اگرچہ تاریخ کا ناقابل فراموش جزو ہے، لیکن ہندوؤں نے اسے کبھی یاد نہیں رکھا، یہ چاہا کر دنیا بھی اسے یاد نہ رکھے، بھول جائے فراموش کرے۔

آخر گاندھی جی اور علی برادران کے اشتراک واتحاد نے، تحریک آزادی ہند کو ایک نئی زندگی عطا کی، یہ تحریک اٹھی اور اس زور شور سے اٹھی کہ آج تک ہندستان کے درو دیوار ان نعروں سے گونج رہے ہیں جو آزادی کے متوالوں نے لگائے تھے۔

آخری دور وہ آیا جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور بین الاقوامی سیاست نے ایسا پلٹا کھایا کہ انگریز بھی ہندستان کی تحریک آزادی کا دباؤ ماننے، اور بالآخر ہندستان کو آزاد کردینے پر مجبور ہو گئے۔

روز روشن کی طرح!

اس نوے برس کے طویل دور میں جو ۱۸۵۷ء سے شروع ہوا

اور ۱۹۴۷ء میں ختم ہوا، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح اور نمایاں نظر آئے گی کہ جب کبھی بھی آزادی کے متوالوں اور حریت کے دیوانوں نے استقلال کا نعرہ لگایا، استعمار اپنے تمام حربوں سے مسلح ہو کر اس کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

نہتوں پر گولیاں چلائی گئیں، بے گناہوں پر لاٹھی چارج کیا گیا، عورتوں پر تشدد کیا گیا، بچوں تک کو ہدفِ ستم بنایا گیا، امرتسر کا جلیاں والا باغ برطانوی قہرمانیت اور استبداد کا آخری شاہکار ہے، جہاں جنرل اوڈائر نے، نہتے ہندوؤں، مسلمانوں، اور سکھوں پر اندھا دھند گولیاں چلائی تھیں، اور بھاگنے کا راستہ بند کر کے بہت سے آدمیوں کی آن کی آن میں جان لے لی تھی، یہ صحیح ہے کہ ہندستان نے دوسرے آزاد ممالک کے مقابلہ میں کم قربانیاں پیش کیں، پھر بھی یہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں اس کا نامۂ اعمال بالکل سادہ ہو۔

اور پاکستان—؟

لیکن پاکستان بغیر کسی خونریزی، بغیر سول وار کے، بغیر کسی تشدد کے عالمِ وجود میں آگیا!

• یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہوا کہ وہ امن و امان کے

ساتھ، دنیا کے نئے نقشہ پر نمودار ہوا، حالانکہ اپنے مصالح کے پیشِ نظر انگریز بھی اس کے مخالف تھے، ہندو مہاسبھا بھی، کانگرس بھی، راشٹریہ سیوک سنگھ بھی اور چند بعض مسلمان لیڈر اور مسلمان ادارے بھی۔

اس تحریک کی قیادت اگر کسی غیر متوازن قائد کے ہاتھ میں ہوتی تو خون بھی بہتا اور کامیابی بھی نہ ہوتی، لیکن اس تحریک کی زمامِ قیادت قائدِ اعظم کے ہاتھ میں تھی، جو اپنی ملت کا سفینۂ حیات مخالف موجوں سے اٹھکھیلیاں کرتا، پُرشور لہروں کا مقابلہ کرتا، تند اور تیز بادِ مخالف کے وار سہتا، پرخروش طوفانوں کے ہچکولوں سے لڑتا، پتوار چلاتا رہا۔ اپنی کشتی کھیتا رہا اور بالآخر ساحلِ مراد تک پہونچ گیا، قیادت کا یہ اتنا بڑا کمال تھا، جس کی مثال ملنا مشکل ہے، لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ رونما ہو کر رہا۔

آثارِ قیامت!

جب پاکستان بنا، یعنی ہندوستان تقسیم ہوا تو کانگرس نے یہ سوال اٹھایا کہ بنگال و پنجاب کی تقسیم بھی عمل میں آئے، یعنی غیر مسلم اکثریت کے علاقے، ہندوستان میں ضم ہو جائیں اور مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں۔

اصولی اعتبار سے یہ تجویز بالکل ناقابل قبول تھی، لیکن اُستادِ فرنگ

نے اسے تسلیم کرلیا، پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے کر دیے گئے اگر پنجاب اور بنگال پر عمل جراحی نہ کیا جاتا تو وہ خون خرابہ اور قتل عام نہ ہوتا جس نے انسانیت کی بنیادیں ہلا دیں، توازن قائم رہتا، لیکن اس ضمنی تقسیم نے اس توازن کو ختم کر دیا، ساتھ ہی ساتھ دوسری بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ مشرقی پنجاب کی صوبائی سول سروس کے ملازموں کو بھی پاکستان بھیج دیا گیا، اب پولیس فوج اور سارا عملہ یا ہندو تھا یا سکھ، مسلمان عوام کا معین و مددگار ہمدرد اور غم گسار کوئی نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوگیا، لیکن احتیاط کے ساتھ۔

احتیاط اس لئے برتی گئی کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ ابھی تک صادر نہیں ہوا تھا، متعدد اضلاع اور متعدد تحصیلوں کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان کا الحاق پاکستان کے ساتھ رہے گا یا ہندوستان کے ساتھ۔

بہترین موقع!

لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل تھے، وہ اس بات پر برہم تھے کہ انھیں ہندوستان و پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل کیوں نہیں بنایا گیا، ہندوؤں کے شرانگیز عناصر پہلے سے خار کھائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دیا جائے اب انھیں شہ مل گئی

سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خاں اور مسٹر غلام محمد اپنے متعدد بیانات میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر عائد کر چکے ہیں، انھوں نے آثار قیامت دیکھ لئے تھے، محسوس کر لیا تھا کیا ہونے والا ہے، غضنفر علی اور نشتر نے بارہا ماؤنٹ بیٹن کو توجہ دلائی، لیکن وہ سنی کو ان سنی کرتے رہے یہاں تک کہ انگلستان سے ریڈ کلف صاحب تشریف لے آئے انھیں ثالث مان لیا گیا، کہ یہ جو فیصلہ کر دیں گے وہ قبول کر لیا جائے گا، مسلمانوں کو اطمینان تھا کہ وہ صرف اپنی اکثریت کے علاقے چاہتے ہیں، وہ مل جائیں گے۔ اور ہندو خوش تھے کہ اب وہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کر سکیں گے، انھیں یقین تھا ریڈ کلف وہی کرے گا جو وہ چاہیں گے، وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا،

ریڈ کلف اور ماؤنٹ بیٹن کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی، مسلمان قوم سے انھیں کوئی توقع نہیں تھی۔ پاکستان کی گورنر جنرل شپ کا چارج دیتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے قائد اعظم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلیں جس کی بے تعصبی اور رواداری ضرب المثل ہے، لیکن قائد اعظم نے اپنی جوابی تقریر میں وہیں دربار ہال میں کہدیا تھا، میں اکبر کے نقش قدم پر نہیں اُن مسلمان خلفا کے نقش قدم پر چلوں گا، جن کے کارنامہائے حیات

آج بھی فلاح انسانیت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہیں، قائد اعظم کے اس اعلان نے، ریڈکلف اور ماؤنٹ بیٹن کو بالکل خاموش کر دیا،

لیکن ابھی ـــــ!

لیکن ابھی موقع تھا!

ابھی سرحدات کا تعین فرنگی شاعر کے ہاتھ میں تھا اور اس سے درد و سوز کے عالم میں اس کا مشیر کہہ رہا تھا،

میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاست پر مدار

اور وہ تن کے جواب دے رہا تھا،

ہے مرے دستِ تصرف میں جہان رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو!
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشہ غرب و شرق
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک "ہو"

اور پھر اس تعلی اور انانیت کا نعرۂ مستانہ لگانے کے بعد اس نے کہا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

اور پھر اُسنے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

مگر۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

نشترِ فصاد!

فکر و عمل کے اس انقلاب کو روکنے کی اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں تھی، کہ اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو حقیقت کے ایسے بھنور میں پھنسا دیا جائے کہ جان کے لالے پڑ جائیں، جب وہ موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہو جائے گی، تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ شرعِ پیغمبر کو آشکارا کر سکے،

اور آخر کار ریڈکلف نے متحدہ پنجاب کے نقشہ پر سُرخ پنسل سے جو نشان کھینچا، وہ خنجرِ براں بن کر، پاکستان کی رگِ گلو پر لگا، خون کا فوارہ چھوٹا اور سارا پاکستان اس میں نہا گیا۔

مشرقی پنجاب سے ستر لاکھ مسلمان محض اس جرم میں کہ وہ مسلمان تھے مغربی پاکستان کی طرف ڈھکیل دیے گئے۔

اس طرح ڈھکیلے گئے کہ ان کے کھیت جلا دیے گئے، ان کے مکانات ڈھا دیے گئے، ان کے مویشی ہنکا لئے گئے، انکا روپیہ، اثاثہ، مال و زر لوٹ لیا گیا، ان کی عورتیں چھین لی گئیں ان کے ننھے ننھے معصوم بچے بیدردی کے ساتھ ماں اور باپ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیے گئے، اور ان کی چھینی ہوئی عورتوں کے ننگے جلوس نکالے گئے، ان کی عصمت دری کی گئی، انھیں مالِ غنیمت

مہمان اور میزبان
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

لیاقت علیخان فرماں روائے ایران کے ساتھ

جانے، سب کچھ کھو چکنے کے باوجود گرتا پڑتا خستہ اور ماندہ، لہولہان، اور زخم خوردہ، امید اور آرزو کی مشعل تھامے، پاکستان کی طرف بڑھ رہا تھا۔!

اور بالآخر!

اور بالآخر، یہ قافلۂ بلاکشاں، مغربی پاکستان کی سرزمین امن میں داخل ہو گیا۔

یہ اپنا دیس تھا۔!

یہاں اپنی حکومت تھی۔!

اب یہ اندیشہ نہ تھا کہ عورتیں اغوا ہوں گی، اور بچے قتل کر دیے جائیں گے، روپیہ چھین لیا جائے گا، اور گردن مار دی جائے گی، کھیت لوٹ لے جائیں گے اور مکانات ڈھا دیے جائیں گے، کبھی بم پھینکیں گے، کبھی اسٹین گن چلے گی، کبھی چاقو چلیں گے، کبھی بندوقوں کے شور سے دل دھڑکے گا۔

لیکن یہ امن کتنا قیمتی تھا، کتنا گراں مایہ تھا! یہ اس وقت حاصل ہوا جب کچھ رہ نہ گیا۔

ہم تو بزرگوں کی جان کو پہلے ہی رو چکے!

بھائیوں کی بچھڑی ہوئی بہنیں، شوہروں کی چھنی ہوئی دلہنیں، بچوں کی اغوا کی ہوئی مائیں، اب کہاں ملیں گی؟

مل بھی سکیں گی یا نہیں ، !

تعمیر و تخریب!

اس لٹے ہوئے قافلہ کی پناہ گاہ اب پاکستان تھا ، ! ——— !

اس کے پاس روٹی نہیں تھی ، کپڑا نہیں تھا ، گھر نہیں تھا کھیت نہیں تھا ، دوکان نہیں تھی ، کچھ نہیں تھا ، اور یہ سب کچھ پاکستان کو فراہم کرنا تھا ، !

لیاقت کی آمد!

یہ تھے وہ حالات جب لیاقت علی نے پاکستان کی وزارت عظمیٰ کا چارج لیا ۔ !

باب ۸

قائد اعظم کے بعد!

آج تو آپ نے گرتا ہوا گھر تھام لیا!

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان عالم وجود میں آیا، ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم نے رحلت فرمائی:۔

دنیا میں لوگ آتے اسی لئے ہیں کہ مریں، موت ہر جاندار کا حصہ ہے، خواہ وہ اس حصہ کو لینا چاہے یا نہ لینا چاہے، بڑے سے بڑا کشور کشا، نامور سپہ سالار محبوب عوام قائد، شاہ فلک آستاں، وزیر خوش تدبیر، مزدور، کسان، غریب اور مفلس، کون ہے جو موت سے محفوظ رہ سکے۔ لہذا نفس موت کا وقوع افسوسناک اور رنج وہ خواہ کتنا ہی ہو، نہ خلاف توقع ہے نہ قابل تدارک، یہ ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا ——————

جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا؟

زہرہ گداز!

لیکن قائداعظم کی رحلت وقت اور موقع کے لحاظ سے بڑی دل خراش اور زہرہ گداز تھی!

مسلم لیگ عوامی جماعت ــــــــــــ آخری چند سال مستثنیٰ کرکے ــــــــــــ کبھی نہیں بنی تھی، اس کے اکثر لیڈر اور زعیم طبقۂ عوام سے نہیں طبقۂ خواص سے تعلق رکھتے تھے، لیاقت علی خاں ناظم الدین، حسین امام، اسمٰعیل خاں، چندریگر، راجہ محمود آباد، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نہ کبھی عوامی تحریک چلائی نہ عوام سے میل جول رکھا، نہ جیل گئے نہ پولیس کی لاٹھیاں کھائیں، نہ حکومت کے خلاف نعرے لگائے، نہ سینہ چھلنی کرایا، نہ سر پھڑوایا، لیکن قائداعظم کی رفاقت اور سرپرستی نے انھیں صف اول کا لیڈر بنا دیا۔

خلیق الزماں، حسرت موہانی، عبدالرب نشتر، یہ چند لوگ تھے جو عوام سے ایک گونہ تعلق رکھتے تھے، رکھ چکے تھے، لیکن پاکستان بننے کے بعد خلیق الزماں طوفانی مخالفت میں ڈوب گئے، حسرت نے ہندوستانی قومیت کو ترجیح دی، عبدالرب نشتر وزارت کدہ میں معتکف تھے۔

طائرانہ نظر!

اب ایک نظر پاکستان کی مرکزی کابینہ پر ڈالیے، اس میں لیاقت علیخاں تھے

خواجہ ناظم الدین
جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

عبدالرب نشتر تھے، چندریگر تھے، ناظم الدین کو بھی شامل کر لیجئے، اگرچہ وہ اس وقت بنگال کے وزیر اعظم تھے، لیکن بہر حال یہ وہ لوگ تھے جنھیں قائد اعظم نے روشناس خلق کرا دیا تھا، قائد اعظم کے اعتماد نے انھیں قوم کا معتمد بھی بنا دیا تھا لیکن نظری حد تک، عملی حد تک نہیں، اس لئے کہ عمل کے پرکھنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، ان حضرات کے بعد ممبران کابینہ میں خواجہ شہاب الدین فضل الرحمٰن، عبدالستار پیرزادہ وغیرہ رہ گئے۔ تقسیم سے پہلے ان کی کوئی آل انڈیا حیثیت نہ تھی، تقسیم کے بعد، یہ پاکستان کی مرکزی کابینہ کے ممبر منتخب ہو گئے۔

پھر غور کر لیجئے، ہماری قیادت اور وزارت اب اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو کسی طرح بھی عوامی طوفان اور عوامیت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور سکت نہیں رکھتے تھے۔

دوسری مشکل!

ایک طرف تو یہ مشکل تھی، دوسری مشکل یہ تھی کہ مہاجرین کا ایک سیل بے پناہ ہندوستان سے پاکستان کا رُخ کر رہا تھا، یہ وہ لوگ تھے جن کی بہنیں چھین لی گئیں، جن کی لڑکیوں سے رقصِ عریاں کا مظاہرہ کرایا گیا، جن کی بیویوں کی آبرو برباد کی گئی، جن کے گھر لوٹ لئے گئے، روپیہ چھین لیا گیا، کھیت جلا دیے گئے، مکان ڈھا دیے گئے، کپڑے پھاڑ ڈالے، برتن توڑ دیے گئے۔ غرض ننگے بچے یہ ہندوستان سے پاکستان کی طرف پہونچ

رہے تھے، یہاں آنے کے بعد بھی، نہ انھیں گھر مل سکا نہ روٹی نہ روپیہ۔

قدرۃً ان میں بے اطمینانی بھی تھی اور بددلی بھی، مایوسی بھی اور پریشانی بھی، بھڑکانے والے بھی کم نہ تھے، لہٰذا اُن میں غم وغصہ کے جذبات بھی پیدا ہونے لگے تھے، قائداعظم انھیں کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتے لیکن اب ——————؟

تیسری مشکل!

ان دو مشکلوں سے بھی زیادہ سخت اور صعب مرحلہ تھا حیدرآباد دکن کا! سلطنت آصفیہ صدیوں تک قائم رہی، شاہانِ آصفی کی سخاوت اور فیاضی، بذل وعطا، زرپاشی اور مہرگستری سے ایک زمانہ اور خاص طور پر عالم اسلام نے، اور اس سے بھی زیادہ خاص الخاص طور پر ہندستان کے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا تھا۔

وہ کون سی درس گاہ تھی جسے حیدرآباد سے مدد نہیں ملتی تھی؟ وہ کون سی خانقاہ تھی جہاں حیدرآباد کے سکے نہیں چمکتے تھے؟ وہ کون سے احباب علم ودانش تھے، جو حیدرآباد کے ممنونِ کرم نہیں تھے؟ پھر حیدرآباد کے ٹھوس علمی کارنامے، عثمانیہ یونی ورسٹی کا قیام، عظیم الشان دارالترجمہ سرکارعالی کا وجود اردو زبان کی ہمدردی کی حیثیت۔

اور ان سب باتوں سے بالا، حیدرآباد کی شخصیت، اور اس شخصیت کی انفرادیت!

لیکن اب حیدرآباد کا علم سرنگوں ہو رہا تھا، خاندان آصفیہ کا جاہ و حشم، چراغ سحری کی طرح جھلملا رہا تھا، مسلم تہذیب و ثقافت کا یہ عظیم المرتبت مرکز جو صدیوں سے اپنی آن بان اور شان کے ساتھ اپنی روشنی سے دنیا کی آنکھیں خیرہ کر رہا تھا، اب ہمیشہ کے لئے خاموش لحد میں پہونچنے والا تھا۔

•

قائد اعظم کی آنکھ بند ہوتے ہی ۴۸ گھنٹوں کے اندر انڈین یونین کی مسلح اور بکتر بند فوجیں اپنے پورے خون آشام ساز و سامان جنگ کے ساتھ ایک تقریباً نہتے ملک پر چڑھ دوڑیں، دنیا یہ تماشہ حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی، جس طرح دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد روس کی دل بادل فوجیں فن لینڈ پر چڑھ دوڑی تھیں، بالکل اسی طرح ہندوستان کے عساکر قاہرہ حیدرآباد کا خاتمہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگے گویا ایک مکھی کو کچلنے کے لئے چنگھاڑتا ہوا ہاتھی آگے بڑھ رہا ہے، ایک چیونٹی کو مارنے کے لئے ایٹم بم کو زحمت دی جا رہی تھی، ریت کے ایک تودے کو مٹانے کے لئے گرجتا ہوا ابل کھاتا ہوا، شور مچاتا ہوا، سمندر اپنی جگہ سے جنبش کر رہا تھا۔

پاکستان کے مسلمان غلط اور بے اصولی طور پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ حیدرآباد کا علم خودمختاری سرنگوں نہیں ہو سکتا، سلطنت آصفیہ پر زوال نہیں آسکتا نظام کا دبدبہ اور شکوہ شہریاری قائم رہے گا۔ اور اگر اس کے خلاف ہوا تو پاکستان کی فوجیں بیک جست حیدرآباد پہونچیں گی اور اسے بچا لیں گی۔

لیکن یہ معجزہ رونما نہ ہوسکا، حیدرآباد پامال ہونے لگا، اور چند ہی روز میں پامال ہوگیا، ——————— اس حادثہ نے پاکستان کے عوام میں ایک عجیب قسم کا اشتعال پیدا کرا دیا، برہمی اور غضب کی وہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی، صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔

اس موقع پر اگر قائدِاعظم زندہ ہوتے تو لوگ بے قابو نہیں ہوسکتے تھے، عوام ان کے گرد جمع ہوجاتے اور جو وہ کہتے وہی کرتے، لیکن قائدِاعظم کہاں تھے؟ وہ تو اس دنیا سے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔

چوتھی مشکل!

ان مشکلات کے ہجوم میں ایک اور مشکل بھی موجود تھی اور وہ تھی موت و زیست کی کشمکش!

تقسیمِ ہند کے بعد صورت یہ ہوئی کہ ہندوستان کو سب کچھ مل گیا اور پاکستان کو کچھ نہ ملا!

ہندوستان کے پاس زر و بینک تھا، اسمبلی کی فلک بوس عمارت تھی نئی دلی کا دارالسلطنت تھا، نہایت شاندار معتمدی دسکریٹریٹ) تھی، تربیت یافتہ فوج تھی، شاندار بحری بیڑہ تھا، شاندار ہوائی بیڑہ تھا، شاندار بری فوج تھی، وافر سامانِ جنگ تھا، توپیں تھیں، ٹینک تھے، کیا نہیں تھا؟

اور پاکستان کے پاس نہ قلم تھا نہ دوات، نہ میز نہ کرسی، نہ دفتر

نہ عمارت۔ نہ ٹینک نہ طیارے، نہ جہاز نہ جیپ ، لوگ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے جو دوست تھے وہ ملول تھے ، جو غدار تھے وہ خوش تھے۔

پانچویں مشکل!

پانچویں مشکل ان سب سے بالا تھی !
وہ تھی بے حوصلگی!
ان مشکلات کے ہجوم میں قائداعظم کی وفات
عجب اک سانحہ سا ہو گیا تھا!
لوگ سہم گئے تھے ، ڈر گئے تھے ، گھبرا گئے تھے۔

اب کیا ہو گا ؟
ہر شخص کی زبان پر فکر و اندیشہ کے ساتھ یہی سوال تھا:

اب کیا ہو گا ؟
اگر کہیں پاکستان ان مشکلات کی تاب نہ لا کر ختم ہو گیا تو ہم کیا کرینگے؟ کہاں جائیں گے ؟ کیا ہماری آخری پناہ گاہ بحرِ عرب کی موجیں ہوں گی؟ یہ فٹ پاتھ بھی چھن جائے گا ؟ یہ جھونپڑی بھی نذرِ آتش ہو جائے گی۔ یہ فاقہ زدہ بیوی ، یہ زار و نزار بہن ، یہ زرد و لاغر بیٹی ——————
—————— آہ، ان سب کا کیا ہو گا ؟

اور دشمن کے جاسوس افواہیں پھیلا رہے تھے ، بد دلی پیدا کر رہے تھے ، بے حوصلگی کی تبلیغ کر رہے تھے ، وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کو خود

پاکستانی باشندے ختم کر دیں۔ اور بظاہر ایسا نظر آرہا تھا کہ شائد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

لیاقت علی خاں!

اب لے دے کے لیاقت علی خاں رہ گئے تھے، لیکن ان سے بھی کچھ زیادہ امید نہیں تھی، نہ وہ بیان خطیب یہ نہیں، شعلہ مقال مقرر یہ نہیں طوفانوں کو جھیلے ہوئے، اور طوفانوں کے تھپیڑے سہے ہوئے یہ نہیں نواب زادے ہیں، عیش و عشرت میں زندگی بسر کی، قائداعظم کی نگاہ انتخاب کے پہلے مسلم لیگ کے سکریٹری، پھر عارضی حکومت کے وزیر مال اور آخر میں پاکستان کا وزیر اعظم بنا دیا، وزیر اعظم بن جانا آسان ہے، لیکن ایک قوم کو ایک ملک کو، ایک گرتی ہوئی قوم کو، ایک ڈوبتے ہوئے ملک کو سنبھال لینا مشکل ہے ——————— نہیں ہمارے درد کی دوا لیاقت علی خاں کے پاس، ہمارے دکھ کا علاج اس نواب زادے کے پاس نہیں۔ نہیں، ہمارے کام یہ شخص بھی نہیں آسکتا۔

ہمیں ضرورت ہے، قائداعظم کی، ———————

——————— لیکن آہ وہ تو اس دنیا سے گذر گئے: ———————

——————— اب کیا ہوگا؟ کیا ہوگا؟

اور دفعتہً..........!

یہ تھکا بے حوصلگی، ناامیدی، مایوسی، اور بددلی کی وہ فضا جس میں

لیاقت علی خاں، لیاقت علی خان بن کر نمودار ہوا، اور اس شان، اس سج دھج، اس آن بان کے ساتھ آیا کہ جس نے دیکھا باغ باغ ہو گیا، جو دوست تھے وہ شاد ہو گئے، جو دشمن تھے انھیں ناشاد ہونا پڑا۔

لیاقت علی خاں نے چند سادہ، لیکن دل نشین تقریریں کیں اور چند ہی روز میں محبوبیت عامہ کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔ یہ وہی لیاقت علیخاں تھے جنھیں عوام سے کبھی واسطہ نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ وہی لیاقت علی خاں ہیں جو عوام کی آنکھ کا تارا بن گئے ہیں، سچ ہے۔

یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے!

لیاقت کی تقریر!

اس نازک و صعب مرحلہ پر لیاقت علی خاں نے کئی تقریریں کیں، ہر تقریر سوز و درد، اور حقیقت و صداقت سے معمور تھی، سڑکوں پر ریڈیو سننے کے لئے لوگوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا۔

قائد اعظم کی وفات کے دسویں دن لیاقت علی خاں نے، ایک معرکۃ آرا اور تاریخی تقریر کی، اپنی اس تقریر میں انھوں نے کہا۔

ہمارے دشمن چاروں طرف سے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور یہ امید کر رہے ہیں کہ ہم شائد اپنے راستہ سے بھٹک جائیں، وہ ہر طرح سے ہمارے لئے دقتیں اور دشواریاں پیدا کر رہے ہیں، ہمارے دشمنوں نے ہماری ملت کو چیلنج دیا ہے کہ اب قائد اعظم کے بعد پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور پاکستان کے لوگ

اسکے وجود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، کیونکہ پاکستان کا وجود صرف قائد اعظم سے تھا، بعض غیر ملکوں کے اخباروں نے بھی یہی کہا ہے۔

چیلنج!

اور پھر پورے وثوق اور قوت کے ساتھ لیاقت علی خاں نے پاکستان کے دشمنوں اور غداروں کو للکارا!

میں پاکستان کے بدخواہوں کے چیلنج کو قبول کرتا ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ میری قوم میں جان ہے کہ وہ پاکستان کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنی جان لڑا دے گی۔ میں خوب جانتا ہوں کہ بعض لوگ پریشان ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ وہ اپنے ذہن میں پاکستان کے قیام کا انحصار قائد اعظم کی حیات سے وابستہ سمجھتے تھے، لیکن کسی قوم کی بقا ایک شخصیت پر نہیں ہوسکتی۔

نہ پوری ہونے والی امید!

اور اس کے بعد کچھ اور باتیں کہہ کر لیاقت علی خاں نے بتایا۔

ہمارے دشمن یہ توقع کر رہے تھے کہ قائد اعظم کی وفات پر پاکستان میں افراتفری مچ جائے گی، اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، آپ سب نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہوا، آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے برعکس لوگوں میں اعتماد اور ذمہ داری کا احساس پہلے سے بھی زیادہ ہوگیا ہے، یہاں تک ہوا

کر وہ لوگ جو حکومت کے نقاد تھے اور اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے وہ بھی میرے پاس آئے ہیں اور انھوں نے اپنی خدمات ملک کے لئے پیش کی ہیں، انھیں اس کا احساس ہوگیا ہے کہ اس نازک وقت پر کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، اس وقت ملک کو اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ ہم طاقتور بن سکیں۔

قوم کے غدار!

آگے چل کر لیاقت علی خان نے کہا!

میں خوب جانتا ہوں کہ قومی غداروں اور ہمارے دشمنوں کے ایجنٹوں اور جاسوسوں نے مختلف قسم کی افواہیں پھیلا کر پاکستانیوں کے خیالات کو پراگندہ، اُن کے ارادوں کو متزلزل، اور اُن کی ہمت کو پست کرنا چاہا ہے، انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ لوگوں میں تشویش، ہراس اور نا امیدی پھیلے اور اپنی حکومت اور اپنے لیڈروں کی طرف سے بدظن ہو جائیں۔ یہ ایک پرانا حربہ ہے جو دشمن نازک موقعوں پر استعمال کیا کرتے ہیں۔

حیدر آباد کا ذکر!

پھر حیدر آباد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

حیدر آباد کے واقعات سے پاکستان کے باشندوں کے جذبات جس طرح مجروح ہوئے ہیں میں اس سے واقف ہوں اور ضروری معلوم ہوتا ہے،

کہ میں اس کے متعلق حکومت پاکستان کی پوزیشن واضح کر دوں، کیونکہ لوگوں میں اس کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ یکم جون کو قائد اعظم کی طرف سے ایک بیان شائع کیا گیا تھا، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ حیدر آباد کی اتحاد المسلمین کے تین نمائندوں نے کوئٹہ میں قائد اعظم سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن قائد اعظم نے اُن سے ملنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اُس بیان میں قائد اعظم نے کہا تھا کہ ہندوستان کو نہیں چاہیے کہ حیدر آباد کے الحاق کے لئے چیرہ دستی سے کام لے۔ یا اُنھیں ڈرا دھمکا کر اپنا مقصد حاصل کرے، کیونکہ ایسا رویہ عدل و انصاف اور ہر اخلاقی قانون کے خلاف ہے۔

قائد اعظم نے یہ بھی کہا تھا کہ نہ صرف پاکستان کے مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو حیدر آباد سے ہمدردی ہے۔ بیان کے آخر میں انھوں نے کہا تھا کہ حیدر آباد کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے پوری آزادی کے ساتھ اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرے، حکومت پاکستان کی بھی یہی پالیسی رہی ہے۔

حیدر آباد میں لاکھوں مسلمان بستے ہیں اور ہم چاہتے تھے کہ اُن پر دباؤ نہ ڈالا جائے اور اُن کو کوئی دُکھ نہ پہونچے۔ ہم ہمیشہ سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بین الاقوامی مسائل کا حل آشتی، صلح اور انصاف کے اصولوں پر ڈھونڈنا چاہیئے نہ کہ جنگی طاقت کے بل پر، دنیا کے اکثر ملکوں کے اخباروں اور اُن

سیاست دانوں کو جو دُنیا میں امن چاہتے ہیں ہماری رائے سے اتفاق ہے اور وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہندوستان کو حیدرآباد پر چڑھائی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے پنڈت نہرو سے اپیل کی تھی کہ وہ حیدرآباد کے خلاف اپنی فوجی طاقت استعمال نہ کریں بلکہ پُرامن طریقہ سے سمجھوتہ کریں۔

ہم نے دوسرے ممالک کی توجہ بھی پوری قوت کے ساتھ اس طرف دلائی تھی، دنیا کے ہر ملک کے لیڈروں نے اکثر یہ کہا ہے کہ اُن کی رائے میں امن قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی ملک کو یہ اختیار نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ باہمی اختلاف کا فیصلہ بزور شمشیر کرے اور کمزور ملکوں کی آزادی کو ختم کردے۔

باوجود ہماری ان کوششوں کے ہندوستان نے جو طریقہ اختیار کیا وہ دنیا پر ظاہر ہے، اور میں جانتا ہوں کہ کوئی انصاف پسند ملک اس کو پسندیدہ خیال نہیں کرسکتا۔

ہماری آزادی!

اور اس کے بعد قوم کے اس شیر نے گرجتے ہوئے کہا:۔

میں اس سے خوب واقف ہوں کہ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خطرہ ہے کہ شائد ہماری آزادی پر کسی طرف سے حملہ ہو میرے لئے یہ ممکن نہیں

کہ میں یہ بتاؤں کہ پاکستان کے تحفظ کے لئے ہم نے اب تک کیا بندوبست کیا ہے اور اس وقت کیا کررہے ہیں

میں آپ کو صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے یوم آزادی کی تقریر میں کہا تھا کہ میں قوم اور ملک کو فاقہ کرتے ہوئے دیکھوں گا مگر ان کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دوں گا۔ میں یہی الفاظ پھر دہراتا ہوں، میں قوم کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری بری، بحری اور ہوائی افواج اعلیٰ درجہ کی ہیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے پوری طرح تیار ہیں، نہ صرف مجھے بلکہ تمام پاکستان کو ان کی ہمت، عزم اور جذبہ پر فخر ہے۔ میں دوبارہ یہ دہرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان پر حملہ کی صورت میں خواہ کسی طرف سے ہو۔ میں، میرے رفقاء اور پاکستان کا ہر فرد پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کی خاطر اپنے لہو کا آخری قطرہ بہا دے گا۔

مجھے قائد اعظم کے یہ الفاظ اچھی طرح یاد ہیں کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے اگر کبھی جنگ ہو تو کسی حالت میں ہتھیار نہ ڈالنا خواہ دشمن کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اپنی زندگی کے آخری دم تک اس سے لڑائی کو جاری رکھنا، میں جب تک اس عہدہ پر فائز ہوں جس پر مجھے قوم نے مقرر کیا ہے میں ان الفاظ کو نہیں بھول سکتا، اور میں ان پر عمل کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ساری قوم قائد اعظم کی اس وصیت پر عمل پیرا ہو گی۔

ایک اہم نکتہ!

پھر فرمایا:۔

لیاقت علیخاں قائداعظم کے انتقال کی خبر سُن کر

قائداعظم کی نماز جنازہ
مولانا شبیر احمد عثمانی اور لیاقت علیخاں

یاد رکھئے کہ کسی ملک کی حفاظت صرف فوجوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس یقین اور خود اعتمادی سے جو اس کے باشندوں کے دلوں میں ہوتی ہے اور اس ہمت اور قربانی سے جس سے وہ کام کرتے ہیں۔ اگر پاکستان کا ہر باشندہ یہ تصفیہ اور تہیہ کر لے کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کر دے گا تو دنیا کی کوئی بڑی طاقت بھی آپ کی آزادی کو سلب نہیں کر سکتی۔

اس وقت ہر پاکستانی کو اس جذبہ سے کام کرنا چاہئے اور میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اسی جذبہ سے اپنی حکومت کی مدد کریں۔

اور پھر ——!

اس تقریر نے مایوسوں کو بامراد کر دیا، جن کے دل اندیشۂ فردا سے دھڑک رہے تھے، وہ شیر دل بن گئے، جو اپنے اور قوم کے مستقبل کی طرف سے اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا تھے وہ بے فکر اور مطمئن ہو گئے۔ جو پاکستان کی سالمیت کے بارے میں فکرمند تھے وہ ایک آزاد ملک کے باشندے اور آزاد قوم کے فرد ہونے پر فخر کرنے لگے۔

چند ہی دنوں میں اتنا بڑا انقلاب صرف لیاقت علی خان کی شخصیت، صداقت اور سیاست کا کرشمہ تھا!! جس نے قوم کا گرتا ہوا گھر سنبھال لیا۔!

باب ۹

مسئلہ کشمیر!

اہم اور معرکہ آرا حقائق!

کشمیر کا مسئلہ، ہند اور پاکستان کے درمیان ایک مستقل نزاع کا سبب بنا ہوا ہے، اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا تو اب تک ان دونوں ہمسایہ ممالک کے تعلقات کہیں زیادہ خوش گوار، اور دوستانہ ہو چکے ہوتے، لیکن اس مسئلہ کا منصفانہ حل نہ نکل سکا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک، یہ مسئلہ، ما بہ النزاع بنا ہوا ہے اور تعلقات کی تلخی میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

نہرو کی ہٹ دھرمی!

کشمیر کے سلسلہ میں محض کشمیری النسل اور کشمیری الاصل ہونے کے باعث پنڈت نہرو نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ سراسر ہٹ دھرمی، نا انصافی، خودرائی، اور ضد پر مبنی ہے، اسمیں کوئی معقولیت نہیں ہے، اس کا اعتراف خود ان کے دیرینہ رفقاء کار کر چکے ہیں۔ ہندوستان کی کابینہ سے مستعفی ہونے کے بعد، ڈاکٹر امبیدکر نے جو بیان دیا وہ دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ ہندوستان کے سرمایہ داروں کی طرف سے بارہا اس امر کا اظہار ہو چکا ہے کہ ہندوستان کی ایک بہت بڑی رقم، جو کروڑوں سے متجاوز ہے، ہر سال، محض نہرو کی ہٹ اور ضد پر قربان ہو رہی ہے۔

لیاقت کی تقریر!

کشمیر کے مالہ وما علیہ کا صحیح اندازہ خان لیاقت علی خاں کی اس یادگار، تقریر سے ہو سکتا ہے، جو انھوں نے پاکستان کی مجلس دستور ساز کے سامنے ۹ جنوری ۱۹۵۰ء کو مباحثۂ کشمیر کا آغاز کرتے ہوئے کی تھی۔

اہم مسئلہ!

لیاقت علی خاں نے کہا:-

جناب عالی! میں آج پاکستان کے ایک نہایت اہم مسئلہ یعنی ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل پر تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ یہ مسئلہ ہمارے عزیز وطن کے قیام کے بعد ہی سے چلا آرہا ہے۔ ریاست جموں وکشمیر کے پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے مسئلہ کو پیدا ہوئے آج تقریباً ڈھائی سال ہونے کو آئے۔ دو سال سے زیادہ ہوئے کہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ابھی تک اس کے سامنے ہے اس اثنا میں حکومت پاکستان نے اس مسئلہ کو پرامن طریقوں سے سلجھانے کی حتی الامکان کوشش کی اور وہ ایک باعزت سمجھوتہ کرنے کی غرض سے وقتاً فوقتاً نیک نیتی سے مختلف تعمیری تجاویز بھی پیش کرتی رہی ہے۔ حکومت پاکستان نے مخلصانہ طور پر مدد دینے کی نیت سے سلامتی کونسل اور ثالثی کمیشن کے ساتھ کھلے دل سے اشتراک عمل کرنے کی پیش کش کی ہے تاکہ یہ پیچیدہ مسئلہ منصفانہ طریقہ پر حل ہو جائے لیکن حکومت ہند کا رویہ اب تک غیر مصالحانہ رہا ہے۔ اس قضیہ کے آغاز سے اب تک ہمیں ایک ایسی پالیسی سے دوچار ہونا پڑا ہے جو پرامن حل کی کوششوں میں روڑے اٹکانے کے لئے جان بوجھ کر اختیار کی گئی ہے۔ ہندوستان نے محض ایک دفعہ جمود طاری کرنے

یا روڑے اٹکانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ شروع دن سے جب سے کہ پہلے ہندوستانی سپاہی نے سرزمین کشمیر میں اپنا قدم رکھا تھا حکومت ہند قلابازیاں کھاتی اور یکے بعد دیگرے پینترے بدلتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ جوں کا توں ہے اور ابھی تک اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی حالانکہ سمجھوتے کے طریقوں کے بارے میں ایک بین الاقوامی معاہدہ ہو چکا ہے۔ جسے دونوں حکومتیں منظور کر چکی ہیں۔

بنیادی حقائق!

ریاست جموں وکشمیر کے بنیادی حقائق سے آپ سب واقف ہیں، ریاست کی آبادی تقریباً چالیس لاکھ ہے اور وہاں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ہے۔ سرکاری مردم شماری کے مطابق صوبہ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی ۹۳ فیصدی اور جموں کے نسبتاً بہت چھوٹے سے صوبہ میں تقریباً ۶۰ فی صدی ہے۔ تمام ریاست میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۸۰ فی صدی ہے۔

ایک بڑی مسلم ریاست پر ہندو مہاراجہ کی حکمرانی تاریخ کا ایک حادثہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست جموں وکشمیر کو پچھتر لاکھ روپے کی حقیر رقم کے بدلے موجودہ حکمران کے پردادا کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ ریاست میں شروع دن سے ہی مسلمانوں کی بہت ہی بڑی اکثریت رہی ہے اور یہاں کا سول اور فوجی نظم ونسق غیر مسلموں

کے ہاتھوں میں رہا ہے۔ یہاں کا نظم و نسق اپنے ظلم و تشدد کی وجہ سے نہایت بدنام رہا ہے۔ ریاست کی مسلمان آبادی نے بارہا ظالموں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اگرچہ انھیں ہمیشہ بے دردی سے کچل دیا گیا۔ ہندو حکمرانوں کی یہ مسلسل پالیسی رہی ہے کہ مسلم آبادی کو افلاس اور نکبت و ادبار کی دائمی حالت میں مبتلا رکھا جائے۔

تقسیمِ ہند کے بعد!

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب یہ برصغیر تقسیم ہوا تو ریاست جموں و کشمیر دیگر ریاستوں کی طرح پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونے کے لئے آزاد ہو گئی۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ ریاست پاکستان کا ایک حصہ ہے، کیونکہ دونوں کی کئی سو میل لمبی مشترک سرحد ہے اور کشمیر کے تمام دریا اور تجارتی راستے پاکستان سے گذرتے ہیں کشمیر صرف ایک تنگ راستے کے ذریعہ ہندوستان سے وابستہ ہے اور یہ راستہ بھی ریڈکلف کے فیصلے کے تحت نہایت غیر منصفانہ طریقہ پر ہندوستان کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ پاکستان کے کشمیر سے جغرافیائی اقتصادی اور ثقافتی تعلقات کا تقاضا ہے کہ اسے پاکستان میں شامل ہو جانا چاہئے۔ لہٰذا قدرتی طور پر ریاست کی زبردست اکثریت نے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے زور دیا اور نہایت واضح طریقہ پر

اپنی خواہشات کا اظہار کیا، لیکن ہندو مہاراجہ اپنے مفادات کے پیش نظر ہندستان کی طرف مائل تھا، اگرچہ اس نے کچھ عرصہ تک اپنے عوام کی زبردست اکثریت کی خواہشات کے خلاف کوئی کھلم کھلا قدم نہیں اٹھایا، مہاراجہ نے فوری تصادم سے بچنے اور قدم جمانے کے لئے وقت حاصل کرنے کی غرض سے اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان سے ایک معاہدہ جاریہ کیا جس پر وہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے ایک لمحہ بھی عمل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

ہولناک نظارے!

جیسا کہ سب جانتے ہیں برصغیر کی تقسیم کے بعد ایک خوفناک کشت و خون شروع ہوا اور سکھوں اور ہندو راشٹریہ سیوک سنگھ کی بہیمانہ اور بیدردانہ سازش کے تحت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور مار بھگانے کا پروگرام شروع ہوا۔ مشرقی پنجاب اور قرب وجوار کی ریاستوں کے سرکاری حکام نے بھی ان کی مدد کی اور انہیں بھڑکایا۔

جب مشرقی پنجاب سے آنے والے مہاجروں نے ریاست جموں و کشمیر کے ملحقہ علاقوں میں المناک واقعات اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی دلخراش داستانیں سنائیں تو انہیں خود اپنے مستقبل کی فکر دامن گیر ہوئی اور ان واقعات اور داستانوں نے انہیں اور بھی زیادہ یقین دلا دیا کہ ان کی نجات کا انحصار ریاست کی پاکستان میں شمولیت پر ہے، اس اثنا میں ریاست کی مسلم آبادی کو مسلح ہندوؤں اور سکھوں نیز حکومت کی مسلح فوجوں

کے ذریعہ قتل کرنے کا پروگرام شروع ہوا اور تمام ریاست میں جبر و تشدد کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

منظم سازش!

ستمبر ۱۹۴۷ء کے دوران میں ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے قتل اور ان پر ظلم و تشدد کی بھیانک خبریں ان مسلم مہاجروں کی معرفت پاکستان آنی شروع ہوئیں جو پناہ لینے کے لئے پاکستان آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مہاجرین کی تعداد انتہا کو پہونچ گئی، اور یہ یقین ہوگیا کہ ریاست کے حکام کا مقصد ہندوستان کے دیگر حصوں کی طرح مسلمانوں کا قتل عام کرنا اور انھیں ریاست سے ہار بھگانا ہے۔

مسلمانوں پر ظلم و تشدد برابر بڑھتا گیا، اور ریاست کی ہندو فوج نے اپنی بہیمیت اور درندگی کا دل کھول کر ثبوت دیا۔

سخت پریشانی کے عالم میں مسلم آبادی نے متعدد علاقوں میں کھلی بغاوت شروع کردی اور ہندو حکمراں سے آزاد ہونے کا اعلان کردیا۔

ان واقعات کی وجہ سے تمام پاکستان بالخصوص سرحدی علاقوں میں جہاں ہزاروں زخمی اور مجروح مہاجرین پناہ گزیں تھے، ستم رسیدہ اور مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی کا زبردست جذبہ پیدا ہوا، لہذا قدرتی طور پر یہ ضروری تھا کہ ان کے متعلقین اور ملحقہ شمالی علاقہ کے ہمدرد قبائلی سرحد پار کرکے اپنے ۳۰ لاکھ مسلمان بھائیوں کی جان بچائیں، اسی اثنا میں مہاراجہ

نے ہندوستان میں شامل ہونے کی درخواست کی اور اپنی مسلم رعایا کو کچلنے کے لئے فوج حاصل کرنے کی اپیل کی۔

مہاراجہ اور ہندوستان کے درمیان جو سازش ہوئی تھی، وہ اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی، حکومت ہندوستان نے مہاراجہ کی درخواست فوراً منظور کرلی اور ریاست کو بیرونی حملے سے بچانے کے بہانے ریاست کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرنے کے لیے فوراً مسلح فوجیں بھیجدیں۔

تحریک آزادی!

ان لوگوں کی تحریک آزادی سے پاکستان میں ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی، جن پر نہایت بے رحمی سے ظلم وستم توڑا گیا اور جو پاکستان میں شامل ہونے کے لیے جس سے ان کے مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی مفاد وابستہ ہیں اپنا ناقابل انکار حق استعمال کرنا چاہتے تھے، ان حالات میں مکر و فریب سے انڈین یونین میں اس ریاست کی شمولیت اور ہندوستانی فوجوں کا ریاست پر بجبر قبضہ، انتہائی اشتعال انگیز حرکات تھیں، جن کے جواب میں جارحانہ اقدام نامناسب نہ ہوتا۔

لیکن ہم نے اشتعال انگیزی کا جواب مصالحت سے دینا طے کیا، ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء کو ریاست میں ہندوستانی فوجوں کے داخلے کے فوراً بعد ہم نے پاکستان اور ہندوستان کے گورنر جنرلوں اور وزراء اعظم کی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن اس کانفرنس میں وزیر اعظم

ہندوستان شریک نہیں ہو سکے۔ یکم نومبر کو قائد اعظم نے یہ تنازعہ حل کرنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔

پہلی تجویز یہ تھی کہ کشمیر کی جنگ بند کرائی جائے اور اگر ضرورت پڑے تو اس کے لئے طاقت استعمال کرنے کے لئے گورنر جنرلوں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں۔

دوسری یہ کہ ہندوستانی فوجیں اور کشمیر کی جنگ میں حصہ لینے والے پاکستانی باشندے جلد از جلد اور بیک وقت ریاست کی سرزمین سے واپس جائیں۔

تیسری تجویز یہ تھی کہ ریاست میں امن قائم کرنے، ریاست کا نظم و نسق سنبھالنے اور اپنی مشترکہ نگرانی میں بلا تاخیر استصواب رائے عامہ کا انتظام کرنے کے لئے دونوں گورنر جنرلوں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں۔

ان تجاویز سے اور زیادہ منصفانہ بات کیا ہو سکتی تھی کہ جنگ قطعاً بند کر دی جائے، فریقین کی تمام بیرونی فوجیں اور مسلح دستے واپس کرا دیئے جائیں اور ایک غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کے ایسے جمہوری طریقہ سے شمولیت کے مسئلہ پر عوام کی آزادانہ رائے معلوم کی جائے۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں اساسی طور پر قائد اعظم کا یہی رویہ تھا اور ہم اس کے بعد ہمیشہ اسی رویہ پر قائم رہے۔

ہند کا ردّ عمل!

لیکن اس سلسلہ میں ہندوستان کا کیا ردّ عمل تھا؟ کئی روز تک تو قائد اعظم

کی تجاویز کا کوئی جواب ہی نہ دیا گیا، اور جب جواب موصول ہوا تو یہ قائداعظم کی تجاویز کو مکمل طور پر مسترد کرنے کے مترادف تھا۔

ہندوستان نے اپنی جوابی تجاویز میں کہا کہ قبائلیوں کی واپسی کے بعد ہندوستانی فوجیں واپس جائیں اور ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں کشمیر میں جلد از جلد استصواب رائے عامہ منعقد کرانے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ سے مشترکہ درخواست کریں۔

اس دوران میں ۲؍ نومبر کو وزیراعظم ہندوستان کی ایک نشری تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ ہندوستان کا ارادہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ریاست جموں و کشمیر میں فوجی اقدام کے ذریعہ فیصلہ کرے اور دوسری طرف یہ مضحکہ خیز بہانہ کرے کہ ریاست پر مکمل طور سے فوجی قبضہ ہو جانے کے بعد استصواب رائے عامہ کے ذریعہ ریاستی عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔

ہندوستان کا یہ ردعمل نہایت ناقابل اطمینان تھا، یہ بات بالکل صاف تھی کہ ہندوستان ریاست کی مسلم آبادی ختم کر کے اس پر مستقل طور سے قبضہ کرنا چاہتا ہے، اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مقولہ پر عمل کرتا ہے، پھر بھی ہم نے گفت و شنید کے ذریعہ سمجھوتے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

میں نے وسط نومبر میں اپنے ایک صحافتی بیان میں حکومت پاکستان کے رویہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا کہ:۔

پاکستان کا رویّہ!

"منشور اقوام متحدہ کا یہ بنیادی اصول ہے کہ طاقت کو حق پر حاوی نہ ہونے دیا جائے۔ اس لئے یہ پورا تنازعہ رائے عالم کی عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ ہم ادارۂ اقوام متحدہ سے فوراً درخواست کرنے کو تیار ہیں کہ وہ ریاست جموں و کشمیر میں جنگ نیز ریاستی مسلمانوں پر مظالم بند کرانے، بیرونی فوجوں کی واپسی کے پروگرام کا انتظام کرنے، استصواب رائے عامہ کے انعقاد تک ریاست میں غیر جانب دارانہ نظم و نسق قائم کرنے اور ریاستی عوام کی آزادانہ مرضی معلوم کرنے کے واسطے اپنی زیر نگرانی استصواب رائے عامہ کرانے کے لیے ریاست جموں و کشمیر میں اپنے نمائندے مقرر کرے شمولیت کے سوال پر ہم مناودر اور جوناگڑھ کے تنازعہ کے متعلق بھی اسی طرح کا حل منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے اس بیان میں واضح کر دیا ہے کہ حکومت پاکستان اس پورے تنازعہ کو جس میں فوجوں کی واپسی، عبوری نظم و نسق کی حیثیت اور استصواب رائے عامہ کے انتظام کا سوال بھی شامل ہے، ثالثی کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کرنے پر متفق ہے، ہم نے ہندوستان کی اس تجویز کو دل سے مان لیا کہ کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا انتظام کرنے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ سے

مشترکہ درخواست کی جائے، بلکہ درحقیقت ہم نے تو ایک قدم اور آگے بڑھایا اور یہ تجویز پیش کی کہ اس تنازعہ سے متعلق تمام معاملات بھی ادارۂ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔

ہند کا جواب!

لیکن ہندوستان نے اس کا جواب دیا؟ اس کا جواب یہ تھا کہ:۔

"جنگ بند کرانے کے لئے ہندوستانی فوجوں کو ریاست میں موجود رہنا چاہئے، شیخ عبداللہ کی حکومت ریاستی عوام کی مرضی کے مطابق اور غیر جانب دارانہ ہے۔ اس تنازعہ کے موجودہ حالات میں ادارۂ اقوام متحدہ یہ مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد نہیں دے سکتا، لیکن اقوام متحدہ کے مبصرین کو کشمیر آنے اور مجوزہ استصواب رائے عامہ پر مشورہ دینے کی دعوت دینے کے لئے ہندوستان تیار ہے۔"

یہ نئی تجویز کہ ہندوستان کے زیر نگرانی منعقد ہونے والے استصواب رائے عامہ پر مشورہ دینے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ کے مبصرین سے کہا جائے، ہندوستان کی اس سے قبل کی اس تجویز سے واضح روگردانی تھی کہ ادارہ اقوام متحدہ جلد از جلد کشمیر میں استصواب رائے عامہ کرائے۔

میک ناٹن!

اس تنازعہ کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب ہندوستان نے مسئلہ کشمیر کو پاکستان کے خلاف اس شکایت کی صورت میں سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا کہ اس نے بین الاقوامی امن کو خطرہ میں ڈالنے والا ایک جارحانہ اقدام کیا ہے، حکومت پاکستان نے جارحانہ اقدام کے متعلق ہندوستان کے الزامات کو واضح الفاظ میں مسترد کرتے ہوئے اس تنازعہ میں اقوام متحدہ کی مداخلت کو دعوت دینے کے اقدام کا پوری طرح خیر مقدم کیا، اور میں نے ۳۱ر دسمبر کو وزیر اعظم ہندوستان کے نام ایک خط میں یہ مخلصانہ امید ظاہر کی کہ اقوام متحدہ کی مداخلت سے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تمام موجودہ اختلافات جلد دور ہوجائیں گے، سلامتی کونسل نے پانچ ہفتوں تک کافی مباحثہ کے بعد جنرل میک ناٹن کی ۶ر فروری ۱۹۴۸ء کی قرارداد میں خاص سفارشات کو تسلیم کرکے ہمارے رویہ کی منصفانہ حیثیت کی حمایت کی جن میں ادارہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے عامہ منعقد کرنے کی بھی سفارش شامل تھی، جب یہ معلوم ہوا کہ یہ قرارداد منظور کرلی جائے گی تو ہندوستانی نمائندے نے مباحثہ کو ملتوی کرنے کی درخواست پیش کردی اور وہ سلامتی کونسل کی تقریباً علی الاعلان خلاف ورزی کرتے ہوئے نئی دہلی واپس چلا گیا۔

اب اس دوران میں کیا ہوا اس کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں لیکن مارچ ۱۹۴۸ء میں مباحثہ شروع ہونے پر جنرل میک ناٹن کی قرارداد کو بالکل فراموش کردیا گیا، اور ۲۱ اپریل کے مباحثہ سے ایک نئی قرارداد جو واضح طور پر ہندوستان کے زیادہ موافق تھی، ظاہر ہوئی لیکن ہندوستان نے یہ قرارداد بھی نامنظور کردی۔ اس نئی قرارداد کی شرائط ہمارے لئے پوری طرح قابل قبول نہ تھیں، پھر بھی ہم نے اس قرارداد کے تحت قائم ہونے والے کمیشن سے تعاون کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔

ہندی افواج میں اضافہ!

اسی دوران میں برصغیر میں نہایت اہم واقعات ہو رہے تھے، ادہر سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث تھا، ادہر ہندوستان تیزی سے اپنی کشمیر کی فوجوں میں اضافہ کر رہا تھا۔

اپریل ۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے پوری قوت سے حملہ شروع کردیا جس کا یہ قطعی مقصد تھا کہ تمام ریاست پر بہ جبر قبضہ کرلیا جائے تاکہ دنیا کے سامنے فیصلہ کن صورت پیش کردے، پاکستان میں ہندستانی حملہ کے بالواسطہ اثرات فوراً محسوس کئے گئے جہاں اس کا سب سے پہلا نتیجہ جو نظر آیا وہ ریاست سے بہت بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد تھا۔ ہندوستانی فوجیں بیّن طور پر پاکستان کے لئے خطرہ اور

بازو کی طرف سے خطرے کا موجب بن رہی تھیں اور پاکستان اور جموں وکشمیر کے درمیان تمام سرحدی علاقہ خطرناک طور پر غیر محفوظ ہو گیا تھا اس صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے اہم مفاد کے تحفظ کے لئے تھوڑی سی پاکستانی فوجیں اوائل مئی ۱۹۴۸ء میں کشمیر بھیجی گئیں تاکہ وہ بعض دفاعی مورچے سنبھال سکیں۔

اقوام متحدہ کا کمیشن!

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان جولائی کی ابتدا میں اس برصغیر میں پہونچا، کمیشن نے ہندوستان اور پاکستان سے علیحدہ علیحدہ گفت وشنید کی اور ۱۳ راگست کو ایک رزولیوشن منظور کیا جس کے ذریعہ التوائے جنگ اور عارضی صلح کے سلسلہ میں بعض اصول پیش کئے گئے تھے مگر اس میں استصواب رائے کے متوقع انتظامات کے بارے میں کوئی مکمل اور واضح بات نہیں تھی۔

ہم نے یہ رزولیوشن اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ اس کے حصہ ۳ میں مناسب تفصیلات مہیا کی جائیں تاکہ آزاد اور غیر جانب دارانہ رائے شماری کی وہ بنیادی شرائط شامل ہو جائیں جو سلامتی کونسل کے رزولیوشن مورخہ ۲۱ راپریل میں بیان کی گئی ہیں مگر ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کمیشن کے لئے وضاحتوں کے سلسلہ میں اس نہایت معقول سوال اور جائز درخواست کو قبول کرنا ناممکن ہو گیا۔

قائد ملت لیاقت علیخان مسئلہ کشمیر پر تقریر فرما رہے ہیں

گراہم اور لیاقت علی خاں

عشائیہ
لیاقت علی خاں + سراون ڈکسن

ہندوستان کے اس رکاوٹ ڈالنے کے رویہ کا ایک مقصد تو قطعی طور پر یہ تھا کہ ریاست جموں وکشمیر کی آئندہ حیثیت پر عوام کی رائے معلوم کرنے کے سلسلہ میں کوئی صاف اور واضح طریقہ نہ بن سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ کمیشن متضاد نقطہائے نظر میں مفاہمت نہ پیدا کر سکا، کمیشن نے گفت وشنید کا سلسلہ منقطع کر دیا، اور سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لئے یورپ روانہ ہو گیا، اس دوران میں کشمیر کی جنگ جاری رہی اور ہندوستانی حملہ کے زور وشدت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

اس کے بعد نومبر میں گفت وشنید کا پھر آغاز ہوا، اور خاصے بحث ومباحثہ کے بعد ۱۱ر دسمبر کو کمیشن نے ایک رزولیوشن مرتب کیا جس میں ان تجاویز کا ذکر تھا جو ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کے فیصلہ کے لئے رائے شماری کرانے اور اس کے انتظامات کے بارے میں تھیں۔

ان تجاویز کے بغور مطالعہ سے غیر جانب دار مبصر معلوم کر سکتا ہے کہ انھیں ۱۳ر فروری کے میک ناٹن رزولیوشن سے محض سطحی مماثلت تھی اور یہ سلامتی کونسل کے ۲۱ر اپریل والے رزولیوشن کا مقصد پورا کرنے سے بھی قاصر رہی تھیں، اس کے باوجود پاکستان نے نئی شرائط قبول کر لیں۔

ہندوستان نے بھی یہی کیا مگر دل میں چور رکھ کر جیسا کہ میں ابھی بیان کروں گا۔

التوائے جنگ

التوائے جنگ کے احکام یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جاری کیے گئے اور کمیشن کی تجاویز ۵ جنوری کو باقاعدہ طور پر منظور کرلی گئیں مگر ہندوستان کو منصفانہ حد بندی کے لئے آمادہ کرنے پر کمیشن اور حکومت پاکستان کو مزید ۷ مہینے تک نہایت صبر اور ہوشیاری سے کام کرنا پڑا۔

کمیشن نے جب اپنے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والے رزولیوشن کے دوسرے حصہ پر عمل درآمد کا ارادہ کیا جو عارضی صلح کے بارے میں تھا تو اُسے حکومت ہند کی طرف سے نہایت عجیب غیر مصالحانہ رویہ کا سامنا کرنا پڑا۔

اس موقع پر نہ صرف حکومت ہند نے آزاد کشمیر کی افواج کو ختم کرنے اور شمالی علاقوں پر تسلط کے غیر متعلقہ سوالات اٹھائے، بلکہ اس نے ریاست جموں و کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کے صریح وعدے پر عمل کرنے سے بھی صاف انکار کردیا۔

ہندوستان نے اس طرح وعدہ خلافی کوئی پہلی بار نہیں کی تھی مگر یہی سب کچھ نہ تھا، ہندوستان اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا اور اس نے اصرار شروع کیا کہ کمیشن ہندوستانی افواج ہٹانے کے منصوبے سے پاکستان کو آگاہ نہ کرے۔

ہندوستان کے ان نئے مطالبات میں سے آزاد کشمیر فوج کی

برخاستگی کا مطالبہ ایسا نہ تھا کہ کمیشن کے رزولیوشن کے شرائط کے تحت عارضی صلح کی گفت وشنید کے وقت پیش کیا جا سکے۔

دوسرا سوال یعنی شمالی علاقوں کی حفاظت کے مسئلہ کا ذکر بھی رزولیوشن میں کہیں نہیں تھا، نیز یہ مطالبہ اس رزولیوشن کے اور کمیشن کی طرف سے کئے ہوئے مختلف وعدوں کے منافی تھا۔

اس کے علاوہ ہندوستانی فوجوں کے شمالی علاقہ میں تعین سے امن وصلح کی ضمانت ہونے کے بجائے بے چینی اور بدامنی ہونے کا امکان تھا جو ایشیا کے اس حصہ کے سیاسی توازن کو درہم برہم کر دیتا۔

کمیشن کی تیسری رپورٹ میں جو اس نے سلامتی کونسل کو پیش کی اس امر کا پورا ثبوت ہے کہ پاکستان کا رویہ اس سلسلہ میں نہایت مناسب تھا، اس رپورٹ میں نہایت پُرزور الفاظ میں حکومت ہند کے اس نامنصفانہ رویہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس نے اپنی فوجیں پاکستانی فوجوں کے ساتھ ہٹانے سے انکار کر کے اختیار کیا۔

ہندوستان کا مقصد!

یہ امر اب آنریبل ممبروں پر قطعی طور پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ وہ اقوام متحدہ کو اپنا کام پورا کرنے دے ہندوستان کی طے شدہ پالیسی یہ ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے استصواب رائے کے کام میں روڑے اٹکائے۔ نیز ہندوستان کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کے

مسلمانوں کو اس قدر کچل دیا جائے اور انھیں اتنا پست ہمت کر دیا جائے کہ اگر کبھی رائے شماری ہو بھی تو وہ آزادانہ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں۔

عارضی صلح کی تجاویز کے سلسلہ میں اپنی کوششوں میں ناکام ہو جانے کے بعد کمیشن نے ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء کو تجویز کیا کہ عارضی صلح کی شرائط کے تمام اختلافات ثالثی کے لئے استصواب رائے کے ایڈمنسٹریٹر جنرل ایڈمرل چیسٹر نمٹز کے سامنے پیش کئے جائیں اور دونوں حکومتیں انکے فیصلے کی پابند ہوں۔

امن عالم کی خاطر امریکہ کے صدر ٹرومین اور برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے بھی ذاتی طور پر پاکستان اور ہندوستان سے اسے منظور کر لینے کی اپیل کی تھی۔

ہم نے اس تجویز کو اسی جذبہ کے تحت منظور کر لیا، جس کے تحت وہ پیش کی گئی تھی مگر ہندوستان نے انھیں نامنظور کر دیا، ہٹ دھرمی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی تھی۔

کمیشن کی واپسی!

کمیشن کو اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ واپس چلا جائے اور سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کر دے۔

اپنی حالیہ رپورٹ میں کمیشن نے اقوام متحدہ کے ایک ایسے

نمائندے کے تقرر کی سفارش کی ہے جیسے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کے رزولیوشنوں کے مطابق ان تمام مسائل کے سلسلہ میں جو اب تک متنازعہ فیہ تھے، مفاہمت کرانے کے لئے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں۔

۱۷ دسمبر کو سلامتی کونسل نے جنرل میکناٹن کو اجازت دیدی کہ وہ مخالف جماعتوں کے درمیان مصالحتی کام پھر شروع کر دیں، ان کی ۲۲ دسمبر کی تجاویز میں منجملہ دیگر امور کے یہ تجویز تھی کہ دونوں حکومتیں اقوام متحدہ کے نمائندہ کی نگرانی میں فوجیں ہٹانے کے ایک ترقی پسند و متوازن پروگرام کو قبول کرلیں اور جب فوجیں ہٹانے کا پروگرام قابل اطمینان طریقہ سے پورا ہو جائے تو ناظم استصواب رائے کمیشن کی ۵ جنوری کی قرارداد کے شرائط کی رو سے استصواب رائے عامہ کرائے، پاکستان نے یہ تجاویز قبول کرلیں لیکن ہندوستان نے حسب سابق انہیں نامنظور کر دیا۔

بین الاقوامی معاہدہ!

آئندہ اقدام سلامتی کونسل کو کرنا ہے۔ اب تک حکومت پاکستان نے ہندوستان کی کشمیر کو بزور شمشیر فتح کرنے کی پیہم کوششوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے اور اس مسئلہ کو منصفانہ اور پرامن طور پر حل کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے، ان کوششوں کے باعث ایک

بین الاقوامی معاہدہ ہوگیا ہے کہ اس ریاست کے پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا مسئلہ ایک آزاد اور غیر جانب دار استصواب رائے عامہ کے ذریعہ طے ہوگا۔

استصواب رائے عامہ سے قبل کے اقدامات اور وہ شرائط جن کے تحت استصواب رائے ہوگا کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں میں درج ہیں، ان کی تصدیق سلامتی کونسل نے کی ہے اور حکومت ہائے پاکستان و ہند نے انھیں قبول کر لیا ہے۔ مگر ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے باعث ان قراردادوں پر عملدرآمد نہیں ہو سکا ہے، لیکن حکومت پاکستان کو پوری امید ہے کہ سلامتی کونسل یقیناً جلد کوئی فیصلہ کرے گی اور اس بین الاقوامی معاہدہ کی شرائط کی دوبارہ توثیق کر کے ان شرائط پر فوری عمل درآمد کی ہدایت کرے گی۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جغرافیائی، اقتصادی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے کشمیر پاکستان کا ایک جزو ہے، اس کی آبادی کی اکثریت کا مسلمان ہونا پاکستان کے لئے اس کا اہم حربیاتی موقف، اسکے دریاؤں کا بہاؤ، اس کی سڑکوں کے رخ، اس کے تجارتی راستے اس ہیم اور قریبی تعلق کی وجہ سے جسکے ذریعہ اسکے عوام ہمیشہ پاکستان سے وابستہ رہے ہیں۔ کشمیر پاکستان کے ساتھ ناقابل شکست رشتہ میں

منہ بولتا ہے۔ کوئی غیر متعصب شخص جو نقشہ دیکھے اور اس مسئلہ پر کچھ غور کرنے کے لئے تیار ہو، وہ لازمی یہی نتیجہ نکالے گا کہ کشمیر پاکستان کا ایک قدرتی حصہ ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اور عالمی امن کو ترقی دینے کی دلی خواہش کی خاطر ہم اس پر راضی ہو گئے کہ اس معاملہ میں عوام کشمیر کی مرضی معلوم کرنا چاہئے، کیونکہ ہر قوم کا پیدائشی حق ہے کہ بلا جبر و اکراہ آزادی سے اپنی قسمت کا فیصلہ کرے، ہمیں عوام کشمیر کے فیصلہ سے خوف نہیں لیکن ہندوستان کو ہے اور اسی لئے وہ کشمیر کے باشندوں کو دبانے اور ان کے لئے ایک آزاد انتخاب کو ناممکن بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

عوام کشمیر کی بے اطمینانی اور مصیبت نیز ان تکالیف اور آزمائشوں سے جن میں ہندوستانی فوج کے قبضہ نے انھیں مبتلا کیا ہے۔ پاکستان کی حکومت آگاہ ہے۔ ہمیں کشمیر اور پاکستان کے عوام کی اس بڑھتی ہوئی بے صبری کا بھی پورا احساس ہے جو ان میں ایک جماعت کے موجودہ طرز عمل کے باعث پیدا ہو رہی ہے جسے ایک واقعی تعطل پیدا کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

پاکستان اور کشمیر کے عوام، نیز عالمی امن کے لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ مسئلہ حل کرنے کی ہر کوشش جاری رکھیں۔ اگر ممکن ہو تو ریاست کے عوام کے لئے پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ آزادیِ رائے سے کرنے کا حق حاصل کر کے اس مسئلہ کو پُر امن طور پر حل کریں۔

ہمارا فیصلہ!

ہمارا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے اور کم از کم مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہوں گے۔ ہزاروں سال سے جب سے اس سیارہ پر انسان کا وجود ہے، بہت سی تہذیبیں پیدا ہوئیں پھلی پھولیں اور فنا ہو گئیں، وہ تہذیبیں جن کی بنیاد عدل و صداقت پر تھی سب سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں اور انھوں نے سب سے زیادہ ترقی کی جو شخص بغور تاریخ کا مطالعہ کرے اُسے خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک عالمگیر قانون ہے، جو افراد، جماعتوں قوموں اور تہذیبوں کی زندگی پر یکساں طور پر حاوی ہے۔

تاہم ایسی قومیں بھی ہوئی ہیں جنھوں نے خیال کیا کہ وہ تاریخ کا سبق نظر انداز کر سکتی ہیں۔ انھوں نے دوسروں کا حق ہڑپ کرنے کی کوشش کی، دوسری قوموں کو غلام بنایا، اپنے وعدوں کو توڑا اور انھوں نے سمجھا کہ وہ خدا کا مذاق اڑا سکتے ہیں، لیکن آپ خدا کا مذاق نہیں اڑا سکتے، جو اخلاقی قوانین تاریخ پر حاوی ہیں، آپ چاہیں تو انھیں بھول سکتے ہیں، لیکن یہ آپ ہی کے لیے مضر ہے۔ اللہ مہلت تو دیتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اور وہ جو اپنے حق کی حفاظت نہیں کر سکتے

فنا ہو جاتے ہیں، کیونکہ زندگی پیہم اور متواتر جدوجہد کی طالب ہے۔

ہمارا مقصد!

ہم نہ تو جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ کسی سے جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہم کسی کے بدخواہ ہیں، لیکن اسکے ساتھ ہی ہم جبر کے سامنے اپنا سر نہیں جھکائیں گے۔ نہ ہم مسئلہ کشمیر کا کوئی غیر منصفانہ حل قبول کرینگے خواہ کتنی ہی قربانیاں دینی ہوں، خواہ کچھ بھی نتائج ہوں اور چاہے کوئی کچھ بھی کہے یا کرے ہم یہ نہیں ہونے دیں گے کہ ہندوستان بزورِ شمشیر کشمیر پر قبضہ کرے اور ہم ان لاکھوں کشمیری مسلمانوں کو نہیں بھلائینگے جن کی زندگیاں ہندوستانی فوج اور ہندو ظالموں نے جہنم بنا دی ہیں۔

یہ لوگ آزادی اور اپنی زندگی کو زندگی کہنے کے حق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اس لئے جدوجہد کر رہے ہیں کہ انھیں اپنی محنت کا منصفانہ صلہ ملے، اور ظلم و ناانصافی سے نجات ہو۔

ممکن ہے انھیں عارضی رکاوٹیں پیش آئیں، لیکن انشاءاللہ بالآخر وہ کامیاب ہوں گے، اور انھیں غلام بنانے کے لئے ان پر ظلم کرنے والوں کی گروہ چالیں اور انھیں انسانی حقوق سے محروم کرنے کی ذلیل سازشیں ناکام ہوں گی۔

خدا پر بھروسہ کرکے اور خوف و نفرت کے بغیر ہم اس کام کو پورا کرنے کے لیے بڑھیں گے جو ہم نے اپنے لئے معین کیا ہے۔

پاکستان کا موقف!

اس حقیقت آفریں تقریر نے پاکستان کے موقف کو ساری دنیا کے سامنے آئینہ کی طرح روشن کر دیا، اور دنیا نے جان لیا کہ حق پر کون ہے؟ اور ناحق پر کون؟

باب ۱۰

پاکستان کی اقلیتیں!

ڈھاکہ کی ایک یادگار تقریر!

پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کے جو منصوبے تیار ہوئے اُن میں ایک اہم مسئلہ پاکستان کو اقلیتوں سے خالی کرا لینے کا بھی ہے، سندھ بلوچستان، سرحد، یہاں اقلیتوں کے ساتھ کوئی خاص زیادتی نہیں ہوئی کوئی بڑا ہندو مسلم فساد نہیں ہوا، پنجاب کی طرح قتل و غارت کا لامتناہی سلسلہ شروع نہیں ہوا، پھر بھی یہ مقامات اقلیتوں سے خالی کرا لئے گئے۔

مقصد کیا تھا!

یہ اس لیے کیا گیا کہ پاکستان مفلوج ہو جائے، مذکورہ مقامات

ہندوؤں کا انخلا صرف اس لئے عمل میں آیا کہ اقتصادی طور پر پاکستان کو تباہ کرنے کی اس سے بہتر کوئی اور ترکیب ہی نہیں تھی، یہاں کے ہندو مالدار تھے، کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا، صنعت و حرفت کے وہ مالک تھے، تجارت اور زراعت کا انحصار اُن پر تھا، امپورٹ اکسپورٹ کی بزنس کا تمام ٹھیکہ گویا اُن ہی کے پاس تھا، مسلمان صرف اس لئے تھے کہ قرض لیں، سود در سود ادا کریں، وہ کمائیں یہ کھائیں۔

ظاہر ہے یک بیک اتنا بڑا سرمایہ لے کر جب ہندو مغربی پاکستان سے رخت سفر باندھیں گے تو پاکستان کے ختم ہونے میں کیا کسر رہ جائے گی۔؟

یہ مرحلہ اس لئے اور آسانی سے طے ہو گیا کہ سرحد، بلوچستان اور سندھ میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔

اور بنگال؟

لیکن بنگال کا معاملہ مختلف تھا، وہاں تقریباً سوا کروڑ ہندو مشرقی بنگال میں آباد ہیں، اتنی بڑی تعداد کو ہجرت پر مجبور کیا جا سکتا ہے نہ اس کے لئے جگہ نکالی جا سکتی ہے، نہ کاروبار مہیا کیا جا سکتا ہے، پھر کیا ہو۔؟

شیاما پرشاد مکرجی وغیرہ نے علی الاعلان یہ تجویز پیش کی کہ آسام، تری پورہ اور مغربی بنگال کے مسلمان مشرقی بنگال بھیج دیے جائیں اور مشرقی بنگال کے ہندو مذکورہ مقامات میں آباد کر دیے جائیں، بلکہ یہ لوگ تو اس اسکیم

کو بہار اور اڑیسہ تک وسیع کرنا چاہتے تھے، لیکن کچھ دنیا کی شرم سے، کچھ عملی مشکلات کے باعث نہ کانگرس اس تجویز کو منظور کرا سکی، نہ حکومت ہند اس پر راضی ہوئی کہ اتنا بڑا خطرہ مول لے۔

عملی اقدام!

کانگرس اور حکومت ہند سے مایوس ہو کر، مہا سبھا، ماسٹر تارا سنگھ اور دوسرے ہندو داداروں کے لوگوں نے جن میں کانگرس کے متعصب اور فرقہ پرست لوگ بھی قومیت متحدہ کے مدعی ہونے کے باوجود کافی تعداد میں شامل تھے، معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کام اس طرح شروع کیا کہ آسام، تری پورہ اور مغربی بنگال میں فسادات شروع کرا دیے، مسلمان بہار اور پنجاب سے ڈرے ہوئے تھے انھوں نے بھاگنا شروع کر دیا، ادہر مشرقی بنگال کے ہندوؤں کو یہ سبق دیا گیا کہ جنگ ہند و پاکستان سے چھڑنے والی ہے لہذا جس قدر جلد ”مسلم حکومت“ سے بچ کر ہند و حکومت کے زیر سایہ پہونچ سکو اتنا ہی بہتر ہے ورنہ ”مسلم حکومت“ ہندوؤں کو پیس ڈالے گی بے چارے ہندو اس بہکاوے میں آ گئے۔ اور انھوں نے بوریہ بستر سنبھالکر ترک وطن کا سلسلہ شروع کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے یہ آگ اتنی بھڑکی کہ مغربی بنگال سے مسلمان اور مشرقی بنگال سے ہندو دھڑا دھڑ بھاگنے لگے، یہی وہ موقع تھا جب مشرقی بنگال کے ہندوؤں کے لئے سردار پٹیل نے پاکستان سے زمین مانگی تھی اور جواہر لال نے جنگ کی دھمکی دی تھی۔

مشرقی پاکستان کا دورہ!

اس موقع پر لیاقت علی خاں نے اپنا فرض ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے محسوس کیا، اور مشرقی بنگال کے فساد زدہ رقبہ کا ایک طویل دورہ کیا انھوں نے جلسوں میں شرکت کی، ہندوؤں کے مجامع میں تقریریں کیں۔ ہندوؤں کو ڈھارس بندھائی۔ انھیں یقین دلایا کہ ان کے ساتھ ہرگز کسی قسم کی زیادتی روا نہیں رکھی جائے گی، پاکستان میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے انھیں وہی حقوق حاصل ہیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہو سکتے ہیں، ان کی جان، مال، عزت، آبرو کی حکومت پوری پوری حفاظت کرے گی اور انھیں کسی جائز شکایت کا موقع نہیں دے گی

ڈھاکہ کی تقریر!

اپنا دورہ ختم کرنے کے بعد لیاقت علی خاں نے ۲۲ مارچ ۱۹۵۰ء کو ڈھاکہ میں ایک زبردست معرکہ آرا، اور یادگار تقریر کی، ضروری ہے کہ اس تقریر کے ضروری اور اہم حصص پیش نظر رہیں۔

پاکستانی مسلمانوں کو جھاڑ!

اپنی تقریر میں لیاقت علی خاں نے اُن مسلمانوں کو سختی کے ساتھ جھاڑا جنھوں نے اس کشت وخون میں حصہ لیا تھا۔

لیاقت علی خاں نے کہا:۔

وہ پاکستانی جنھوں نے اس گڑبڑ میں حصہ لیا ہے یا جن کے ایما سے قانون شکنی واقع ہوئی ہے کسی حالت میں بھی پاکستان کے دوست یا اچھے شہری کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔

پاکستان اور غیر مسلم!

پھر لیاقت علی خاں نے پورے احساس ذمہ داری اور نطق وکلام کے پورے جوش کے ساتھ کہا،

میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہر پاکستانی کو خواہ وہ کسی مذہب ملت کا ہو ایک ہی جیسے حقوق حاصل ہیں، پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے اپنی قرارداد مقاصد میں اس چیز کو روشن کردیا ہے۔

بعض غیر مسلم جو پاکستان کے دشمن ہیں یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم پاکستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس ملک میں غیر مسلموں کے لئے جگہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ گمراہ کن اور جھوٹا کوئی پروپگنڈا نہیں ہوسکتا، میں نے بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو پورے حقوق نہیں حاصل ہوں گے یا تو وہ اسلامی اصولوں سے بے بہرہ ہیں یا دانستہ حقیقت مسخ کر کے ایسا غلط پروپگنڈہ کرتے ہیں۔

میں نے اپنی تقاریر میں بار بار کہا ہے کہ ہم پاکستان کو برابری اخوت

اور معاشی انصاف کے اصولوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم ایک ایسی معاشرت کا قیام چاہتے ہیں جس سے ہر فرد خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم نہ صرف اپنی محنت کا جائز پھل پا سکے بلکہ اس کو اطمینان ہو کہ اس کے ساتھ ہر حالت میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا اور اس کو برابری کے حقوق حاصل ہوں گے۔

میں پاکستان کی اقلیتوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ان کو نہ صرف وہ حقوق حاصل ہیں جو پاکستانیوں کو حاصل ہیں بلکہ ان کی حفاظت اور انکی معاشرتی ترقی ہمارا مقدس فرض ہے۔

میں ہرگز یہ نہیں چاہتا اور مجھے یقین ہے کہ ہر عقلمند پاکستانی میرا ہم خیال ہے کہ اقلیت کا کوئی بھی آدمی پاکستان کو چھوڑ کر چلا جائے، میری یہ خواہش ہے جو لوگ اس وقت تک خوف زدہ ہو کر یہاں سے چلے گئے ہیں وہ واپس آ جائیں، لیکن اس کے باوجود جو لوگ یہاں سے جانا چاہیں گے ہم اُن کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے، کیونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اصل سبب!

پھر لیاقت علی خاں نے بتایا، مشرقی پاکستان کے ہندو ترک وطن کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا اور بالکل سچ کہا۔

اقلیتوں کے دلوں میں جو اس وقت ہراس ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہاں ان کو کوئی خطرہ ہے، اس لئے نہیں کہ اب مشرقی بنگال میں امن نہیں ہے

لیاقت علی خاں پاکستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کے مجمع میں

اس لئے بھی نہیں کہ مشرقی پاکستان کی حکومت نے حالات پر پوری طرح قابو نہیں پالیا ہے، مجرم کے خلاف پوری کارروائی نہیں کی گئی یا انتہائی کوشش کرکے لوٹ کا مال اصلی مالکوں کو واپس نہیں دلایا گیا، مشرقی پاکستان میں اس وقت مکمل امن ہے، کئی ہزار گرفتاریاں کی جاچکی ہیں اور ہمارا قوی ارادہ ہے کہ ہر حالت میں امن کو قائم رکھا جائے گا، اقلیتوں کے دلوں میں جو خوف یا بے چینی ہے اس کے اصل وجوہ بالکل مختلف ہیں۔

مشرقی پاکستان کے ہندوؤں سے مغربی بنگال اور ہندوستان کے کئی اور صوبوں کے لیڈر متواتر یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان میں عنقریب جنگ ہونے والی ہے اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے چلے جائیں۔

نفسیاتی توجیہ!

انہی اس تقریر میں لیاقت علی خان نے مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کے ترک وطن کی ایک نفسیاتی توجیہ بھی کی، جو سراسر حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہے، انھوں نے کہا:۔

دوسری وجہ وہ حالات ہیں جو مغربی بنگال اور آسام میں پیدا ہو گئے ہیں، ان صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم کی جوں ہی خبر آتی ہے تو اس صوبہ کے ہندوؤں کی گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے۔

یقین دہانی!

پھر پاکستان کے ہندوؤں سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم پاکستان نے کہا:-

میں پاکستان کی اقلیتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جنگ کے متعلق بے بنیاد افواہوں پر یقین نہ کریں اور یہ اچھی طرح جان لیں کہ پاکستان کی حکومت ہر طرح سے ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی۔ جو لوگ قانون شکنی کے مرتکب ہوں گے ان کو مناسب سزا دی جائے گی۔ ان فسادات میں جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے اُن کی مدد کی جا رہی ہے اور اُن کو پھر سے بسانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک یہ کام تکمیل تک نہ پہونچ جائے۔

مظلوم مسلمان!

اپنی اس تقریر میں لیاقت علی خاں نے مغربی بنگال کے مظلوم مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:-

مغربی بنگال اور آسام کے مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تک کئی لاکھ مسلمان ان صوبوں سے مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس وقت تک تقریباً ۲۰ لاکھ مہاجرین کے نام رجسٹر ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے نام رجسٹر نہیں کرائے

اُن کی صحیح تعداد بیان کرنا مشکل ہے۔

اُن مہاجرین سے جو اپنا سب کچھ چھوڑ آئے ہیں مجھے دلی ہمدردی ہے۔ جو لوگ ان میں سے نادار ہیں حکومت اُن کی مدد کر رہی ہے۔

حکومت ہند اور مسلمان!

پھر حکومت ہند کے احساس ذمہ داری پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علیخاں نے کہا:۔

میرے پاس ابھی تک نہایت معتبر ذریعوں سے خبریں آ رہی ہیں کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں سے بہت تشدد کا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور حکومت ان کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی حکومت ہماری طرح امن قائم کرنے کا تہیہ کر کے ان حالات پر جلد از جلد قابو پانے کی کوشش کرے گی۔ جب تک ہندوستان کی حکومت مفسد لوگوں کو سختی سے نہ دبائے گی، حالات بہتر نہیں ہوں گے۔

سبق آموز!

اقلیتوں کے سلسلہ میں لیاقت علی خاں کی یہ تقریر سبق آموز تھی اور ان کا عمل بھی، اقلیتوں کی حفاظت کرنے اور اُن میں خود اعتمادی کا جوہر پیدا کرنے کے لئے لیاقت علی خاں نے جو کچھ کہا اگر اس کا عشر عشیر بھی حکومت ہند

نے کیا ہوتا تو مسلمان ہر طرح کی ناسازگاریوں کے باوجود وہیں رہتے اور یہی نعرہ لگاتے کہ

آستانِ یار سے ہم اٹھ جائیں کیوں؟

وہ وہیں رہتے، وہیں جیتے، وہیں مرتے، لیکن انھیں تو اس طرح کھدیڑا گیا جس طرح سوامی شنکراچاریہ کی تلقین سے کسی زمانے میں بدھوں کو کھدیڑا گیا تھا۔ا

باب ۱۱

قرارداد مقاصد!

۷، مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خاں نے مجلس دستور ساز کے سامنے قرارداد مقاصد پیش کی، یہ تجویز بڑی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی، اس نے ایک طرف تو پاکستان میں ایک طوفان برپا کر دیا، دوسری طرف ہندوستان تک میں تہلکہ ڈال دیا۔

مختلف آوازیں

ایک طرف سے صدا بلند ہوئی یہ حکومت الٰہیہ کی طرف پہلا قدم ہے دوسری طرف سے اعلان ہوا، یہ فرقہ پرستی کی معراج ہے، ایک اور گوشہ سے نعرہ لگایا گیا۔ اس قرارداد کے بعد غیر مسلموں کے لئے پاکستان میں کوئی گنجائش نہیں ہے، کسی نے کہا پاکستان تباہی کی طرف جا رہا ہے، کسی نے رائے دی پاکستان دنیا میں سب سے پہلا ملک ہے جو مذہبی بنیادوں پر اپنی بنیادیں استوار کر رہا ہے، اور ایک غلط قسم کی ذہنیت کو فروغ دے رہا ہے۔

لیاقت علی خاں نے یہ ساری باتیں بڑے صبر و تحمل سے سنیں، اور پھر نہایت قابلیت اور سنجیدگی سے سب کا جواب دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ کتنے وسیع قلب کا مالک ہے، اور اس کی نگاہ کتنی عمیق ہے۔

قرارداد کا متن!

سب سے پہلے قرارداد پڑھیے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔

جس میں اصول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو لازماً اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور

اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور اُن پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات حیثیت و مواقع۔ قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال، اظہار عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہوں۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے۔

تاکہ اہل پاکستان فلاح وخوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں، اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی وبہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں۔"

تمہیدی تقریر!

اس موقع پر قرارداد کو پیش کرتے ہوئے، لیاقت علی خاں نے ایک بڑی منجھی ہوئی اور سلجھی تقریر کی۔ ضروری ہے کہ اس کے اہم اجزا ابھی پیش نظر رہیں:۔

"میں اس موقع کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں، باعتبار اہمیت صرف حصول آزادی ہی اس سے بلند تر ہے کیونکہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملا کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کر سکیں۔ میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے ملت قائد اعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی، پاکستان اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات وروایات کے مطابق کرنی چاہتے تھے اسلئے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کردینا چاہتے تھے کہ آج حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں اُن سب کے لئے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔

لیاقت علیخاں دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کر رہے ہیں
AYES
دگرگوں عالمِ شام و سحر کر
جہانِ خشک و تر زیر و زبر کر

اصل سبب!

ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کر لیا ہے، اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے، یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہو گیا ہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرے میں نہ پڑتی۔

محض وجود باری کا احساس انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے، جس کا نشا یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں، اُن سب کو اُن اخلاقی معیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے، جو وحی سے فیضیاب ہونے والے ان معلموں نے معین کر دیے ہیں جنھیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں۔

ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔

جرأت ایمان!

اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار و اقتدار کا ذات الٰہی کے تابع ہونا لازم ہے، یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیاؤلی کے خیالات کے بالکل عکس ہے جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ اس کے نظام حکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کو مطلق دخل نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرأت ایمانی ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اسلئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خودغرضی کا آلہ نہ بن جائے۔

بادشاہت نہیں!

میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہرگز ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الٰہی ہونے کے فرسودہ نظریہ کو پھر سے زندہ کریں۔

خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے اور

اس کا فیصلہ خود جمہور ہی کو کرنا ہوگا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے گا۔

اسی لئے قرارداد میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ کام میں لائے گی۔

پاپائیت اور مُلّائیت!

اصطلاح میں "تھیوکریسی" کلیسائی حکومت کو کہتے ہیں، یعنی برگزیدہ پادریوں کی حکومت۔

میں اس امر پر جتنا بھی زور دوں کم ہوگا، کہ یہ تصور اسلام سے قطعاً بعید ہے، اسلام مُلّائیت یا کسی حکومت مشائخ کو تسلیم نہیں کرتا، اس لئے اسلام میں "تھیوکریسی" کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں "تھیوکریسی" کا ذکر کرتا ہے تو وہ یا تو کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے، یا شرارت سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

مغربی حکومتیں اور اشتراکی روس، دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ کس قدر مختلف ہیں۔

جس وقت ہم جمہوریت کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر

حاوی ہے، اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے، اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے، کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفتوں سے مالامال کیا ہے، اُن میں سے ایک عام انسانوں کی مساوات ہے۔

اسلام کا احسان!

اسلام، نسل، رنگ، اور نسب کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا، انحطاط کے دور میں بھی اسلامی معاشرہ ان تعصبات سے نمایاں طور پر پاک رہا، جنھوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا اسی طرح ہماری رواداری کی روایات بھی عظیم الشان ہیں، کیونکہ قرونِ وسطیٰ میں اقلیتوں کو کسی نظام حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں جو مسلمان ملکوں میں انھیں حاصل تھیں۔

جس زمانے میں کلیسا سے اختلاف رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو اذیتیں دی جاتی تھیں اور انھیں گھروں سے نکالا جاتا تھا، اور جب انھیں جانوروں کی طرح شکار کیا جاتا اور مجرم قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا، اسلام ان سب کا مامن و ملجا ثابت ہوا، جنھیں مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور جو تنگ آ کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، زندہ جلانے کا تو تصور بھی اسلام میں کبھی نہیں آیا۔

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب سامیوں سے نفرت کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا تو سلطنت عثمانیہ نے

انھیں اپنے یہاں پناہ دی۔

مسلمانوں کی رواداری

مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔

ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حاصل تھے غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ان کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا۔

مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندوستان کی بہت سی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا، میرے بنگال سے آنے والے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں کی حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا، یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور ہمیشہ اسلام نے پیش کیا ہے جس میں اقلیتیں ذلت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں بلکہ باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتی ہیں اور انھیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیے جاتے ہیں تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کر سکیں۔

عدل عمرانی

جہاں تک عدل عمرانی کا تعلق ہے میں کہوں گا کہ اسلام اس میں

امتیازی اضافہ کرتا ہے، اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے جسمیں عدل عمرانی کا تصور نہ خیرات پر مبنی ہے، نہ تشدد پر، اسلام جو عمرانی عدل قائم کرنا چاہتا ہے وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصورات پر مبنی ہے، جو انسان کی زندگی کو احتیاج سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں، اور جو دولت آزادی سے مالا مال کر دینے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت، آزادی مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کی ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع معانی پیدا ہو گئے ہیں۔

اسلام اور مسلم حکومت!

قرارداد کی اس دفعہ کے بعد یہ دفعہ درج ہے کہ لازماً مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

اگر مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق بنا لیں تو اس پر کسی غیر مسلم کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے رہنماؤں نے ہمیشہ یہ واضح اور غیر مبہم اعلانات کئے تھے کہ پاکستان کے قیام کے لئے مسلمانوں کا مطالبہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے یہاں اپنا طریق زندگی اور ضابطہ

اخلاق موجود ہے، انھوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جسے مملکت کے کاروبار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عمرانی اخلاق کے متعلق مخصوص ہدایات ہیں اور اسلام روز مرہ پیش آنے والے مسائل کے متعلق معاشرے کے طرز عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ذاتی عقائد اور اخلاق کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں جس کا مقصد حیات صالح ہو۔

صالح زندگی کا تصور

یونانیوں کے برخلاف اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی اساس لازماً روحانی قدروں پر قائم ہے، ان اقدار کو اہمیت دینے اور انھیں نافذ کرنے کے لئے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقہ پر رہنمائی کرے کہ ایسا نیا عمرانی نظام قائم ہو جائے جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو جن میں جمہوریت، اخوت، رواداری اور عمرانی عدل شامل ہیں۔ ان کا ذکر تو میں نے محض تمثیلاً کیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنت نبوی پر مشتمل ہیں محض ایک پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا ایسر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسولؐ ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی

سرچشمے ہیں۔ ان کے متعلق مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اسلام کا کوئی فرقہ نہیں ہے جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

غیر مسلموں کے حقوق:

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا، اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا اور ہم یقیناً اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے، اقلیتوں کو اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح بھی روکا نہیں جائے گا، اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں میراث کی اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئیں جو مسلمانوں نے اپنے لئے مہیا کی تھی۔

میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم و فکر کی دولت میں اضافہ کر سکیں تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں اضافہ کا موجب ہوگا، اور ہماری قومی زندگی کو چار چاند لگا دے گا۔ اس لئے اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی کی توقع کرنی چاہئے بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہئے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدردانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا

طرۂ امتیاز رہا ہے۔

وفاقی طرزِ حکومت

قرارداد میں وفاقی طرزِ حکومت کا ذکر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ جغرافیائی حالات اس طرزِ حکومت کے ہی مقتضی ہیں، اس صورت میں جبکہ ہمارے ملک کے دو حصوں کے درمیان ایک ہزار میل سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے، وحدانی مرکزی حکومت جیسے قیام کا خیال بیکار ہے۔

میں نے ہمیشہ صوبہ پرستی کے جذبات کو دبانے کی حمایت کی ہے مگر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں بے جبر دلچسپ یکسانیت کا حامی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جن علاقوں اور واحدوں پر پاکستان مشتمل ہے، ان سب کو ہماری قومی زندگی کی خوبیاں بڑھانے میں حصہ لینا چاہئے لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی ایسی بات کی اجازت نہ دینی چاہئے جو کسی طرح قومی اتحاد کو کمزور کرنے کا موجب بنے۔

بنیادی حقوق

بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسم سی ہو گئی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے ہاتھ سے انہیں واپس لے لیں۔

ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ پاکستان مفاد پرستوں اور بالادا

طبقوں کے لئے نہیں بنا ہے۔ ہمارا مقصد اقتصادی نظام کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے، کیونکہ یہ دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے پورے عروج پر پہونچنے میں جو وجوہ انسان کے لئے مانع آتی ہیں وہ افلاس اور پس ماندگی ہیں اور پاکستان سے ہم ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔

پاکستان کے عوام!

ہمارے عوام اس وقت غریب اور جاہل ہیں، لیکن ہمیں ان کا معیار زندگی ضرور بلند اور انھیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے آزاد کرانا چاہیئے۔

جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے حکومت کے پیش نظر حکمت عملی کے تعین اور حکومت چلانے کے لئے ان ارکان کو انتخاب کرنے میں ہر شخص کو دخل حاصل ہوگا۔ تاکہ وہ اپنا کام عوام کے مفاد کا خیال رکھ کر کریں چونکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ خیالات پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاسکتی اسلئے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اظہار سے باز رکھیں اور نہ ہم کسی کو جائز اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر ربط و انتساب سے روکنا چاہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام حکومت کی بنیاد آزادی، ترقی اور عدل عمرانی پر رکھنا چاہتے ہیں، ہم سماجی تفاریق کو اس طریقہ سے ختم کرنا چاہتے ہیں

کہ کسی کو نقصان نہ پہونچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

اقلیتوں کا مفاد!

اقلیتوں کے بہت سے مفاد ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پر تحفظ چاہتی ہیں۔ یہ قرارداد اس تحفظ کی ضامن ہے، ہماری خاص ذمہ داری پست اور پس ماندہ لوگوں کی نسبت ہے۔ ہم ان کی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بغیر کسی قصور کے مبتلا ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان کے اس حالت تک پہونچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں لیکن اب چونکہ وہ ہمارے شہری ہیں اس لئے ہماری خاص کوشش یہ ہوگی کہ ہم انھیں دیگر شہریوں کے دوش بدوش لے آئیں تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں، جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔

یقین واثق!

ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کو ان اصولوں پر ڈھال کے جن کی توضیح کر دی گئی ہے، اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا جس کے باشندے بلا امتیاز عقائد و حیثیت اس پر فخر کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں، انھوں نے اپنی بے بہا قربانیوں اور اس قابل تعریف ضبط و نظم کی بدولت جس کا مظاہرہ انھوں نے ایک ابتلائی اور نازک دور میں کیا تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کرلیا، مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے بلکہ وہ انسانیت کی فلاح و ترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی، یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے جذبۂ قربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم رہے، پھر قدرت اسے امور عالم میں ایک عظیم الشان مرتبہ عطا کریگی اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دے گی۔

یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے اس کی تاریخ شاندار کارناموں سے بھرپور ہے، اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے ساتھ پورا پورا حصہ لیا ہے، ،،

ہماری قوم کی بہادری کے کارنامے فوجی تاریخ کی زینت ہیں، یہ وہ قوم ہے جس کے ارباب نظم و نسق نے ایسی روایات قائم کی ہیں جو زمانہ کی دست برد سے اب تک محفوظ ہیں، اس کے تخلیقی فنون میں شعر و شاعری، فن تعمیر اور "جمالیاتی ذوق" کے لئے اسے خراج تحسین ادا کیا گیا ہے روحانی عظمت کے لحاظ سے یہ قوم عدیم المثال ہے۔

توقعات اور امیدیں

اب پھر یہ قوم راہ عمل میں گامزن ہے اور اگر اسے ضروری مواقع میسر

آجائیں تو وہ اپنی شاندار کامیابیوں کی سابقہ عظیم الشان روایات کو ماند کر کے ان سے بھی بہتر کام کر دکھائے گی۔

یہ قرار داد مقاصد اس ماحول کے پیدا کرنے کی طرف پہلا قدم ہے، جس میں قوم کی روح پھر بیدار ہو جائے گی۔

ہم لوگوں کو قدرت نے قوم کی اس نشاۃ ثانیہ کے زبردست ڈرامہ میں حصہ لینے کے لئے خواہ وہ حصہ کتنا ہی حقیر اور غیر اہم ہو منتخب کیا ہے اور ہم ان زبردست گوناگوں مواقع سے جو ہمیں حاصل ہیں محو حیرت ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان مواقع سے خردمندی اور دوراندیشی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں، اور مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس اللہ کے فضل و کرم سے جس کی رحمت سے پاکستان قائم ہوا ہے ——— ہماری یہ کوششیں ہماری بڑی سے بڑی توقعات سے بڑھ چڑھ کر بارآور ہوں گی، بڑی قوموں میں اپنی میراث روز روز نہیں ملتی، قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا باب ہر روز نہیں کھلتا، اور ہر روز قدرت مظلوموں اور محکوموں کو نہیں ابھارتی، اور انھیں شاندار مستقبل کی طرف بڑھنے کی بار بار دعوت نہیں دیتی،

روشنی کی کرنیں افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں اور ہم اس تحریر کا اس قرارداد کی شکل میں خیر مقدم کرتے ہیں۔"

لذتِ تقریر!

دیکھنا تقریر کی لذت جو اس نے کہا!
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

لیاقت علی خاں کی اس تعارفی اور تمہیدی تقریر کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے ہر مرتبہ آپ محسوس کریں گے، یہ آواز، کرنال اور مظفر نگر کے نواب زادہ نئی دلی کی "گلِ رعنا" کے مکین با تمکین، اور ۱۰ وکٹوریہ روڈ کراچی کے "آنریبل پرائم منسٹر" کی نہیں، یہ آواز، آواز بازگشت ہے، اس نعرۂ مستانہ کی جو محمد علی جیسے مردِ قلندر نے بلند کیا تھا، جسے اقبال کے شعروں نے دنیا کے بام و در تک پہونچایا، جسے ابو الکلام کے الہلال مرحوم نے ایک نقش لازوال بنا کر قلبِ مسلمان میں مرتسم کر دیا تھا، جسے خود ابو الکلام نے فراموش کر دیا لیکن دوسروں نے یاد رکھا۔

یہ تقریر اپنی مقبولیت، افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنے اندر ایک وزن رکھتی ہے، اپنی ایک شان رکھتی ہے، اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتی ہے کہ محراب و ممبر سے کلمئہ مدح و تحسین کا غلغلہ بلند ہونے لگا!!

نکتہ چینیاں!

اس تقریر پر جہاں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے جذبات تبریک و ستائش پیش کئے وہاں چند مسلم اور اکثر غیر مسلم ممبروں نے حقیقت حال

کو سمجھے بغیر نہایت تند الفاظ اور مہیب آواز میں اس نکتہ چینیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا، قرارداد مقاصد، پاکستان کی اقلیتوں کے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے اور اس کے منظور ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ، پاکستانی اقلیتوں سے کہہ دیا گیا کہ وہ اگر اپنی جان و مال اور آبرو کا تحفظ چاہتی ہیں تو انھیں بوریا بستر اٹھا کر یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے اب پاکستان کی زمین اپنی لا انتہا وسعت کے باوجود ان کے لئے تنگ ہے ان کی سمائی یہاں نہیں ہو سکتی، یہ نکتہ چینیاں پاکستان کے رہنے والے اور پاکستانی وطنیت پر فخر کرنے والے ہندو ممبروں کی طرف سے ہوئیں۔

جواب لاجواب

لیاقت علی خاں نے یہ ساری نکتہ چینیاں خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کیں، پھر وہ نکتہ چینیوں کا جواب دینے اور اپنی آخری تقریر کرنے کھڑے ہوئے (۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء) کو

انھوں نے فرمایا:—

"میں نے اپنے معزز دوست لیڈر[۱] کانگرس پارٹی کی تقریر کامل توجہ کے ساتھ سنی، میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں گا وہ کامل احساس

---

[۱] جناب سرش چندر چٹوپادھیا، لیڈر کانگریس پارٹی، مشرقی بنگال کے عام حلقۂ انتخاب سے منتخب کئے گئے تھے۔

ذمہ داری اور مکمل خلوص کے ساتھ کہوں گا۔

حزبِ مخالف!

میں یہ نہیں چاہتا کہ جو باتیں سابق مقررین نے اپنی تقریروں میں بیان کی ہیں میں بھی انھیں کا اعادہ کرکے ایوان کا وقت ضائع کروں

زیرِ بحث قرارداد سے متعلق حزبِ مخالف کے اراکین نے بعض ترمیمات پیش کی تھیں اور میرا خیال تھا کہ میری جماعت کے بعض اراکین نے کامیابی کے ساتھ ان تمام شبہات کا ازالہ کر دیا، جن کا اظہار ترمیمات کی شکل میں کیا گیا تھا لیکن ایسے شخص کو کون قائل کر سکتا ہے جو قائل ہونا ہی نہ چاہے، لہٰذا میں پھر اس قرارداد کے منشا و مطالب پر روشنی ڈالنے اور حزبِ مخالف کی پیش کردہ ترمیمات کی لغویت کو دوبارہ ثابت کرنے کی سعی کرکے ایوان کا قیمتی وقت ضائع نہیں کروں گا۔

علماء سے ملاقات!

میرے معزز دوست، لیڈر کانگرس پارٹی نے چند علماء سے ملاقات فرمائی لیکن موصوف نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ علمائے مذکور موصوف سے استفادۂ علمی کرنے آئے تھے یا موصوف خود اس غرض سے ان علماء کے پاس تشریف لے گئے تھے۔

چلئے میں مان لیتا ہوں کہ حسبِ بیان موصوف لاہور سے چند علماء

اپنے آپ ان سے ملنے آئے تھے اور وہ اپنی کچھ مطبوعات انھیں دے گئے ہیں جسے دیکھ کر شائد میرے محترم دوست گھبرا گئے ہیں، جو بہت کم گھبرایا کرتے ہیں، میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ ملاقات کیوں کی گئی اور یہ لٹریچر انھیں کیوں دیا گیا، پاکستان میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو پاکستان کی تباہی و بربادی پر تلے ہوئے ہیں اور یہ نام نہاد علماء آپ سے اسی لئے ملنے آئے تھے کہ آپ کے دل میں پاکستانی مسلمانوں کی نیک نیتی کے متعلق شبہات پیدا کر دیں، خدارا ایسے شر انگیز پروپگنڈے کی طرف قطعی توجہ نہ دیجئے۔ میں اس تخریبی عنصر کو جو پاکستان کی بربادی پر تلا ہوا ہے متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اب ان کی حرکات کو ہرگز برداشت نہ کریں گے انھوں نے آپ کے سامنے اسلام کے صحیح نظریے کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے، اگرچہ وہ اسلام کے دوست اور حامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً اسلام کے "دشمن" ہیں۔

نام نہاد علماء!

میرے معزز دوست نے فرمایا کہ مذکورہ علماء کے خیال میں اس وقت نماز جمعہ نہیں ہو سکتی جب صدر حکومت کوئی غیر مسلم ہو۔

ابھی کل تک، لفظ کل، میں استعارۃً استعمال کر رہا ہوں، ہاں تو ابھی کل تک ہمارے ملک میں غیر مسلموں کی حکومت تھی، اس وقت کیا مسلمانوں کی نماز نہیں ہوتی تھی؟ کیا وہ نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے؟ کیا

آپ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس ملک میں نماز کبھی نہیں پڑھی؟ پھر کس طرح کوئی شخص آکر آپ سے یہ کہہ سکتا ہے اور کس قدر آسانی سے آپ ایسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں؟

اس ملک میں یا خود مسلمانوں میں چند لوگ سرپھرے موجود ہیں، تو کیا آپ ان کی باتوں پر یقین کرینگے یا ان باتوں پر جن میں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ایمان رکھتی ہے؟

مساوات!

میرے معزز دوست نے فرمایا کہ ہم مساوات کا ذکر کرتے ہیں اور مساوات کے بارے میں بھی ان نام نہاد علماء نے ان کو بہکا دیا ہے، کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں مساوات ممکن ہی نہیں، مجھے واقعی حیرت ہے کہ موصوف ایک پرانے تجربہ کار انسان ہونے کے باوجود مذکورہ شخصوں کی باتوں پر تو نہایت آسانی سے یقین کر لیتے ہیں اور انہیں سچ سمجھتے ہیں تو ان باتوں کو جو ہم اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے فاضل حضرات "اسلام کے متعلق ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

جناب میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب کوئی شخص کسی بات کو نہ ماننے کا تہیہ ہی کر لے تو اسے سمجھانے یا قائل کرنے کی کوشش ہی بے سود ہے۔

شر انگیز بیان!

میرے دوست نے فرمایا کہ مذکورہ نام نہاد علماء نے اُن سے کہا کہ ایک اسلامی مملکت میں، یعنی ایک ایسی مملکت میں جو اس قرارداد مقاصد کے مطابق قائم کی جائے"

___کوئی غیر مسلم صدر حکومت نہیں بن سکتا، یہ قطعی غلط ہے، آئینی حکومت کے ماتحت ایک غیر مسلم بھی ان محدود اختیارات کے ساتھ "صدر حکومت" بن سکتا ہے، جو دستور مملکت کی رو سے کسی شخص یا جماعت کو اس مملکت میں دیے جائیں، اس معاملہ میں علماء مذکورہی نے آپ کو یقیناً دھوکا دیا ہے۔

انتہائی صدمہ!

مجھے اپنے دوست کی تقریر کا آخری حصہ سن کر بے حد افسوس ہوا، اگر میرے دل میں موصوف کا اس قدر احترام نہ ہوتا اور ان کی نسبت یہ یقین نہ ہوتا کہ جو کچھ موصوف کہتے ہیں نیک نیتی سے کہتے ہیں تو یقیناً میں یہی کہتا کہ پاکستان کے کسی ذمہ دار شہری کے لئے ایسا بیان کرنا انتہائی شر انگیز تھا۔

موصوف نے قرارداد کی ترجمانی نہایت نامناسب طور پر کی ہے۔ انھوں نے اظہار خیال کرتے ہوے اس مملکت کے غیر مسلم باشندوں کو یہ بتانا چاہا کہ

اگر موجودہ قرارداد منظور ہوگئی تو ان کے لئے پاکستان میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ایک ایسے شخص سے جو سچا اور مخلص پاکستانی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرے۔ میں اپنے معزز دوست کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ غیر مسلموں کے حقوق کی سب سے بڑی ضمانت اگر کوئی ہوسکتی ہے تو محض اس قرارداد کی بدولت ہوسکتی ہے اور کسی طرح نہیں، لہٰذا میں اپنے دوست سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ غرض مندوں کی باتوں میں نہ آئیں، اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اپنے دل میں نہ لائیں کہ قرارداد سے صرف یہی مقصود ہے یا اس کا یہی نتیجہ ہوگا کہ غیر مسلم نکل جائیں یا پاکستان میں بقول اُن کے انھیں گھسیارے بنا کر رکھا جائے۔

اسلامی معاشرہ!

میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حقیقی اسلامی معاشرہ میں گھسیاروں کی طرح کا طبقہ بھی ذلیل نہیں سمجھا جاتا، کم سے کم درجہ کا آدمی بھی اسلامی معاشرہ میں ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ موصوف کے دل میں یہ خیال آخر پیدا کیوں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس معاشرہ میں میرے دوست نے پرورش پائی ہے وہاں ایسے مردود و مقہور انسان موجود ہیں جنہیں پیدائش سے ہی ذلیل سمجھا جاتا ہے اور جو اس ذلت میں مر جاتے ہیں لیکن ہیں اُنھیں

آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی معاشرہ یا اسلام میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہے،

جب ہم زبان سے عدل عمرانی کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مقصد عدل عمرانی ہی ہوتا ہے اور ہم جب جمہوریت کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری مراد واقعی جمہوریت سے ہوتی ہے، اگرچہ میرے دوست کا نظریہ الگ ہے جیسا کہ انھوں نے مذکورہ نام نہاد علماء کے حوالے سے بیان کیا کہ اسلام کو جمہوریت سے کوئی واسطہ نہیں اسلام کے بڑے سے بڑے مخالف نے بھی ایسی حیرت انگیز بات نہیں کہی بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ساری دنیا کے غیر مسلموں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صرف اسلامی معاشرہ ہی ایسا ہے جہاں صحیح معنوں میں جمہوریت موجود ہے۔

ایک اور اعتراض!

میرے معزز دوست نے یہ بھی فرمایا ہے کہ،، کیا پاکستانی صرف ہندو ہیں یا صرف مسلمان؟ میں کہتا ہوں کہ دونوں ہی پاکستانی ہیں، پاکستان میں ہندو بھی ہیں مسلمان بھی ہیں اور ہم سب ہی پاکستانی ہیں، تو اس بیان میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا، آپ ہندو اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی کسی مملکت کے شہری ہو سکتے ہیں، اور آپ کے حقوق، آپ کی مراعات اور آپ کی ذمہ داریاں مساوی ہو سکتی ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا اس میں کیا دشواری ہے، میرے دوست کا بیان ہے کہ سال گزشتہ جب وہ انگلستان اور یورپ گئے تو موصوف کو ممالک مذکور

کے باشندے مسلمان ہی سمجھتے تھے اور انھیں پاکستان میں کسی غیر مسلم کے ہونے کا یقین ہی نہ آتا تھا۔

یہ پاکستان کا قصور نہیں بلکہ یہ معزز دوست کے سابقہ دوستوں اور رفقائے کار کا قصور ہے۔ یہ غلط فہمی اس پروپگنڈے کا نتیجہ ہے جو تمام دنیا میں اس خاص مسئلے سے متعلق پاکستان کے خلاف وہ ہمیشہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ پاکستان میں غیر مسلم نہیں ہیں یا یہ کہ وہ پاکستان میں غیر مسلموں کا رہنا پسند نہیں کرتے۔

اے کاش!

سچ پوچھئے تو ہماری یہ تمنا ہے کہ جو حقوق و مراعات ہم نے پاکستان میں اقلیتوں کو دیے ہیں، کاش ہمارا ہمسایہ ملک ہندوستان بھی وہی مراعات و تحفظات وہاں کی مسلم اقلیت کو عطا کر دیتا، یہاں ہم آپ کی مذہبی آزادی، ثقافتی ترقی اور قوانین شخصی کے احترام کی نیز مساوی مواقع ترقی اور قانون کی نگاہ میں برابری کی ضمانت کر رہے ہیں۔ اس طرف وہاں کیا کیا گیا ہے؟ ثقافتی حقوق تو درکنار، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے شخصی قانون تک کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کیا معزز رکن حقیقتاً یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی پاکستان میں اسی طرز کی مملکت بنا دوں جس طرز کی مملکت ان کے سابق دوست ہندوستان میں بنا رہے ہیں؟ کیا واقعی وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہندوستان میں کیا جا رہا ہے میں بھی یہاں وہی کروں؟ ہرگز میں ایسا نہ کروں گا، میں ایسی مملکت

چاہتا ہوں جہاں ہر فرقہ اپنے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی رکھتا ہو، اور جہاں اُسے اکثریت کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔

فتنہ انگیز!

میرے معزز دوست نے اپنی تقریر کے آخری حصہ میں فرمایا ہے جسے میں اُن کی تقریر کا فتنہ انگیز حصہ کہتا ہوں، میں سخت الفاظ استعمال کرنے کا عادی نہیں ہوں، لیکن میرے دوست مجھے معاف فرمائیں گے، کیونکہ میں اس موقع پر سخت الفاظ استعمال کرنے کے لئے مجبور ہوں، انھوں نے کہا ہے کہ "بنگال میں ایک فرقہ حکومت کر رہا ہے، اور غیر مسلموں کی حالت قابل رحم ہے" کیا میں اُن سے دریافت کر سکتا ہوں کہ وہاں اس فرقہ وارانہ حکومت کے لئے کون ذمہ دار ہے؟ کیا ہم نے غیر مسلم افسروں کو سرکاری ملازمتوں سے علیحدہ کیا ہے؟ کیا یہ اس سازش کا ایک حصہ نہ تھا کہ پاکستان کے نظم و نسق کو بے کار و معطل کر دینے کے لئے تمام غیر مسلموں کی خدمات ہندوستان کے لئے پیش کرائی گئیں؟ اور ان کو پاکستان کی خدمت سے روکا گیا؟ پاکستان کے نظم و نسق میں غیر مسلموں کا ہاتھ نہیں تو کیا یہ میرا قصور ہے؟

مجھے امید ہے کہ رفتہ رفتہ پاکستانی ملازمتوں میں غیر مسلم داخل ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے اپنی ملازمتوں کے دروازے ہر مسلم و غیر مسلم کے لئے یکساں طور پر کھول رکھے ہیں۔

اعتراض اور جواب!

میرے معزز دوست، جناب بی سی منڈل[2] نے فرمایا کہ اس قرارداد کے پیش کرنے پر آنے والی نسلیں مجھے کوسا کریں گی۔ میں اپنے دوست کو مطلع کردینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم پاکستان کو قرارداد مذکور کے اصولوں پر تعمیر کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ہم ایسے حالات پیدا کرسکیں گے کہ آنے والی نسلیں کوسنے کے بجائے ہمیں دعائیں دیا کریں گی۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر دنیا کی یہی رفتار رہی جو اب ہے تو دعا یا بد دعا دینے کے لئے آئندہ نسلوں کا وجود ہی باقی نہ رہے گا۔

بنیادی فرق!

ہمارے نقطۂ نظر میں اور دیگر ممالک کے نقطۂ نظر میں اور اُن لوگوں کے نقطۂ نظر میں جو ہماری مخالفت کررہے ہیں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہمیں اس امر کا احساس ہے کہ دنیا کو آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ خالص اور محض مادیت ہی نہیں بلکہ دنیا کو روحانی و اخلاقی قدروں کی ضرورت ہے۔ تمام نام نہاد ترقی یافتہ ممالک

---

[2] جناب بیرت چندر منڈل کانگرس پارٹی کے ایک رکن ہیں اور مشرقی بنگال کے عام حلقہ کی طرف سے منتخب کئے گئے تھے۔

میں آج انسانی ذکاوت اور انسانی علم سے صرف نوع انسان کو تباہ و برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے

میرے معزز احباب بھی اس بات سے خوب واقف ہیں کہ بڑی بڑی اقوام آج کیا کر رہی ہیں؟ وہ آئے دن تباہی و بربادی کے زبردست سے زبردست ہتھیار ایجاد کر رہی ہیں، ہم محسوس کرتے ہیں کہ دیگر ممالک کے دساتیر کی طرح پاکستانی دستور حکومت بنا کر ہم دنیا کے امن و امان میں کوئی اضافہ نہ کر سکیں گے۔ آپ کا دستور حکومت اِس طرز کا ہوگا یا اُس طرز کا ہوگا، آپ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے اقوام عالم کے ایک جتھے کی مدد کریں گے یا دوسرے جتھے کی، نتیجہ یہ کی تباہی ہوگا۔

ہم جس بات کی کوشش کر رہے ہیں اور جس بات کا ہم کو یقین ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں کم از کم اس امر کی کوشش کر کے دیکھنا چاہئے کہ آیا ہم دنیا کے سامنے کوئی ایسی چیز پیش کر سکتے ہیں جو اس کو تباہی سے بچا سکے۔

بڑی اُمنگ!

میں یہ جانتا ہوں کہ یہ بہت بڑی اُمنگ ہے، یہ ایسی بات ہے کہ بعض لوگ خیال کریں گے اور کہیں گے کہ آپ کا یہ دعویٰ "چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے" لیکن اہل پاکستان بھی بہت بڑی قوم ہیں، چنانچہ

کسی بڑی قوم کے حوصلے اور اُمنگیں بھی بڑی ہونی چاہئیں، اور مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اس قرارداد کے اصولوں کے مطابق ۔ یانت داری اور خلوص کے ساتھ پاکستان کی ترقی و تعمیر کے لئے کام کرتے رہے تو ہم کامیاب ہو کر رہیں گے۔

کسی شاعر نے کہا ہے "محبت کرنے کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان کسی سے محبت ہی نہ کرے"

اور میں کہتا ہوں:-

"کوشش کرنے کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ کسی کام کے لئے سرے سے کوشش ہی نہ کی جائے۔"

حزب مخالف سے خطاب:

میں اپنے اُن احباب کو جو ہمارے مقابل تشریف فرما ہیں ایک مرتبہ پھر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ خواہ وہ ہم پر یقین کریں یا نہ کریں جب تک آپ پاکستان میں موجود ہیں ہم آپ کی بہبود کی خاطر صرف اس لئے کہ ہمارے مذہب کا یہی حکم ہے اور محض اس لئے کہ ہم مملکت پاکستان کی بنیاد مادیت کے بجائے اخلاقیات اور زندگی کی بالاتر قدروں پر قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہر ممکن کوشش کرتے رہیں گے۔

میں اپنے دوست لیڈر کانگرس پارٹی سے کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے ان کے جذبات کا پورا احساس ہے، میں جانتا ہوں کہ ان کے جذبات کیا ہیں، لیکن ساتھ ہی میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہم پر اعتماد کریں ....

اس بات کو ثابت کرنے کا موقع دیں کہ جو کچھ ہم زبان سے کہہ رہے ہیں وہی ہم کر کے دکھائیں گے۔

بڑا ملک!

پاکستان ایک بڑا ملک ہے، یہ ایک نہایت ہی دولت مند ملک ہے، میرے خیال میں بعض احباب یہ خیال کر رہے ہوں گے کہ میں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں، میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی ملک کی سب سے بڑی دولت اس کے لوگ ہوتے ہیں اور ہمارے ملک کے لوگ نہایت ہی قابل تعریف ہیں، ہماری قوم ایک حیرت انگیز قوم ہے، مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر اسے موقع دیا جائے اور موزوں ماحول مل جائے تو ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب تمام عالم انسانیت اس بات پر ہمارا ممنون ہوگا کہ

ہم نے ایک ایسی چیز بنا ڈالی جو امن عالم اور فلاح انسانی کا موجب ہوئی اور جس نے عالم انسانیت کو خودکشی سے بچا لیا (چیرز اور مسلسل نعرہ ہائے تحسین)

اور بالآخر یہ تحریر ختم ہو گئی۔!

سٹیل اور لیاقت!

• لیاقت علی خاں کی یہ جوابی تقریر جتنی شاندار، اور معرکۃ آرا تھی

اس پر کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، لیکن اس جگہ میں ایک دلچسپ تقابل پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آزادی ہند کے معاً بعد جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا پہلا اجلاس نئی دلی میں شان وشکوہ اور جاہ وتجمل کے ساتھ منعقد ہوا تو انڈین کانسٹیٹیوٹ اسمبلی کے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چودھری خلیق الزماں نے ایک نہایت ہی شریفانہ اور سرتاسر وفادارانہ تقریر، ایک ہندوستانی مسلمان کی حیثیت سے کی اور ترنگے جھنڈے کے احترام اور وفاداری کا پورا پورا یقین دلایا۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل اس اعلان وفاداری سے چڑھ گئے وہ اپنی ناگواری طبع ضبط نہ کرسکے جھلائے ہوئے اٹھے اور انھوں نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ بآواز بلند او. بانگ دہل فرمایا —— "میں کسی طرح بھی یہ بات نہیں مان سکتا کہ کل تک جو لوگ ترنگے جھنڈے کے مخالف اور ملک کے غدار تھے وہ صرف رات بھر میں وفادار بن جائیں گے! ——"

حقیقت میں وہ تقریر دلپذیر تھی جس نے بتا دیا کہ اب مسلمانوں کی خیریت نہیں، چنانچہ اس کے بعد مشرقی پنجاب میں، دلی میں، اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں مسلمانوں پر جو کچھ گزری وہ تاریخ شقاوت کا ایسا واقعہ ہے جسے دنیا لاکھ فراموش کرنے کی کوشش کرے مگر نہ کرسکے گی۔

یہ تو ہوئی پٹیل صاحب کی عالی ظرفی،!

اب لیاقت علی خاں کو دیکھئے۔ پاکستان کی مجلس دستور ساز میں اب تک کانگرس پارٹی قائم ہے، کانگرس نے مسلم لیگ کی جس طرح مخالفت کی۔ پاکستان کو عالم وجود میں آنے سے جس طرح روکنے کی سر توڑ کوشش کی اور پاکستان بننے کے بعد اُسے زیر و زبر کرنے کی جن "مساعی جمیلہ" کا مظاہرہ کیا وہ ایک معمولی اخبار بین سے بھی پوشیدہ نہیں،

اسی کانگرس پارٹی کے لیڈر، سرتش چندر چٹو پادھیا اپنی تقریر میں نہایت سخت اور درشت الفاظ میں لیاقت علی خاں پر، پاکستان پر حرمت پاکستان پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں، قرارداد مقاصد کی تلخ اور ترش لہجہ میں سخت ترین مخالفت کرتے ہیں مگر لیاقت انھیں غدار نہیں کہتا، ان کا احترام کرتا ہے اور انھیں جواب دیتے ہوئے اس بارے میں کہتا ہے۔

"اگر میرے دل میں موصوف کا اس قدر احترام نہ ہوتا، اور ان کی نسبت یہ یقین نہ ہوتا کہ موصوف جو کچھ کہتے ہیں، نیک نیتی سے کہتے ہیں تو یقیناً میں یہی کہتا کہ پاکستان کے کسی ذمہ دار شہری کے لئے ایسا بیان کرنا انتہائی شر انگیز تھا،!"

اور پھر آخر میں حزب مخالف کے اس لیڈر کو مخاطب کر کے اپیل کرتے ہیں،!

"میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہم پر اعتماد کریں، وہ ہمیں اس بات کو ثابت کرنے کا موقع دیں کہ جو کچھ ہم زبان سے کہہ رہے ہیں وہی ہم کر کے دکھائیں گے!"

اگر اس قسم کے الفاظ جواہر لال، یا پٹیل نے اسمٰعیل خاں، یا خلیق الزماں کو مخاطب کر کے مسلم قوم سے کہے ہوتے تو کیا ہندوستان کی تاریخ آج کچھ اور نہ ہوتی؟

ایک اور فرق!

اپنی اس تقریر میں ہندوستان کے بدبخت مسلمانوں، اور حکومت ہند کی تصدیوں کا ذکر کرنے کے بعد لیاقت علی خاں نے کہا۔

"کیا معزز رکن (ریجیٹو یادھیا) یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی پاکستان میں اسی طرز کی مملکت بناؤں جس طرز کی مملکت ان کے سابق دوست ہندوستان میں بنا رہے ہیں؟

ہندوستان میں مسلمانوں کے شخصی قانون (پرسنل لاء) تک کو تسلیم نہیں کیا جاتا، کیا وہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہندوستان میں کیا جا رہا ہے میں بھی یہاں وہی کروں؟ —————— ہرگز میں ایسا نہ کروں گا، میں ایسی مملکت چاہتا ہوں جہاں ہر فرقہ اپنے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی رکھتا ہو۔ اور جہاں اُسے اکثریت کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔"

ان الفاظ کو پھر پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ جواہر لال نے اپنی مشہور عالم بے تعصبی اور رواداری کے باوجود کبھی اس طرح مسلمانوں کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔؟
کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

باب ۱۴

لیاقت نہرو پیکٹ!
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے

سنہ ۱۹۵۰ء کے آغاز میں مغربی بنگال آسام، تری پورہ اور مشرقی بنگال میں ہندو مسلم فساد کا بے پناہ اور لرزہ خیز طوفان پھوٹ پڑا۔ یہ فساد اپنی شقاوت اور سفاکی میں اس قتل عام سے بہت ملتا تھا جس کا سنہ ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں اور سکھوں نے مشرقی پنجاب میں ایکا کرکے کیا گیا تھا۔

بدقسمت مسلمان!

ہندوستان کے فسادات میں جب سے انگریز گئے ہیں کوئی ندرت نہیں رہ گئی ہے، یہ روزمرہ کا واقعہ بن گیا ہے، حکومت سے ذرا شکایت ہوئی اور جنتا نے مسلم عوام پر اپنا غصہ اتارا، پاکستان کی کوئی بات طبع نازک پر گراں ہوئی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے قتل عہب

کا سلسلہ شروع ہوگیا، دلی اور مشرقی پنجاب اور گڑھ مکتیشور اور بہار کے مسلمانوں کے قتل عام کے بعد بھی مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ اطراف و اکناف ہند میں جاری رہا۔ اجمیر کے مسلمانوں کو بغیر کسی خطا اور قصور کے قتل کیا گیا، ان کی جائدادیں برباد کر دی گئیں، دولت لوٹ لی گئی اور انھیں پاکستان کی طرف کھدیڑ دیا گیا۔ گودھرا کے مسلمانوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن ان کے مکانات کو نذر آتش کر دیا گیا اور وہ مجبور ہوے کہ پاکستان کا رخ کریں،

جھگڑا حکومت اور طلبا میں ہوا لیکن گوالیار کے سورماؤں نے نزلہ مسلمانوں پر اتارا، ان کی دوکانیں لوٹ لیں، جو سامنے آیا قتل کر دیا گیا جس کا گھر نظر پڑا نذر آتش کر دیا گیا۔

فیض آباد کے قصبہ اجودھیا کی عظیم الشان مسجد بابری پر قبضہ کرلیا گیا، اس کے اندر مورتیاں رکھ دی گئیں۔ اذان کی ممانعت کر دی گئی، پوجا پاٹ کا سلسلہ شروع ہوگیا، لیکن ہندوستان کی سکولر حکومت ایک بے بس اور غیر جانب دار تماشائی کی طرح یہ منظر دیکھتی رہی آخر ایک ہندو واگشٹے برہم چاری کو غیرت آئی اور انھوں نے نعرہ لگایا کہ مسجد مسلمانوں کو دے دینی چاہئے۔ برہم چاری جی کا مذاق اڑایا گیا، اور مسلمانوں کی مرمت شروع ہوگئی حالانکہ وہ پورے صبر کے ساتھ یہ تماشا دیکھ رہے تھے

بریلی، شاہجہاں پور اور سہارن پور کے مسلمان، مانے ہوے

دبنگ مسلمان تھے ان کی آن بان، ان کی شان، ان کا رعب و داب ان کا شکوہ و طنطنہ ساری دنیا کو تسلیم تھا، لیکن جب فوج کی کمان اور پولیس کے نظام ہندو کے ہاتھ میں آیا تو ان مقامات کے مسلمانوں کو صرف اس لئے پیٹا گیا کہ وہ جان لیں اب دنیا بدل چکی ہے، اب ان کا ہاتھ نہیں اٹھ سکتا۔ ان پر ہاتھ اٹھے گا اور اٹھتا رہے گا۔

نانوتہ کا واقعہ!

نانوتہ یوپی کا وہ متبرک مقام جہاں مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند پیدا ہوئے، ابھی ۵۱ء کے آخر کا واقعہ ہے کہ وہاں کے ایک عالم بزرگ شخص جو نانوتہ کانگرس کے صدر بھی ہیں اور جن کا نیشنلزم دودھ کی طرح پاک اور بے داغ ہے، ان کی بھانجی کو رات کی تاریکی میں پہلے سے اطلاع دے کر چیلنج کر کے اغوا کیا گیا، بوڑھی ماں نے مزاحمت کی تو اسے گولی کا نشانہ بنایا گیا، یہ لڑکی دوبارہ اغوا کی گئی اس سے قبل فسادات کی وبائے عام میں اغوا کی گئی تھی، اب کئی سال کے بعد برآمد ہوئی، بوڑھی ماں نے کلیجہ سے لگایا، لیکن ابھی اس کی آنکھیں اپنی بیٹی کے دیدار سے جی بھر کے سیر بھی نہ ہوئی تھیں کہ وہ مسلمان زادی پھر اغوا کر لی گئی اور ماں مار ڈالی گئی اور اب تک ملزموں کا سراغ نہ لگ سکا۔ مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا حسین احمد کی فریاد بھی رائگاں گئی، پنت جی وزیر اعظم یوپی سے خود حفظ الرحمٰن صاحب ملے۔

اُنھوں نے اظہارِ ہمدردی تو کیا مگر اس کے آگے کچھ نہ کر سکے، پنڈت نہرو سے فریاد کی گئی، وہ بھی بہت جزبز ہوئے، لیکن ملزم اب تک داد عیش دے رہے ہیں، بلکہ اب تو وہ ان لوگوں کو دھمکی بھرے خطوط لکھنے لگے ہیں، جو انصاف کے لئے چیخ رہے ہیں۔ الجمعیۃ کے تازہ شمارہ (مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۱ء) میں اس پر ایک شذرہ بھی لکھا گیا ہے جو یہ ہے:۔

قتل اور اغوا کے بعد!

نانوتہ میں مسلم گھرانے کو جو افسوسناک حادثہ پیش آچکا ہے اس سے قارئین کرام ضرور واقف ہوں گے، یعنی پہلے ایک مسلم لڑکی کا اغوا ہوا جب وہ برآمد کرلی گئی تو اس کے ورثاء کو دھمکی دی گئی کہ وہ ضرور دوبارہ اغوا کی جائے گی۔

ان خطوں سے پولیس کو آگاہ کیا گیا مگر اس نے ان پر کوئی توجہ نہ دی اور بالآخر یہی ہوا کہ بدمعاش لڑکی کے مکان میں گھس گئے اسکی والدہ کو قتل کیا اور لڑکی کو اٹھا کر غائب ہوگئے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس واقعہ سے یوپی اور مرکزی گورنمنٹ کو مطلع کیا جس پر پولیس نے کچھ حرکت کی اور گو ابھی تحقیقات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا لیکن غنڈوں کی طرف سے پیروی کرنے والوں کے نام دھمکی آمیز خطوط آنے شروع ہوگئے۔ چنانچہ ایک خط کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

..میں آپ لوگوں کو گولڈن چانس (زریں موقع) دیتا ہوں کہ تم ٹھیک ہوجاؤ ورنہ اس کا نتیجہ تم لوگوں کو بری طرح بھگتنا پڑے گا، تمھاری لڑکی جس کا نام پہلے مسعودہ تھا، اب اس کا نام پرکاش کور ہے اور اس کو لے جانے والے میرے پاس ہیں، اگر آپ کی ہمت پڑتی ہے تو میرے پاس سے آکر لیجاؤ اور اُن کے والدین کو تنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر ان کو تنگ کرو گے تو یاد رکھو کہ تمھارے خاندان کا بیڑا ہندوستان سے اٹھا دوں گا پہلے چٹھیوں پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تم نے دیکھ لیا ہے، اگر اس چٹھی پر بھی عمل نہ کیا تو اس کا نتیجہ اس سے بھی برا ہوگا وغیرہ وغیرہ

معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس چٹھی کی نقل یوپی کے وزیر اعظم کے پاس بھیجدی ہے، ہمیں بہت افسوس ہوگا اگر حکومت نے اس سازش کا سُراغ نہ لگایا اور اقلیت کے افراد کو مطمئن نہ کیا، ضرورت ہے کہ حکومت دھمکی دینے والوں کو بھی کھود کر نکالے اور یہ ثابت کرے کہ وہ خود بھی جمہوریت کے تقاضوں سے واقف ہے اور اقلیت کی حفاظت سے غافل نہیں ہے — (الجمعیۃ ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

بہرحال ہندستان میں اس قسم کے واقعات ہوں تو وہ جائز ہیں۔ پاکستان کو کوئی حق نہیں کہ وہ بازپرس کرے، تحقیق احوال کرے ان کے ورک تھام کا مطالبہ کرے، اس لیے کہ وہ ایک غیر ملک ہے اور کوئی غیر ملک کسی دوسرے ملک کے اندرونی واقعات وحالات میں مداخلت نہیں کرسکتا۔

فسادِ بنگال!

لیکن اگر پاکستان میں کسی ہندو کی نکسیر پھوٹے تو مگر جی کو حق ہے کہ وہ الحاق پاکستان کا مطالبہ کریں، پٹیل صاحب کو حق تھا کہ وہ پاکستان سے ہندو مہاجرین کے بسانے کے لیے زمین طلب کریں اور پنڈت نہرو کو حق ہے کہ وہ جنگ کی دھمکی دیں۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

جب آسام میں مسلمانوں کو کشتۂ ستم بنایا گیا، ریاست تری پورہ کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا گیا اور خاص کلکتہ کے مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں لوٹا گیا، قتل کیا گیا، ہلاک اور برباد کیا گیا، تو ایک آواز بھی سارے ہندوستان سے ان کی حمایت و ہمدردی میں نہیں بلند ہوئی، اور جب مشرقی پاکستان میں ردعمل اس قتل و نہب کا شروع ہوا تو فریاد و الغیاث کا شور بلند ہونے لگا، کلکتہ کے حالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بنگال چیمبر آف کامرس کے انگریز صدر مسٹر کیمرن اپنی کار میں اپنے مسلمان چپراسی کے ساتھ جا رہے تھے، مسلمان کو دیکھتے ہی ہندوؤں کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اسے وہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور جب مسٹر کیمرن نے اس وحشیانہ حرکت کی مزاحمت کی تو انھیں بھی اسی جگہ قتل کر دیا گیا۔

مشرقی بنگال کا فساد!

ظاہر ہے، یہ واقعات بڑے انسانیت سوز تھے، افسوس ہے کہ اس صورت میں ان کا ردعمل مشرقی بنگال میں بھی ہوا۔

انسان ہوں پیمانہ و ساغر نہیں ہوں میں

بس قیامت کبریٰ اور صغریٰ کا بیک وقت ظہور ہو گیا۔ عجیب عجیب نعرے نکلنے لگے۔ حد یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال جیسا انسان بھی جذبات کی رو میں بہ گیا اور جنگ و جدل کی باتیں کرنے لگا۔

سمجھدار انسان!

طوفان اور شورش کے اس سارے دور میں، صرف ایک شخص ـــــــ لیاقت علی خان ـــــــ تھا، جو خاموشی سے یہ دل فگار اور دل دوز مناظر دیکھ رہا تھا، وہ بھی انسان تھا، وہ بھی مسلمان تھا، اس کے سینہ میں بھی دل تھا، اور وہ مسلمانوں کے کشت و خون پر خون کے آنسو رو بھی رہا تھا، لیکن اس کی زبان پر قفل لگا ہوا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس وقت جوش میں بہہ جانا تقاضائے دانش نہیں ہے، وہ جانتا تھا اس کے الفاظ کی کیا قیمت ہے اور اگر اسکے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا، جو مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے والا ثابت

ہوا تو قیامت آ جائے گی۔

نہرو کی دعوت!

سارے پاکستان میں، مغربی بنگال کے انسانیت سوز حوادث پر غم و غصہ کی لہر دوڑ رہی تھی، مسلمانوں کے جوشِ جذبات کا وہ عالم تھا کہ الفاظ اس کی ترجمانی نہیں کر سکتے، اور عین اسی حالت میں پنڈت جواہر لال نہرو کا دعوت نامہ پہونچا، کہ دلی تشریف لائیے تاکہ بنگال کے خون فشاں حوادث پر ہم دوستانہ ماحول میں غور و خوض کر کے کسی نتیجہ پر پہونچ سکیں۔

دعوت منظور!

کوئی اور وقت ہوتا تو لیاقت علی خاں نے یہ دعوت مسترد کر دی ہوتی لیکن یہ ہندوستانی مسلمانوں کی موت و زیست کا سوال تھا، یہاں سوال ذاتی وقار اور خودداری کا نہیں تھا، قوم کے تحفظ اور ہم مذہبوں کی جان و مال کا تھا۔
بے تامل لیاقت علی خاں نے جواہر لال کی دعوت قبول کر لی۔

اس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!

پاکستان کے مسلمانوں نے لیاقت علی خاں کے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا، انھوں نے احتجاج کیا، جلسے کئے، تجویزیں منظور کیں، اور لیاقت علی خاں پر زور ڈالا کہ وہ اپنا ارادہ بدل دیں، اس جلتی ہوئی آگ میں نہ کودیں، دلی کا سفر ملتوی کر دیں۔

لیکن لیاقت علی خاں کو اپنی زندگی عزیز نہیں تھی، جہاں قوم کا وقار درپیش ہو وہاں لیاقت علی خاں ———— ایک فرد قوم ———— کی زندگی کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے، لیاقت علی خاں نے خلوص اور محبت سے بھرے ہوئے احتجاج کو ٹھکرا دیا اور دلی روانہ ہو گئے (۲؍اپریل ۱۹۵۰ء)

دلی میں لیاقت علی خاں کئی روز تک مقیم رہے، اور ہر روز کئی کئی بار ان کے اور سردار پٹیل، جواہر لال نہرو اور دوسرے اصحاب کے مابین تبادلۂ افکار کا سلسلہ جاری رہا۔

معاہدہ پر دستخط!

اور بالآخر ۸؍اپریل ۱۹۵۰ء کو نئی دلی میں ایک معاہدہ پر پنڈت جواہر لال، اور لیاقت علی خاں نے دستخط کر دیے، جو صحافی دنیا میں "معاہدۂ دلی" یا "لیاقت نہرو پیکٹ"، کے نام سے مشہور ہے۔

اس معاہدہ نے منافرت کی وہ بھڑکتی ہوئی آگ دفعتہً بجھا دی جس نے مغربی اور مشرقی بنگال کے خرمن امن کو جلا کر خاکستر کر دینے میں کوئی

کر نہیں اٹھا رکھی تھی، نیز مہاجرت اور ترک وطن کا وہ نہ رکنے والا سلسلہ دفعتہً کمزور پڑ گیا، جس نے مغربی بنگال سے مسلمانوں کو اور مشرقی بنگال سے ہندوؤں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا، یہ لیاقت علی خاں کے تدبر و فراست دوستی، اور عالی ظرفی کا ایسا شاہکار ہے جو تاریخ کا جز بن چکا ہے، او جسے زمانہ کی گردش بھی کبھی محو نہیں کر سکے گی۔

قوم سے خطاب!

۱۰ اپریل ۱۹۵۰ء کو لیاقت علی خاں نے ریڈیو پاکستان سے ایک اہم اور سحر آرا تقریر نشر کی جس میں اس معاہدہ کے پس منظر اور پیش منظر پر سنجیدگی کے ساتھ روشنی ڈالی۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تقریر اور معاہدہ کے خاص خاص اجزا پیش نظر ہیں۔

لیاقت علی خاں نے کہا:-

اس معاہدے کے دو پہلو ہیں۔ پہلے پہلو کا تعلق عام طور پر ان مسائل سے ہے جن کا مقابلہ دونوں ممالک کی اقلیتوں کو کرنا پڑ رہا ہے، یعنی یہ کہ ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور ایسی تدابیر اختیار کرنا جن کی وجہ سے دونوں ممالک میں فرقہ وارانہ فسادات کا سدباب کیا جا سکے۔ دوسرے پہلو کا تعلق ان خاص مسائل سے ہے جن کا سامنا مغربی بنگال، آسام، تریپورہ اور مشرقی پاکستان

پاکستان و ہندوستان کے وزراء اعظم معاہدے پر دستخط کر رہے ہیں

عالم اسلام کی دو جلیل القدر ہستیاں
مفتی اعظم فلسطین
لیاقت علیخاں

ایک یادگار تصویر
لیاقت علی خاں
علوبہ پاشا سفیر مصر

کی اقلیتوں کو کرنا پڑ رہا ہے یعنی یہ کہ اقلیتوں کے دل ودماغ سے خوف و ہراس دور ہونا اور جا چکے ہیں ان کو ان کے گھروں میں واپس بلانے کے لئے اعتماد بحال کرنا اور موجودہ انخلا کو روکنا۔"

اقلیتوں کا تحفظ!

جہاں تک پہلے پہلو کا تعلق ہے اس معاہدے کے شروع میں اقلیتوں کے متعلق یہ اعلان کیا گیا ہے:-

"ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں پورے خلوص اور دیانتداری کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں کہ وہ اپنے علاقوں میں اقلیتوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت حقوق شہریت میں مکمل مساوات، زندگی، املاک، تہذیب اور ذاتی عزت و ناموس کے تحفظ اور ملک کے اندر آمد و رفت کا حق، نیز قانون اور اخلاق عامہ کی حدود میں پیشے، تقریر اور عبادت کی آزادی دیں گے۔ اکثریت کے ساتھ اقلیتوں کے افراد کو بھی مساوی طور پر یہ موقع حاصل ہوگا کہ وہ اپنے ملک کی پبلک زندگی میں حصہ لیں، سیاسی اور دیگر قسم کے عہدے حاصل کر سکیں اور انھیں اپنے ملک کی شہری اور فوجی ملازمتوں میں جگہ مل سکے۔ دونوں حکومتیں اعلان کرتی ہیں کہ یہ بنیادی حقوق ہیں اور اس بات کا ذمہ لیتی ہیں کہ ان پر موثر طریقہ سے عمل درآمد کیا جائے گا۔ ہندستان

کے وزیر اعظم نے اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ ہندستان میں دستور کی رو سے تمام اقلیتوں کو ان حقوق کی ضمانت دیگئی ہے، وزیر اعظم پاکستان نے کہا کہ ایسی ہی دفعہ قرارداد مقاصد میں موجود ہے جسے پاکستان کی مجلس آئین ساز منظور کر چکی ہے دونوں حکومتوں کی پالیسی ہے کہ اپنے تمام باشندوں کو کسی امتیاز کے بغیر یقین دلایا جائے کہ وہ جمہوری حقوق سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

وفاداری کس کی؟

معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ:۔

"دونوں حکومتیں اس امر پر زور دینا چاہتی ہیں کہ اقلیتیں اس ملک کی وفادار ہیں جس کی شہریت انھیں حاصل ہے اور انھیں اپنی شکایات کے ازالہ کے لئے اپنی حکومت ہی سے رجوع کرنا چاہئے۔"

اہم نکات!

جہاں تک دوسرے پہلو کا تعلق ہے، معاہدہ میں ایک دفعہ رکھی گئی ہے جس کے مطابق مغربی بنگال، آسام، تری پورہ اور مشرقی بنگال کے فساد زدہ علاقوں کے اندر انخلا کرنے والوں کو نقل و

حرکت کی آزادی ہوگی اور اگر وہ چاہیں تو سنہ ۱۹۵۰ء کے آخر تک اپنے گھر واپس جا سکتے ہیں، انھیں آباد کیا جائے گا۔ اور ان کے حقوق مالکانہ کا تحفظ کیا جائے گا۔ اس معاہدے کے اہم نکات یہ ہیں:-

اس معاہدے کا اطلاق اُن انخلا کنندگان پر ہوتا ہے جو مشرقی بنگال سے ہندوستان کے کسی حصہ میں جا چکے ہیں یا روانہ ہونے والے ہیں، وہ انخلا کنندگان بھی اسی معاہدے کے تحت آتے ہیں جو مغربی بنگال، آسام اور تری پورہ سے پاکستان کے کسی حصہ میں آئے ہیں، وہ انخلا کنندگان بھی اسی ضمن میں آتے ہیں جو حالیہ ہنگاموں کے دوران میں یا ان سے قبل لیکن ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد روانہ ہوئے ہیں اور وہ لوگ بھی جو بہار سے مشرقی بنگال آئے ہیں۔

ا۔ مغربی بنگال، آسام، تری پورہ اور مشرقی بنگال کے انخلا کنندگان کو نقل و حرکت کی آزادی ہوگی اور دوران سفر میں ان کی حفاظت کی جائے گی، انھیں یہ بھی اجازت ہوگی کہ وہ اپنے ہمراہ جس قدر منقولہ املاک یا زیورات لے جانا چاہیں لے جائیں۔

ب۔ ہر ایک بالغ انخلا کنندہ ڈیڑھ سو روپیہ اور بچہ ۷۵ روپے اپنے ہمراہ لے جا سکتا ہے۔

ج۔ وہ زر نقد یا زیورات جنھیں انخلا کنندہ چھوڑنا چاہتا ہے انھیں حفاظت کے لئے بینک میں رکھا جاسکتا ہے۔

د۔ کسی انخلا کنندہ کو کسٹم کے افسران پریشان نہ کریں گے۔

س۔ انخلا کنندہ کی کسی غیر منقولہ جائداد کے مالکانہ یا قابضانہ حقوق میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ اگر وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۰ء سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس صورت میں اس کے حقوق بحال کردیے جائیں گے، اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو متعلقہ حکومت اسکی بحالی کا انتظام کرے گی۔

س۔ اگر کوئی انخلا کنندہ واپس نہ آنا چاہے تو اس صورت میں بھی اس کی غیر منقولہ املاک کے حقوق اسی کے قبضے میں رہیں گے اور اُسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی املاک کو فروخت کردے تبادلہ کرے یا کسی اور ذریعہ سے اس کا معاملہ طے کرے۔

سازگار حالات!

ان تحفظات کے علاوہ اس معاہدے میں کچھ اور بھی تدابیر اختیار کی گئی ہیں جن کا مقصد سازگار حالات پیدا کرنا اور غلط کاروں کو سزائیں دینا ہے۔ دونوں حکومتیں متفق ہیں کہ

وہ:—

ا۔ سازگار حالات پیدا کرنے کے لیے اپنی کوششیں جاری

رکھیں گی اور بدنظمی کی روک تھام کے لئے تدابیر اختیار کرینگی۔

ب- افراد یا املاک کو نقصان پہونچانے والوں کو سزا دیں گی۔

ج- لوٹے ہوے مال و اسباب کو واپس لیں گی۔

د- اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی کے لئے انتہائی کوشش کریں گی۔

س- جبریہ تبدیلی مذہب کو تسلیم نہیں کریں گی اور جن لوگوں پر اُن کی ذمہ داری ہوگی انھیں سزا دیں گی۔

ص- غلط اور شرانگیز خبروں اور ایسے پروپگنڈے کی روک تھام کریں گی جو کسی ملک کی علاقہ جاتی سالمیت کے خلاف ہو۔

اس معاہدے پر عمل درآمد کرنے کے لئے جو طریقہ کار مفصل طور سے مرتب کیا گیا ہے اس میں اعتماد بحالی کرنے اور انخلا کنندگان کو ان کے گھروں میں واپس لانے کے لئے دو اہم تجاویز رکھی گئی ہیں جو یہ ہیں:-

ا- پاکستان اور ہندستان کی مرکزی حکومتیں اپنی اپنی حکومت کا ایک ایک وزیر مقرر کریں گی جو فساد سے متاثر ہوتے والے علاقوں میں جب تک ضروری ہو مقیم رہے گا۔

ب- مشرقی بنگال، مغربی بنگال اور آسام کی وزارتوں میں

اقلیتوں کا ایک نمائندہ شامل کیا جائے گا۔

جواہرلال کی تقریر!

ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو نے ۱۰ اپریل ۱۹۵۰ء کو کہا ہے:۔

"معاہدہ کا صورت پذیر ہونا ہی ایک فال نیک ہے جس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے عوام کا دماغ تخریب سے ہٹ کر تعمیر کی طرف رجوع ہوگا، دوسرے یہ کہ میں پورے اعتماد اور دیانت داری کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ طویل گفت و شنید میں ہم دونوں کی شدید خواہش تھی کہ کوئی پرامن اور اطمینان بخش حل تلاش کیا جائے، حالات کی سنجیدگی اور واقعات کی سنگینی نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ وزیراعظم پاکستان مسٹر لیاقت علی خاں اس معاہدے پر عملدرآمد کرانے اور پاکستان میں اقلیتوں کے لئے امن امان اور حفاظت کے ساتھ زندگی گذارنے کے حالات پیدا کرانے میں اپنے اثرات سے پوری طرح کام لیں گے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت اس معاہدے کو لفظی اور معنوی اعتبار سے پورا کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرے گی"

اسی روز پنڈت جواہرلال نہرو نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"میرے خیال میں یہ بات ایمانداری کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس معاہدے کی بدولت اُس کشیدگی اور بے چینی میں فوراً کمی آجائے گی جو کچھ دنوں سے ہم پر مسلط ہے۔

.... معاہدہ تو ایک خاص سمت میں ایک اقدام اور صرف اقدام ہے، اس کے بعد اور بہت سے اقدامات لازمی ہوتے ہیں۔ خصوصاً عام لوگوں کی روزمرہ کی زندگی کے حالات میں تبدیلی تو بہت ضروری ہے۔ اس معاہدے کے ذریعہ پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں نے اُن دوسرے اقدامات کی بھی ضمانت لے لی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ایوان اس زبردست مہم کی پوری پوری حمایت کرے گا جو ہمارے ملک کے لاکھوں انسانوں کے لئے انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔

"....... اگر کوئی بات یقینی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہم جبر و تشدد اور غیر انسانی طرزِ عمل کی ہمت افزائی کر کے اپنے عوام اپنے ملک یا انسانیت کی کوئی خدمت نہیں انجام دے سکتے، یہ طریقہ قوم کو پستی کی طرف لے جانے اور اُسے کمزور کرنے کا باعث ہوگا۔

"........ پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرح اب یہ ہمارا بھی فرض ہے کہ اپنی بات کے پکے ثابت ہوں اور اپنے تمام مسائل کا مقابلہ ہوش مندی اور نیک نیتی کے ساتھ کریں، اور عزمِ صمیم کے ساتھ اس زہرناک ماحول کو دور کریں، جو ڈھائی سال سے ہم پر مسلط ہے۔"

لیاقت علی خاں کی تقریر

وزیر اعظم پاکستان آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں نے ۱۰ اپریل ۱۹۵۰ء کو پاکستان کی مجلس آئین ساز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"معاہدے میں جن بنیادی حقوق کا اعادہ کیا گیا ہے، وہ مارچ ۱۹۴۹ء میں مجلس آئین ساز پاکستان کی منظور کردہ قرارداد مقاصد کے اصولوں کے مطابق ہیں، ان حقوق میں بلا امتیاز مذہب، حقِ شہریت کی مکمل مساوات، زندگی، املاک، تہذیب اور ذاتی عزت کا تحفظ نیز قانون اور اخلاق عامہ کی حدود میں رہتے ہوئے پیشے، تقریر اور عبادت کی آزادی شامل ہے، دونوں حکومتوں نے دوبارہ اعلان کیا ہے کہ تمام اقلیتوں کو یہ حقوق حاصل ہوں گے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اقلیتوں کے افراد کو اکثریت کی طرح پبلک زندگی میں حصہ لینے، سیاسی اور دیگر عہدے حاصل کرنے اور ملک کی شہری اور فوجی ملازمتیں اختیار کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے، اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نہایت اہم اصول پر بھی دوبارہ زور دیا گیا ہے کہ اقلیتیں اس ملک کی وفادار رہیں جس کی شہریت انھیں حاصل ہے اور انھیں اپنے ہی ملک کی حکومت سے اپنی شکایات کے ازالہ کی توقع

رکھنی چاہیئے، اس اصول کا اعادہ یوں بھی ضروری معلوم ہوا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی فرقہ وارانہ تنازعات کا بڑا سبب یہی ہے کہ اس بنیادی اصول کو نظر میں نہیں رکھا گیا۔

"دونوں حکومتوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ عام حالات کی بحالی کی خاطر بدنظمی کو دوبارہ شروع ہونے سے روکنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا ہر حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہے، ایسے پروپگنڈے کے بارے میں جس کا مقصد ہر دو ممالک میں سے کسی کی علاقہ داری سالمیت کے خلاف ہو یا دونوں ملکوں میں جنگ چھیڑنا ہو۔ دونوں حکومتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے پروپگنڈے کو روکا جائے اور جو لوگ یا جماعتیں اس قسم کے پروپگنڈے کی ذمہ دار ثابت ہوں اُن کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کی جائے، میں سمجھتا ہوں کہ اس دفعہ پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کرنا نہایت ضروری ہے،

عمل کی ضرورت!

"میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ معاہدہ میرے اور وزیر اعظم ہندوستان کے درمیان کافی غور و خوض کے بعد اور اس مسئلے کے متعلق دونوں کے خیالات و نظریات کو ہمدردانہ طور پر سمجھنے کے جذبے کے ساتھ ہوا ہے۔ مجھے بھی اور وزیر اعظم ہندوستان کو بھی یقین ہے کہ اگر اس معاہدے پر باقاعدہ عمل کیا گیا تو اس سے خوف و

شبہات کا وہ غبار دور ہو جائے گا جو آجکل اسی برصغیر پر چھایا ہوا ہے ان سے میری جو گفت و شنید ہوئی ہے اس کے نتیجہ میں مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہندوستان کے ہر ایک حصے میں اقلیتوں کی جان و مال، تمدن اور شہری نیز دیگر حقوق کے مکمل تحفظ کی ہر امکانی کوشش کرینگے۔ مجھے امید ہے کہ انھیں بھی اطمینان ہو گیا ہو گا کہ میں پاکستان میں اس مقصد کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میرا پختہ ارادہ ہے کہ اس معاہدے پر مکمل طور سے عمل کیا جائے۔ میں اس سلسلہ میں دونوں ممالک کے عوامی رہنماؤں اور مخلص حضرات سے اور خصوصاً دونوں ملکوں کے اخبارات کے تعاون کا خواہاں ہوں ہم میں سے کسی کو ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہیے جس سے ہمارے اس نازک اور اہم فرض کی انجام دہی پر مضرت رساں اثر پڑے۔ آج کی ذرا سی غلط بیانی یا غلط اقدام سے ایسا نقصان پہونچ سکتا ہو جس کا ازالہ ممکن ہے کئی نسلوں تک نہ ہو سکے۔

نئے دور کا پیش خیمہ!

"میں اس معاہدے کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مفاہمت کے ایک نئے دَور کا پیش خیمہ تصور کرتا ہوں۔ میں اور وزیر اعظم ہندوستان اس معاہدے پر عمل درآمد کا جائزہ لینے نیز دیگر مشترکہ مسائل پر غور کرنے کیلئے وقتاً فوقتاً ملتے رہینگے

پاکستان اور ہندوستان بلکہ درحقیقت امن عالم کے مفاد کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے تمام باقیماندہ مسائل پُرامن طریقے سے طے کریں اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات اور ہمسائیگی کے جذبات کو تقویت دیں ×

قول و فعل !

اس معاہدہ پر ہندوستان نے کس حد تک عمل کیا ۔ اور پاکستان نے اسے کہاں تک نباہا ۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جسے ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے بشرطیکہ وہ کھلی ہوئی ہو بند نہ ہو !

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

باب ۱۳

امریکہ کا دورہ

پاکستان اور اسلام کا تعارف

لیاقت علی خاں سے پیشتر، جواہر لال نہرو امریکہ کا دورہ
کر چکے تھے، انھوں نے امریکہ کے طول و عرض میں تقریریں کی تھیں
اور اپنے ایسے خیالات کی تبلیغ کی تھی جو پاکستان کے موقف کو غلط
فہمی میں ڈالنے والے تھے، جن کی روشنی میں پاکستان سے متعلق
غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی تھیں، جن کی بنیاد و اساس پر پاکستان
کا وقار اور مفاد مجروح ہوتا نظر آتا تھا، اور جواہر لال کی واپسی کے
تھوڑے عرصہ بعد صدر ٹرومین نے مسٹر میگھی کو اپنا ذاتی نمائندہ
بنا کر لیاقت علی خاں کے پاس بھیجا اور امریکہ کے دورے کی دعوت
دی جس وقت مسٹر میگھی پاکستان آئے، لیاقت علی خاں سرحد کا

دورہ کر رہے تھے، موصوف وہاں پہونچے، اور ٹرومین کی طرف سے دعوت دی کہ آپ امریکہ آئیے، امریکہ آپ کا استقبال کرنا چاہتا ہے۔ لیاقت علی خاں نے غور و تامل کے بعد دعوت قبول کرلی، حالات کا تقاضا یہ تھا کہ امریکہ کی دعوت مسترد نہ کی جاتی، قبول کرلی جاتی، اس دعوت کے قبول کرنے سے کچھ پیشتر طہران میں روسی سفیر نے غضنفر علی خاں کی وساطت سے انھیں ماسکو آنے کی دعوت دی تھی اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود لیاقت علی خاں نے پوری خندہ جبینی کے ساتھ دعوت قبول کرلی تھی۔

ممالک غیر اور پاکستان!

پاکستان کو عالم وجود میں آئے ہوئے ابھی چند سال کی مختصر سی مدت گذری ہے، یہ مدت افراد و اشخاص کے لئے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی نہ کہ ملکوں اور مملکتوں کے لئے۔

بہت سے لوگ غیر ممالک میں ابھی پاکستان کے وجود اور اسکے نام سے بھی واقف نہیں، وہ اب تک پاکستان کو ہندستان کا ایک حصہ کہتے ہیں، وہ نہیں جانتے، ہندستان پاکستان کے درمیان معاملات کی نوعیت کیا ہے؟ انھیں نہیں معلوم کہ ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت کی داستان مظلومی کتنی طویل اور دردناک ہے،

ان کے علم میں یہ بھی نہیں کہ ہندو اور مسلمان دو الگ اور جداگانہ قومیں ہیں، ان کی زبان، تہذیب، تمدن، معاشرت، تقویم، ثقافت، رسوم، رواج، مذہب، اصول، نشست و برخاست، اصول حیات، ہر چیز ایک دوسرے کی ضد ہے، مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں، وہ بتوں کی ان گنت تعداد کو مانتے ہیں مسلمان گائے کو خدا کا پیدا کیا ہوا ایک جانور سمجھتے ہیں، جو اس لئے خلق ہوا ہے کہ انسان کی خدمت کرے، لیکن وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی خاطر انسانوں کی گردن کاٹنے میں بھی تامل نہیں کرتے ہیں مسلمان ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں لیکن وہ چھوت چھات کے قائل ہیں، اور عہد قبل از مسیح سے ان کے ہاں ذات پات کا جو نظام، انسانوں کے ایک طبقہ کی رفعت اور دوسرے طبقہ کی ذلت پر قائم ہے، اب تک موجود ہے۔ گاندھی جی بھی اپنی روحانیت اور قربانی کے بعد بھی اس کا استیصال نہ کر سکے۔

غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو کسی ایک مرکز پر متحد کر سکے۔ غیر ممالک کے لوگ صرف یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے، اس ملک میں رہنے والی تمام قومیں ہندوستانی ہیں، اور ہندوستان کے لئے بوقت ضرورت انہیں کٹ مرنا چاہیئے۔ یہ غیر ملکی لوگ سوچ ہی نہیں سکتے کہ جس طرح امریکہ میں، انگلستان میں، فرانس میں، اور دوسرے مغربی ممالک میں

عیسائی اور یہودی اختلاف مذہب کے باوجود وحدت قومیت کی بنیاد پر، شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کر سکتے ہیں، ہندو مسلمان اور سکھ کیوں نہیں کر سکتے۔؟

ہندستان کے سفارت خانوں نے، سیاحوں نے، ارباب سیاست نے، صحافیوں نے غیر ملکی لوگوں کی اس ناواقفیت سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو متہم کرنے، دو قومی نظریہ کو بدنام کرنے اور پاکستانی تخیل کا مذاق اڑانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

پاکستان کا سکوت!

پاکستان کا جہاں تک تعلق ہے، اس کے زعیموں اور لیڈروں نے اپنے ملک میں تو اپنے نظریہ کی وضاحت، خیالات کی اقتاد اور مشکلات کی تشریح و تعبیر میں پوری سرگرمی دکھائی، لیکن غیر ممالک میں وہ کچھ نہ کر سکے، سوا سکوت کے۔!

کچھ اس لئے کہ ہمارے پاس اہل اور موزوں آدمیوں کی کمی تھی کہ وہ جاتے اور اپنے دیس کا پروپگنڈا کرتے، کچھ اس لئے کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے، یعنی پاکستان کے عالم وجود میں آتے ہی مشکلات اور جان لیوا مشکلات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، انہی سے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملی، اور زیادہ تر اس لئے کہ اتنی مختصر سی

مدت میں غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے اس ہمالیہ کو تحلیل نہیں کیا جاسکتا تھا، جو ایک عرصۂ دراز سے رفتہ رفتہ عالم وجود میں آیا تھا۔

مصلحت اور ضرورت

لہٰذا مصلحت اور ضرورت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے، جس سے پاکستانی موقف کی وضاحت کا کام لیا جا سکے اور ایسے موقع پر وزیر اعظم جیسی گراں مایہ شخصیت کی تقریروں بیانوں، اور سفر و سیاحت سے جو فائدہ مترتب ہو سکتا تھا وہ کسی دوسری شخصیت سے ہرگز ممکن نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ اندرون ملک کی نازک اور اہم، اور بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود غیر ممالک کے تھکا دینے والے طول طویل سفر کے لئے بھی لیاقت علی خاں کو اپنے تئیں آمادہ کرنا پڑا تھا۔

ایک مشکل!

لیاقت علی خاں نے سفر امریکہ کی دعوت تو قبول کر لی لیکن انکے راستے میں مشکلات کا جال بچھا ہوا تھا، اور سب سے بڑی مشکل تھی نطق و کلام کی۔

یعنی جو سہولت نطق و بیان کی، امریکہ میں جواہر لال کو حاصل تھی، وہ لیاقت علی خاں کو جو ان کی اصول پروری، صداقت اد

شرافت کے باعث نہیں حاصل ہوسکی، امریکہ کے دورہ سے کچھ ہی روز پیشتر لیاقت نہرو پیکٹ ہو رہا تھا اور ایک سچے مسلمان کی طرح، وہ عہد کے پابند تھے، وہ مجبور تھے کہ حقائق کے بیان کرنے میں تلخی نہ آنے دیں، کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے تعلقات کی ابتری میں اضافہ ہو۔ جو پاکستان اور ہندوستان کو ایک دوسرے سے اور۔ یا وہ دور کردے، جواہر لال جب گئے تھے، اس وقت تک معاہدہ نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ تو آزادی کلام اور آزادی تقریر سے پورے طور پر مستفید ہوئے، لیکن لیاقت علی خاں معاہدۂ مودت پر دستخط کرکے جا رہے تھے لہٰذا ضروری تھا کہ وہ بات منہ سے بعد میں نکالیں اس کے اثرات اور عواقب و نتائج کو پہلے سے سوچ لیں۔

پھر بھی انھیں جانا تھا وہ گئے، انھوں نے سچی باتیں کہیں صاف اور برملا کہیں، لیکن اُن کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی جس سے معاہدۂ مودت پر کوئی خراب اثر پڑتا یا ”لیاقت نہرو پیکٹ“ مجروح ہوتا۔

تقریروں کا طوفان!

لیاقت علی خاں کا امریکہ میں شاہانہ استقبال ہوا، ہوائی اڈہ پر خود صدر ٹرومین نے ان کا استقبال کیا، اور پھر وہ اپنے طویل دورے کا پروگرام پورا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

امریکہ میں انھوں نے متعدد تقریریں کیں، ایک ایک دن میں کئی کئی

اُن کی ہر تقریر حقائق و معارف کا گنجینہ تھی، ان تقریروں میں جس بیباکی سے انھوں نے اسلام کی وکالت کی، پاکستان کی ترجمانی کی، اور اپنے ملک اور قوم کے معاملات و مسائل کو پیش کیا، انھوں نے پاکستان کو چار چاند لگا دیے، بہت سی غلط فہمیاں دور کر دیں، اور ثابت کر دیا کہ پاکستان ایک حقیقت ہے۔!

زندہ اور تابندہ حقیقت۔!

ناقابل تردید حقیقت۔!

ناقابل تبدیل حقیقت۔!

یہ کام لیاقت علی خاں کر سکتا تھا، اس نے کیا اور اس طرح کیا کہ دنیا واہ وا پکار اٹھی۔!

خدا حافظ!

۲۹ اپریل ۱۹۵۰ء کو لیاقت علی خاں کراچی سے امریکہ کے سفر پر اپنی قوم اور ملک کو خدا حافظ کہہ کر روانہ ہوئے، ہوائی مستقر پر عوام صبح چار ہی بجے سے اپنے محبوب وزیر اعظم کو "خدا حافظ" کہنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں بسوں میں سوار ہو کر جمع ہو رہے تھے، آپ کو امریکہ لے جانے والے طیارہ "پان امریکن کلپر" کی روانگی سے نصف ساعت پہلے لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہوائی مستقر پر جمع ہو گئے تھے، انتظار گاہ ملاقاتیوں کا کمرہ جم غفیر سے بھرا ہوا تھا، لوگ اشتیاق دیدار میں ہوائی

میدان کی عمارت کی بالائی منزلوں میں بھی بھر گئے تھے، اورجہاں جہاں سے وہ وزیراعظم کو دیکھ سکتے تھے وہیں کھڑے ہوگئے، طیارہ کی روانگی میں ایک گھنٹہ کی تاخیر ہوگئی، لیکن مجمع انتہائی اطمینان سے وقت روانگی کا منتظر تھا، جس سے ان کی تنظیم کا پتہ چلتا ہے ۳۰ منٹ قبل وزیراعظم پاکستان اپنی بیگم کے ہمراہ تشریف لائے اور انھوں نے سفارتی عہدہ داروں، اپنی کابینہ کے وزرا، مسلم لیگ کے صدر اور دیگر عہدے داروں کے علاوہ جہاز کے منتظمین سے مصافحہ کیا۔

ایک سالہ بچی نے جو ایک ضعیف العمر کے ہمراہ اپنے ہاتھ میں پھولوں کے ہار لیے ہوئے تھی، وزیراعظم پاکستان کو بوسہ دیا، اور کہا کہ "جلد واپس آئیے گا"، محبت بھرے لہجہ میں وزیراعظم نے کہا "میں امکانی کوشش کروں گا کہ جلد از جلد واپس آجاؤں"۔ بعدازاں وزیراعظم پاکستان اس مجمع میں داخل ہوئے جو فلک شگاف نعرے لگاتا ہوا ان کا منتظر تھا،

فوٹوگرافروں نے تصاویر کھینچی، طیارہ میں سوار ہونے سے قبل وزیراعظم اور ان کی بیگم نے اپنے بچوں پر مشفقانہ انداز میں ہاتھ پھیرا اور ہاتھوں کا اشارہ کرکے عوام کو الوداعی سلامی دی۔

ٹھیک ۷ بجکر ۴۰ منٹ (صبح) کو طیارہ لندن کے راستہ امریکہ روانہ ہوگیا، ہوائی جہاز کی گرج کے ساتھ مجمع فلک شگاف نعرے لگا رہا تھا۔

لندن میں ورود!

۲ مئی سنہ ۱۹۵۰ء کو مسٹر لیاقت علی خاں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صدر ٹرومین کے مخصوص طیارہ ”انڈی پنڈنس“ میں لندن سے واشنگٹن روانہ ہوگئے، وزیر اعظم آیس لینڈ کے راستہ واشنگٹن گئے، آئس لینڈ میں انھوں نے منگل کی شب گزاری اور چہار شنبہ کو واشنگٹن کے قومی ہوائی مستقر پر وارد ہوے۔

یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ وزیر اعظم بھارت پنڈت نہرو اور شہنشاہ ایران نے بھی صدر ٹرومین کے مخصوص طیارہ ”انڈی پنڈنس“ ہی سے سفر کیا تھا، یہ طیارہ نہایت ہی دلکش، مضبوط اور تیز رفتار ہے۔ یہ طیارہ معمولی رفتار میں ۳۱۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار ۳۵۸ میل فی گھنٹہ ہے یہ طیارہ روزانہ ۴۴۰۰ میل چل سکتا ہے، اس میں ۲۴ مسافروں کی نشست اور ۱۲ مسافروں کے آرام کا معقول انتظام ہے، اس میں خود بخود چلنے والا مطبع، ریڈیو، ٹائپ رائٹر اور پیغامات بھیجنے کی مشینیں ہیں۔

صدر ٹرومین کی طرف سے لیاقت علی خاں کو لندن سے واشنگٹن لے جانے کے لئے مسٹر ٹرومین کے فوجی افسر ایر آئیڈ، بریگیڈیر جنرل رابرٹ لینڈ گئے تھے تاکہ وزیر اعظم پاکستان کو فوجی اعزاز سے لے جاسکیں،

آپ کے ہمراہ صدر ٹرومین کے سکریٹری مسٹر ولیم ہرٹ اور ملیٹری آئیڈ میجر جنرل ہیری ویگن بھی تھے۔

واشنگٹن کی طرف پرواز!

واشنگٹن کے قومی ہوائی مستقر پر مسٹر لیاقت علی خاں کا استقبال کرنے کے لئے صدر ٹرومین اور ان کی بیگم خوبصورت لباس پہنے ہوئے موجود تھے، وزیر اعظم پاکستان اور ان کی بیگم صدر ٹرومین کے نیلے اور چمکیلے روپہلے رنگ کے طیارے میں ۲۰،۵۶ (جی ایم ٹی) یعنی پاکستانی ٹائم ۲ بجکر ۲۶ منٹ پر ۳ مئی کو ہوائی مستقر پر ورود پذیر ہوئے۔

ہوائی مستقر پر آپ کو شاہانہ اور فوجی اعزاز کے ذریعہ آنایا گیا، صدر ٹرومین، ان کی بیگم، اُن کی کابینہ کے وزرا، غیر ملکی سفراء اور دیگر قائدین اور معززین موجود تھے،

جونہی ،، انڈی پنڈنس ،، طیارہ ہوائی مستقر پر اترا اور لیاقت سب سے پہلے باہر نکلے تو صدر ٹرومین نے شفقت و محبت کے جذبہ میں آکر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے اور کہا۔

،، میں واشنگٹن میں آپ کے ورودِ مسعود کو خوش آمدید کہتا ہوں،، انھوں نے نہایت ہی گرمجوشی کے ساتھ لیاقت علی خاں سے مصافحہ کیا، امریکہ کی بری، بحری اور ہوائی افواج نے گارڈ آف آنر پیش کیا فوجوں نے ہر ۳ سکنڈ کے بعد ۱۹ توپوں کی سلامی دی اور جیٹ طیاروں نے

غوطہ لگا کر وزیر اعظم پاکستان کا خیر مقدم کیا۔

یہاں گارڈ آف آنر کا معائنہ کرنے کے بعد صدر ٹرومین کے ساتھ ان کی سرکاری کار میں سوار ہو کر امریکی صدر کی سرکاری قیام گاہ بلائر ہاؤس روانہ ہو گئے۔

لیاقت علی خاں کی روانگی سے قبل پریس کے نمایندوں اور فوٹو گرافروں نے پولیس کی حد بندیوں کو توڑ دیا اور لیاقت علیخاں کے قریب آ گئے۔

صدر ٹرومین نے موٹر کار کی بائیں سمت کا عقبی دروازہ کھولا اور لیاقت علی خاں و صدر ٹرومین کار میں سوار ہو گئے، فوٹو گرافر مسلسل ۵ منٹ تک فوٹو لیتے رہے۔

خوش آمدید!

لیاقت علی خاں جب امریکہ پہونچے تو ان کا نہایت پر جوش استقبال عوام اور خواص اور حکومت کی طرف سے ہوا۔ امریکی پریس نے بڑے دوستانہ اور مخلصانہ انداز میں لیاقت علی خاں کو خوش آمدید کی۔

یکم مئی ۱۹۵۰ء کو امریکی پریس نے پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان کی خبروں کو نمایاں طور سے شائع کیا اور تفصیل سے اس کے پس منظر کو بیان کیا۔

واشنگٹن پوسٹ نے اپنے سنڈے ایڈیٹوریل میں تحریر کیا کہ لیاقت علیخاں

امن کے پیغام بر ہیں، اس نے وزیر اعظم پاکستان اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی تصاویر شائع کیں اور لکھا کہ ان کے آنے سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات مزید خوشگوار ہو جائیں گے اور دونوں ممالک ایک دوسرے کو سمجھنے لگیں گے۔

"اسٹار" نے لیاقت علی خاں کا استقبال کرتے ہوئے اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں تحریر کیا ہے کہ لیاقت علی خاں وہ باعظمت شخصیت ہے، جو امریکی امداد کے لئے اپنا ہاتھ پھیلانے نہیں آئی، اور نہ ہی انھیں امریکی ڈالروں کی ضرورت ہے، اور وہ اس لئے امریکہ آرہے ہیں کہ یہاں کے عوام کو سمجھائیں کہ پاکستان کیا ہے، اور بین الاقوامی سیاست میں اس کی کیا اہمیت ہے۔

لیاقت علی خاں نے امریکی دباؤ کے بغیر ہی اپنے پڑوسی ملک سے اختلافات کو ختم کر دیا، خود امریکیوں کا اسی میں فائدہ ہے کہ وہ پاکستان کی اقتصادی مشکلات کو حل کریں۔

کانگرس سے خطاب!

لیاقت علی خاں کو امریکہ نے یہ اعزاز بھی دیا کہ انھیں کانگرس اور سینٹ کے سامنے تقریر کرنے کا موقع دیا، انھوں نے کانگرس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان کا نظام حکومت کس طرح تشکیل پذیر ہوا، اور پاکستانی قوم کا مطمح نظر کیا ہے۔

لیاقت علی خاں نے اپنی تقریر میں کہا، اسلامی اصولوں کے مطابق جمہوریت، آزادی اور مساوات ہمارا مطمح نظر ہے، اسلام آزادی ضمیر کا درس دیتا ہے، اور بے جا دباؤ کی مذمت کرتا ہے، اسلام ہر طرح مساوات کا علمبردار ہے، ایمان داری کے ساتھ ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور دیانت داری کے مطابق اس کا صلہ دیتا ہے۔

اسلام ذاتی مالکانہ حقوق کا قائل ہے، اگرچہ وہ ایک جگہ دولت کے غیر معقول اجتماع کو پسند نہیں کرتا، اس کے علاوہ وہ غیر مساویانہ تقسیم کے بھی خلاف ہے۔

میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں کہ عوام کی خواہش سب سے زیادہ سبقت رکھتی ہے اور آپ تحقیق و تدوین کے جذبات سے معمور ہیں، آپ کے جذبۂ شہری آزادی کا بھی قائل ہوں جس سے ہر شخص کو وسیع میدان ملتا ہے کہ وہ ترقی کر سکے، آپ کی بلند کرداری نے آئین و قانون کے احترام کو قائم رکھا ہے اور یہی آزادی کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے ابھی تین سال کا عرصہ بھی نہیں گزرا، شائد دنیا کو یہ معلوم نہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر پاکستان بنانے کی ضرورت محسوس کی گئی اور نہ شائد دنیا کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے دلوں میں کیا جذبات اور امنگیں مخفی ہیں پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کے اس آہنی عزم کا مظہر ہے کہ جسے

کو دبا نہیں دیا جا سکتا تھا، ان دس کروڑ مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، جب وہ ایک ایسے برِکوچک میں آباد ہیں جہاں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان رہتی ہیں اور جسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کرکے دونوں اقوام امن و اطمینان سے رہ سکتی ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ سیاسی طور سے اقلیت میں رہ کر متحدہ ہندستان میں بالکل ہی بے اثر ہو جائیں، انھیں یقین تھا کہ صرف اسی طرح اسلام کے ماننے والوں کو اس قدر کثیر تعداد میں آزادی کے ساتھ اپنے تمدن کو ترقی دے کر اپنے طرزِ حیات پر زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا اور وہ آزادی کے ساتھ رہ سکیں گے۔

پاکستان کی بنیاد اس لئے رکھی گئی ہے کہ کروڑوں مسلمان اپنے خیال کے مطابق زندگی گذار سکیں اور اپنے خدا کی عبادت کر سکیں، ہم اسے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہم دو گھروں میں امن سے رہیں، لیکن یہ حالت اچھی نہیں کہ ہم ایک ہی گھر میں رہ کر روزانہ جنگ کیا کریں۔ یہ جذبۂ آزادی وہ جذبہ ہے جو ہر فضا میں، ہر ملک میں پیدا ہوتا ہے، ہم اس جذبہ سے معمور ہو گئے اور پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹے اس میں کامیابی حاصل کی اور برصغیر دو آزاد مملکتوں میں تقسیم ہو گیا اس تقسیم کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ اقلیتوں کا خاتمہ کر دیا جائے بلکہ ہم نے اس تقسیم سے اس منزل پر جا کر دم لیا جہاں ایشیا کی تعمیر کو شدید نقصان پہونچنے کا احتمال نہیں رہا جو ہمارے لئے بہت زیادہ

مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتا۔

پاپائیت نہیں!

اسی تقریر کے دوران میں لیاقت علی خاں نے کہا، ہم نے انتہائی ایمان داری سے اپنے دلوں کا جائزہ لیا اور اگرچہ ہمیں بہت کچھ کرنا باقی ہے، تاہم ہمارے مخصوص پہلو واضح ہیں۔ ہم اپنے دستور کو کھلے ہوئے ضمیر کے ساتھ عملی شکل دے رہے ہیں، ہم نے ایک ایسا وفاق بنانے کا عزم کر لیا ہے جس کا ہر جز اندرونی طور پر آزاد ہو اور جس میں بنیادی انسانی حقوق، طبقاتی مساوات، امکانات، ارتقا، معاشی و سیاسی عدل، آزادی رائے۔ نظریہ، عقیدہ، عبادت اور اجتماع کی کلی ضمانت دی جائے گی۔

ہم نے عہد کیا ہے کہ ہمارے ملک میں مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے لیکن ہم اس اکثریت کو نہ بھولیں گے جس سے خائف ہو کر مسلمانوں نے جداگانہ آزاد مملکت قائم کی، ہم نے اپنی اقلیت کو مکمل شہری آزادی دینے کا عہد کیا ہے، ان کی تہذیب و عبادت قطعاً آزاد ہوگی، پست اقوام کے حقوق کا خصوصیت سے خیال رکھا جائے گا اور اُن کے حقوق انھیں دیے جائیں گے۔

ہم نے عہد کیا ہے کہ حکومت عوام کے منتخب نمائندوں کی معرفت اپنے اختیارات استعمال کرے گی، اس سلسلہ میں جمہوریت، آزادی

اور سوشل انصاف ہمارا مطمح نظر ہے۔

اسلام آزادیٔ ضمیر کا حامی اور ذات پات کا مخالف ہے اسلئے ہمارے یہاں پاپائیت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

اسلام ہر شخص کی مساویانہ حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، ہر شخص کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان کوششوں کا مناسب اور جائز ثمرہ تیار ہے ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، دولت کا ذخیرہ جمع کرنے کا مخالف ہے بلکہ اس کی تقسیم اور سب کو مساویانہ درجہ دینے کا حامی ہے۔

ہمارے مقاصد:

نیشنل پریس کلب کے اجتماع میں ایک ہزار سے زیادہ صحافیوں اور اخبار نویسوں کو لیاقت علی خاں نے مخاطب کیا، یہ بہت ستھرا اور شائستہ اجتماع تھا، امریکہ کی صحافی زندگی میں اس کلب کو بڑی اہمیت اور منزلت حاصل ہے، دوپہر کا کھانا انھوں نے یہیں کھایا اس کلب کی ذاتی بلڈنگ ہے، اس کی ۱۴ منزلیں ہیں۔

اس تقریر میں لیاقت علی خاں نے بعض بڑے کام کی اور اہم باتیں کہیں، انھوں نے فرمایا

پاکستان کے تین زبردست مقاصد ہیں۔

۱۔ سالمیت۔

۲۔ اس کی تہذیب وثقافت۔

۲۔ اس کی خواہشات کے مطابق اس کی تعمیر اور اقتصادی ترقی۔

بھارت اور پاکستان کے تعلقات میں دونوں حکومتیں برابر کی ذمہ دار ہیں، ان دونوں کے درمیان سب سے بڑا تنازعہ کشمیر کا ہے، ایشیا اور دنیا کے امن کے لئے نہری پانی اور اقلیتوں کے تحفظ کے سوال کا حل نہایت ضروری ہے۔

اسلام کی وکالت!

اسی تقریر میں لیاقت علی خاں نے ایک اور بھی بڑی اچھی بات کہی، انھوں نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

پاکستان میں ۸ کروڑ افراد کی اکثریت مسلمان ہے اور یہ اکثریت اسلامی طرز زندگی گذارنا چاہتی ہے، اس بارے میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مذہبی تعصب کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کو مخصوص شہری حقوق دیے جائیں اور غیر مسلموں کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کیا جائے، لیکن ہمارا یقین کامل ہے کہ اسلام میں شہریت اور جمہوری نظریات کے بنیادی اصول موجود ہیں۔

.. اسلام میں معاشی زندگی کے بہترین اصول موجود ہیں اور اسلام ہی نہ صرف ہمارے ملک کی اقتصادی ترقی کا سبب بن سکتا ہو

بلکہ دنیا کے ہر ایک ملک کی معاشی بحالی اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ہے، یہ عقائد نئے نہیں بلکہ مسلمان تیرہ سو برس سے ان پر عامل ہیں دنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں جو گرچہ خیر مذہبی کہلاتے ہیں، لیکن وہ عیسائی طرز زندگی بسر کرتے ہیں اور عیسائیت کے نام پر بعض انسانی اصولوں پر عمل کرتے ہیں، ہم اسلام کے نام پر ان کی پیروی کرتے ہیں اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ہمارا ملک اقتصادی طور پر ترقی کرے، اور ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم اپنے اقتصادی نظام کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، اور ہم دنیا کی ہمدردی اور تعاون سے چند برسوں کے نقصان کی نہیں بلکہ صدیوں کی غفلت کا تدارک کرنا چاہتے ہیں، یہ ہمارے بنیادی مفادات اور مقاصد ہیں اور تاریخ عالم کا کوئی بھی طالب علم اس روشنی میں ہماری خارجی پالیسی کا بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے۔

مہمان اور میزبان!

۵ مئی کو امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر ڈین ایچی سن نے، مسٹر اور بیگم لیاقت علی خاں کو رات کے کھانے پر مدعو کیا، اس موقع پر دوسرے ممالک کے سفراء امریکہ کے نمایاں اور ممتاز اصحاب حکام و عمال بھی موجود تھے۔

لیاقت علی خاں کا جام صحت نوش کرتے ہوئے، ڈین ایچی سن

نے کہا۔

وزیر اعظم پاکستان دنیا کے رہنمائے عظیم ہیں، ابھی ابھی انھوں نے جو بے مثل کامیابی حاصل کی ہے اگر میں اس کا عشر عشیر بھی حاصل کر لیتا تو یہ ۱۹۵۰ء کا سال میرے لئے فتح مبین کا سال ہوتا۔

امریکی اپنے آپ کو قائد سمجھتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں قیادت کا حق مسٹر لیاقت علی خاں کو ہے جو روز اول سے اپنی نئی قوم کو سرخ رو کرنے کے لئے شبانہ روز محنت کر رہے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ لیاقت علی خاں ان مشکل ترین مسائل کو حل کر رہے ہیں جن کا حل تو درکنار سمجھنا بھی مشکل ہے، بیسویں صدی میں امن کا مسئلہ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ ہے، مسٹر لیاقت علی خاں دنیا میں اپنے عمل سے ایک خاص مقام پیدا کر رہے ہیں۔

پاکستان اور بھارت میں امن کے بغیر ایشیا میں قیام امن ناممکن تھا، اور ایشیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار پاکستان ہی ہے۔

ہم شکر گذار ہیں کہ دنیا میں لیاقت علی خاں جیسے قائدین حکومت موجود ہیں، جو انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک غیر ملک کے بہت بڑے ذمہ دار شخص نے لیاقت علی خاں کی فراست، سیاست اور معاملہ فہمی کے بارے میں کتنی جچی تلی رائے قائم کی، اور کتنے شاندار اور دلنشین الفاظ میں اس کا اعلان کیا۔

پاکستان کا ذکر!

پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے اپنی، سر تقریر میں کہا،

پاکستان کے پاس بے شمار قدرتی، وسائل موجود ہیں لیکن صنعتی لحاظ سے وہ پسماندہ ملک ہے، عوام کی اقتصادی حالت بہتر بنانا بہت ضروری ہے۔ یہ مسئلہ سارے مشرق میں، اوّلین اہمیت رکھتا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حکومت پاکستان مشرق و مغرب کی حکومتوں میں سے بہت سی حکومتوں سے بہتر ہے، پاکستان میں مکمل امن و سکون ہے اور عوام خوش ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ عوام کا آہنی اتحاد ہے۔

پنڈت نہرو کی یاد

اس موقع پر لیاقت علی خان نے ہندستان کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو کا بھی ذکر کیا، اور اس ذکر میں کسی قسم کی تلخی اور بدمزگی نہیں تھی۔

انھوں نے اُردو زبان کے تذکرے پر پنڈت جواہرلال کے بارے میں کہا۔

پنڈت نہرو اتنی سلیس اور عمدہ اردو بول سکتے ہیں جتنی کہ میں
ایک امریکی نامہ نگار نے سوال کیا کہ
"جب آپ کے اور پنڈت نہرو کے درمیان گفتگوئے مفاہمت ہو رہی تھی تو آپ نے کس زبان میں گفتگو کی تھی؟"
وزیر اعظم پاکستان نے جواب دیا کہ اردو اور انگلش دونوں میں،
انھوں نے کہا کہ پنڈت نہرو کے والد پنڈت موتی لال نہرو فارسی کے عالم تھے۔
آگے چل کر لیاقت علی خاں نے کہا، جب پنڈت نہرو کراچی آئے تھے تو ہزاروں مسلمانوں نے راستہ میں کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا تھا اور دوستانہ نعرے لگائے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب حکومت پاکستان ایک وعدہ کر لیتی ہے تو عوام اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی عوام میں آہنی اتحاد ہے اور یہی اس کی بڑی قوت ہے۔

کولمبیا یونی ورسٹی کی ڈگری!

کولمبیا یونی ورسٹی نے، لیاقت علی خاں کو ان کی خدمات کے سلسلہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری پیش کی، یہ بڑا سنہرا اور اچھا اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے لیاقت علی خاں نے کہا۔
"میرے لئے کولمبیا یونی ورسٹی سے بڑا اعزاز اور دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا، آپ نے مجھے دنیا کے اُن اہل علم لوگوں کے گروہ میں

امریکہ میں

ٹرومین اور لیاقت علی خاں

لیاقت علیخاں
لارڈ ماونٹ بیٹن

داخل کرلیا، جو علم اور سچائی کے لئے ہمیشہ سرگرداں رہتے ہیں، اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کا اعزاز قبول کروں، لیکن میں نے اسے اس لئے قبول کرلیا ہے کہ یہ اعزاز آپ نے مجھے نہیں دیا بلکہ میری قوم اور میرے عوام کو دیا ہے، میں پھر آپ پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ وہ اقوام جو دنیا میں امن و انصاف اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کررہی ہیں وہ پاکستان کو ہمیشہ اپنا دوست اور رفیق پائیں گی۔

پھر ۱۳ مئی ۱۹۵۰ء کو کنساس کی یونی ورسٹی نے بھی ڈاکٹریت کی ڈگری پیش کی۔

پختونستان:

لیاقت علی خاں کے امریکہ پہونچنے سے پہلے، بعض اشرار کی طرف سے امریکہ میں زور شور کے ساتھ پختونستان کا پروپیگنڈا شروع ہوگیا چنانچہ ایک موقع پر لیاقت علی خاں سے اس سلسلہ میں سوال کیا گیا، انھوں نے برجستہ جواب دیا،

"پٹھان آزادانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعہ پاکستان میں شامل ہوچکے ہیں، پختونستان ان مٹھی بھر لوگوں کا تصور ہے جن کے گھر پاکستان سے باہر ہیں۔

شکاگو میں!

۱۱ مئی کو نیو یارک سے لیاقت علی خاں شکاگو پہنچے
یہاں بھی ان کا بہت پرتپاک اور پرجوش استقبال کیا گیا۔

یہاں بھی لیاقت علی خاں کو بڑی مصروفیت کے ساتھ وقت گذارنا پڑا متعدد تقریریں، بہت سے سوالات کے جوابات سے محظوظ کیا، متعدد سرکاری اور نیم سرکاری تقریبات میں پوری چستی و مستعدی کے ساتھ حصہ لیا، اور معرکہ آرا تقریریں کیں، جنہوں نے لیاقت علی خاں کے حسن تقریر اور حسن بیان کی دھوم مچا دی۔

اسلامی طرز حیات!

شکاگو کونسل، برائے تعلقات خارجہ، اور شکاگو کی مجلس صنعت وتجارت کے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر لیاقت علی خاں نے کہا،

"پاکستان جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے، آجکل عوام قومی جذبات سے معمور ہیں اور نئے اصول نظریۂ حیات کے لئے سرگرداں ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں پاکستان بہت ہی مستحکم ہے اور اسے کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔
پاکستان کے ۸ کروڑ عوام نے جن کی غالب اکثریت مسلمان ہے،

تہیہ کرلیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق اپنی زندگی گذاریں گے۔

یہی وہ قابل فخر اصول ہیں جنھوں نے پاکستان کو ایک آزاد خود مختار اور مضبوط ملک بنا دیا، اسلام کوئی نیا نظریہ و اصول نہیں بلکہ اس کی بنیاد تیرہ سو برس پہلے رکھی گئی ہے، اسلام کی بنیاد ایمان اخلاق اور سابقہ روایات ہیں۔

ہم جس نظریہ پر عقیدہ رکھتے ہیں، اگر اس پر دنیا گامزن ہو جائے تو یقیناً آج گری ہوئی انسانیت پھر زندہ ہو جائے گی، مسلمان سب سے زیادہ اپنے خدا و رسول سے محبت رکھتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمارے یہاں ملّاشاہی ہوگی۔

ہم ملاؤں کی حکومت پر عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے، دوسری چیز یہ کہ دنیا کا ہر انسان برابر ہے، ہمارا مذہب کسی دوسرے عقیدے کے لوگوں پر دباؤ نہیں ڈالتا بلکہ کہتا ہے لکم دینکم و لی دین

اسلام انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن ہمارے مذہب کی بہترین کوشش یہ ہوتی ہے کہ رفتہ رفتہ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ختم ہو جائے۔"

پاکستان اور قائد اعظم!

کلیفورنیا یونی ورسٹی نے بھی لیاقت علی خاں کو مدعو کیا وہ

وہاں پہونچے ، اور اس انداز ساحرانہ کے ساتھ پہونچے کہ جس نے دیکھا بڑائی کا اعتراف کیا، جس نے ان کی تقریر سنی متاثر ہوا، جس نے انکی طرف دیکھا وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے لیاقت علی خاں نے قائداعظم کی شخصیت اور، پاکستان کی تخلیق و تشکیل کے بارے میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا، ظلم ہوگا، اگر ان کا ایک حصہ یہاں درج نہ کیا جائے۔"

پاکستان کی مکمل آزاد و خود مختار حکومت کا ظہور دور حاضرہ ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا ایک بے مثل معجزہ ہے، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے تنہا برطانیہ اور ہندو قوم پرستوں کا مقابلہ کیا اور انھیں کی جد وجہد کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں، دونوں قوموں کو آزادی نصیب ہوئی، قائد مرحوم بے مثل قانون داں اور قانون ساز تھے، اور انھوں نے دنیا بھر کے جمہوری اداروں کا بہ نظر غائر مطالعہ فرمایا تھا،

قائداعظم نے نعرۂ حق بلند کرتے ہوئے آواز دی کہ جمہوریت میں یہ ضروری ہے کہ سیاسی اقلیت کو اکثریت ہونے کے مواقع حاصل ہوں، اور اگر حالت یہ ہو کہ سیاسی اقلیت کی اکثریت میں تبدیلی کی کوئی توقع نہ ہو تو اس صورت میں دنیا کا کوئی آئین اقلیت کو اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین نہیں دلا سکتا۔

قائداعظم حق و صداقت کی اس بنیاد پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں، اور دنیا کی بہت سی قوموں سے بڑی قوم ہیں۔

برطانوی ہند کے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ ان کا ملک ہے اور اس ملک کا نام پاکستان ہے، یہ نام ہمارے ملک کے مایۂ ناز اور دورِ حاضرہ کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال کا دیا ہوا ہے۔

حق و صداقت کے اس سادہ نعرے نے مسلمانوں کے دل میں گھر کر لیا اور برصغیر پاکستان و ہند کے اس سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مسلمان منظم ہو گئے،

ہم قائداعظم کو اپنا عظیم ترین رہنما سمجھتے ہیں اور انھوں نے ہی اپنے آہنی عزم سے پاکستان بنایا ہے، اور یہی عزم اپنی پوری قوم میں بھر دیا ہے، خداوندِ کریم نے ان کی زندگی ہی میں ان کے خواب کو سچا کر دکھایا، شائد وہ اس خواب کو حقیقت بنتا ہوا دیکھنے کے لئے زندہ تھے

۸ کروڑ کی ایک مضبوط قوم بنانے کے بعد وہ رحلت فرماگئے درحقیقت وہ پاکستانی قوم کے باپ ہیں، قوم آج بھی ان کی جدائی کے غم میں ملول اور افسردہ ہے۔

حصول آزادی کے بعد کسی پاکستانی نے قائد اعظم اور عوام کے کسی فیصلے کی کبھی مخالفت نہیں کی، ہر آنے والا دن ہمارے اس یقین کو پختہ کرتا تھا کہ اگر ہم نے اپنے قائد کی بات نہ مانی تو تاریخ عالم ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔"

لاس اینجلز!

لاس اینجلز کے ایوان تجارت میں تقریر کرتے ہوئے لیاقت علی خاں نے کہا۔

"پاکستان دنیا کا وہ بے مثل ملک ہے جہاں امن وسکون ہے اور جہاں کے عوام دماغی الجھنوں سے قطعاً آزاد ہیں، ان کا اپنا نظریہ یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ مالک کون ومکان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔"

اور کون کہہ سکتا ہے کہ لیاقت علی خاں نے جو کچھ کہا غلط کہا۔

خراج تحسین!

اس موقع پر لاس اینجلز کے میئر فیلچر براؤن نے دو سو سرکردہ تاجروں، صناعوں، بینکرز، ماہرین زراعت اور ارباب ثروت سے لیاقت علی خاں کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

" دنیا کی بہت سی ممتاز ہستیوں، شہزادوں، بادشاہوں

فرماں رواؤں اور صدروں کا آپ لوگوں سے تعارف کرانے کا اعزاز مجھے حاصل رہا ہے، لیکن میں نے آج تک اتنا فخر محسوس نہیں کیا، جتنا کہ مسٹر لیاقت علی خاں کو آپ سے متعارف کرانے میں کر رہا ہوں مجھے یقین کامل ہے کہ میں جس ہستی کا آپ سے تعارف کرا رہا ہوں اسکا نام تاریخ عالم کے مستقبل میں آنے والے ایک بہت بڑے تمدن پر اثر انداز ہونے والے کی حیثیت سے لکھا جائے گا۔

مسٹر لیاقت علی خاں ۸ کروڑ انسانوں کی ایک قوم کے وزیر اعظم ہیں جنھوں نے ایک نئی قوم کو ۳ سال میں بلند مقام پر پہونچا دیا ہے یہ بات دنیا کی جدید قوموں کی تاریخ میں بہت زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ نئی قوم جس کا طرز زندگی خود اپنا ہے، بہت جلد کمیونزم کے سیلاب کے منہ کو موڑ دیگی اور دنیا میں سچی آزادی اور جمہوریت کو قائم کرے گی، میں آپ کے سامنے ایک بہت بڑی ہستی کو پیش کر رہا ہوں۔"

ان الفاظ کا ایک ایک حرف، حقیقت اور صداقت کا آئینہ دار ہے۔

مسئلہ کشمیر!

پاکستان اور ہندستان کے تعلقات محبت میں سب سے بڑی رکاوٹ کشمیر کا مسئلہ ہے، یہ حل ہو جائے تو آج ان دونوں ممالک میں

اخوت اور برادری کا مستحکم اور غیر متزلزل رشتہ قائم ہوسکتا ہے۔

لیاقت علی خاں نے اپنی زندگی میں، ہمیشہ، ہر موقع پر، ہر بار صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں یہی بات کہی۔

چنانچہ لاس اینجلز کے میر کی تقریر کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے جہاں بہت سی باتیں کہیں وہاں انھوں نے یہ بھی فرمایا،

پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے درمیان اقلیتی معاہدہ ہوجانے کے بعد اگرچہ حالات بہتر ہوگئے ہیں، تاہم صحیح معنوں میں دوستی اس وقت ہوسکتی ہے جب مسئلہ کشمیر منصفانہ طور پر حل ہوجائے۔

اقلیتی معاہدہ!

۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو نئی دہلی کے گورنمنٹ ہاؤس میں لیاقت علی خاں نے "لیاقت نہرو پیکٹ" پر دستخط کئے تھے، یہ معاہدہ انھیں امریکہ میں بھی یاد رہا، اور انھوں نے زندگی کی آخری سانس تک نہ خود اس کی خلاف ورزی کی نہ پاکستان میں کسی کو اس کی خلاف ورزی کی اجازت دی،

لیاقت علی خاں جب ہاؤسٹن سے نیو اورلینس پہونچے، یہاں آپ کی خدمت میں اس اہم ترین صنعتی بندرگاہ کی کنجیاں اعزازی طور پر پیش کی گئیں، یہ بندرگاہ دریائے مسی سی پی کے دہانے پر واقع ہے۔

یہاں ایک دعوت کے موقع پر لیاقت علی خاں نے کہا:۔

وزیراعظم بھارت پنڈت نہرو اور میں پاکستان و بھارت کے اقلیتی

معاہدہ کو دونوں ممالک کے درمیان دوستی کا پیش خیمہ خیال کرتے ہیں۔

میں پاکستان اور بھارت کے گزشتہ تعلقات پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ لیاقت نہرو معاہدہ کا مقصد ہر دو ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا، اس معاہدہ کے بعد ماضی کی تلخ تاریخ کے ورق الٹنا غیر مناسب ہیں۔

یہ باتیں صرف اسی شخص کے منہ سے نکل سکتی تھیں جو سیاستدان بھی ہو اور شریف بھی ہو ـــــــ اور لیاقت علی خاں میں یہ دونوں خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں ـ !

مادی تہذیب

مادیت پرستی یورپ اور امریکہ کا شعار رہے، وہاں اخلاقی اور روحانی اقدار کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، لیکن لیاقت علی خاں جس ملک کا پیام بر بن کر گیا تھا، وہ اسلام کا پیرو تھا، وہ مادیت سے بیزار تھا، وہ روحانیت پر اعتقاد رکھتا تھا، یورپ اور امریکہ کے سامنے لیاقت علی خاں نے ہمیشہ فخر سے تنے ہوئے سینہ کے ساتھ اپنے اسلام کو پیش کیا، اور مادیت کی بے بنیادی کا برملا، اقرار و اعتراف کیا، انھوں نے ۲۵ مئی کو بوسٹن میں ایک موقع پر کہا۔

"جس تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہوگی، وہ دنیا میں کبھی دائمی زندگی حاصل نہیں کر سکتی ـ"

الوداع

امریکہ میں لیاقت علی خاں نے نو ہزار میل کا دورہ ریل و طیارے اور موٹر کے ذریعہ کیا، اور بالآخر یکم جولائی سنہ ۱۹۵۰ء کو وہ اہل امریکہ کی میزبانی اور خوش اخلاقی کو سراہتے ہوئے لندن اور وہاں سے اپنے مستقر کراچی کے لئے روانہ ہوگئے۔

باب ۱۴

اچانک!

بھارت کے عساکرِ قاہرہ کا اجتماع!

"لیاقت نہرو پیکٹ" کے بعد بڑی حد تک ہند اور پاکستان کے درمیان جنگ و پیکار کے امکانات اگر بالکل ختم نہیں ہوئے تھے تو بڑی حد تک کم ہو گئے۔

لیکن دفعتہً!

لیکن ایک روز دفعتہً یہ معلوم ہوا کہ حکومت ہند کی بکتر بند فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر ڈیرا ڈالے پڑی ہیں، ہر آن اور ہر لمحہ اس کا امکان ہے کہ دونوں میں جنگ چھڑ جائے، کیوں کہ یہ اطلاع ملتے ہی پاکستان نے بھی اپنی فوجیں "جواب آں غزل" کے طور پر سرحدات پر مجتمع کر دی تھیں اور ہر قسم کے حالات کا

مقابلہ کرنے کے کا نہایت سنجیدگی کے ساتھ اعلان کر دیا تھا۔

پریس کانفرنس

۱۵ رجولائی ۱۹۵۱ء کو، لیاقت علی خاں نے، اپنی قیام گاہ پر ایک پریس کانفرنس طلب کی، اس کانفرنس میں انھوں نے صورتِ حال کی پوری پوری وضاحت کر دی،

انھوں نے بتایا:۔

"مشرقی پنجاب اور جموں وکشمیر میں ہندوستان کی فوجوں کا اجتماع ہوا ہے، اس فوجی نقل وحرکت سے ہندوستان کی فوجوں کا بیشتر حصہ پاکستان کی سرحد کے سامنے جمع ہوگیا ہے، خاص طور سے ہندوستان کی بکتر بند فوج اس طرح آگے بڑھ آئی ہے کہ مغربی پاکستان پر آسانی سے حملہ آور ہو سکتی ہے، اس سے پاکستان کے تحفظ اور بین الاقوامی امن کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

مزید وضاحت!

آگے چل کر لیاقت علی خاں نے کہا:۔

یاد ہوگا کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہندوستانی فوج کے اس قلیل تر حصے کے پاکستان کی سرحدوں کے پاس اجتماع سے ایسی نازک صورت حال پیدا ہوگئی تھی کہ خود وزیر اعظم ہندوستان کے قول کے مطابق

دونوں ملک جنگ کے قریب پہونچ گئے تھے۔

میں گزشتہ تمام سال وزیراعظم ہندوستان کو جنگ نہ کرنے کے ایک موثر اعلان پر آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا، جس کے تحت ہندوستان پاکستان کے درمیان تمام تنازعات تسلیم شدہ پُرامن طریقوں یعنی گفت و شنید، مصالحت اور ثالثی کے ذریعہ طے ہوتے، بدقسمتی سے وزیراعظم ہندستان نے وہ فارمولا قبول نہیں کیا، جو میں نے پیش کیا تھا اور جس سے دونوں ملکوں کے درمیان تمام تنازعات فیصل ہونے کا ایک موثر طریقہ طے ہو جاتا ہے۔

ہند و پاکستان!

پھر لیاقت علی خاں نے جتایا:۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سب سے اہم اور سب سے خطرناک تنازعہ جموں اور کشمیر کی ریاست کے متعلق ہے۔ اس ریاست کا سب سے زیادہ آباد اور قیمتی حصہ ہندوستان کی فوجوں کے قبضہ میں ہے۔

اس بین الاقوامی راضی نامہ کے بالکل برعکس جو کمیشن اقوام متحدہ برائے ہندوستان و پاکستان کی قرارداد مورخہ ۱۳راگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء میں درج ہے ہندوستان کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹانے سے مسلسل انکار کرتا رہا اور فوجی ذرائع سے کشمیر پر اپنا غیر منصفانہ قبضہ قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

پاکستان نے تنازعہ کشمیر کا پُرامن تصفیہ کرنے کے لئے مجلس تحفظ اور اس کے

نمائندوں سے پوری طرح اشتراک عمل کیا کہ کشمیر کے باشندے ہر خوف اور جبر سے آزاد ہو کر اپنا حق خود ارادیت استعمال کر سکیں۔

ضد اور معاملہ فہمی!

حالات پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے، لیاقت علی خاں نے بتایا:۔

"اس پالیسی کے مطابق پاکستان نے مجلس تحفظ کی ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء کی قرارداد قبول کر لی جس کے تحت ڈاکٹر گراہم کو مجلس اقوام کا نمائندہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس قرارداد میں دونوں ملکوں سے کہا گیا تھا کہ وہ تمام ممکنہ اقدامات کریں کہ ایسا ماحول پیدا ہو اور قائم رہے جو مزید گفت و شنید کی ترغیب کے لئے سازگار ہو اور ایسے فعل سے باز رہیں جس سے منصفانہ اور پُر امن حل پر بُرا اثر پڑنے کا امکان ہو۔۔۔"

ہندوستان نے یہ قرارداد نامنظور کر دی اور سلامتی کونسل کی خواہشات نظر انداز کرنے پر تُلا نظر آتا ہے، وہ عمداً ایسی صورت حال پیدا کر رہا ہے، جو منصفانہ اور پُرامن حل کے منافی ہے، اس مقصد کے پیش نظر وسیع پیمانے پر یہ پروپیگنڈا شروع کیا گیا کہ پاکستان کے اخبارات اور پاکستانی جمہور کو ہندوستان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھڑکا رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی اخبارات اور ہندوستانی قائدین جنگ کے لئے ان سے کہیں زیادہ سنگین اور پُرزور طریقے پر اشتعال پیدا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد نشر و اشاعت کی ایک مہم شروع کی گئی جس کا مقصد چند سرحدی

حادثات کو حد سے زیادہ اچھالنا اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ ڈھائی سال میں جموں اور کشمیر میں جنگ بندی کے خط پر ہندوستانی فوجوں کی وجہ سے بیکڑوں حادثے رونما ہوئے۔

سوچی سمجھی اسکیم!

لیاقت علی خاں نے یہ بھی کہا کہ:۔

پاکستانی سرحدوں پر ہندوستانی فوجوں کا جو زبردست اجتماع ہوا ہے اس کی روشنی میں اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام پروپگنڈا پہلے سے تیار کئے ہوئے منصوبے کا جزو تھا اور اس کا مقصد ہندوستانی فوجوں کی پیش قدمی پر پردہ ڈالنا تھا، اب یہ دنیا کا کام ہے کہ وہ ہندوستان کے جارحانہ اقدامات کے بارے میں خود ہی فیصلہ کرلے۔

پاکستان نے اپنے افعال سے تمام دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے تنازعات کو منصفانہ اور پُر امن طریقہ پر حل کرنے کا خلوص کے ساتھ خواہش مند ہے، لیکن پاکستان طاقت کے دباؤ سے مرعوب یا متاثر نہیں ہوگا، خدا کے فضل و کرم سے پاکستان نے ہر مصیبت کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے۔

پاکستان کی حکومت اور عوام کو ہر ناجائز مطالبہ کا مقابلہ کرنے اور ہر جائز حق کی حمایت کرنے کے سلسلہ میں اپنی قوت پر اعتماد ہے اور وہ ہر صورت حال کا اسی پُر اطمینان جرأت اور اعتماد سے مقابلہ کریں گے جو ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔"

مختصر لیکن جامع!

لیاقت علی خاں نے اپنے اس مختصر لیکن جامع بیان میں ایک ایک بات کھول کر بیان کر دی، انھوں نے ثابت کر دیا حق پر کون ہے؟ اور باطل کو کس نے اپنا شعار بنا رکھا ہے؟ مصالحت کون چاہتا ہے اور جنگ کے لئے کون منگی لنگوٹ کس رہا ہے۔؟ معاملہ فہم کون ہے؟ اور ہٹ دھرمی کس کی سرشت میں داخل ہے؟

لیاقت علی خان کے اس بیان نے نہ صرف پاکستان میں نہ صرف ہندوستان میں ایک تہلکہ برپا کر دیا بلکہ امریکہ، برطانیہ اور ممالک غیر کے اخبارات نے جو تبصرے کئے اُن سے صاف معلوم ہو گیا کہ دنیا کی رائے عامہ ہند کے ساتھ نہیں ہے، پاکستان کے ساتھ ہے اس لئے کہ پاکستان نے کوئی اقدام کبھی ایسا نہیں کیا جو دھاندھلی "MIGHT IS RIGHT" کی ذہنیت کا آئینہ دار ہو، اور ہندوستان نے قدم قدم پر یہی ثابت کیا کہ وہ چونکہ اپنے تئیں طاقتور سمجھتا ہے لہٰذا وہ حق وصداقت کو کچلنے میں دریغ نہیں کرے گا، اگرچہ وہ حق اس کے ساتھ نہ ہو، گویا ایک مشہور جرمن سپہ سالار کے الفاظ میں ہندوستان کا عقیدہ بھی یہ تھا اور ہے کہ ______ خدا بڑی فوج کے ساتھ رہتا ہے!

باب ۱۵

قیل وقال!

ہم جانتے تھے جو وہ کہینگے جواب میں!

چاہئے یہ تھا کہ ہندوستان اس انکشاف راز کے بعد اپنی نوجیں ہٹا لیتا، اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتا، صلح و صفائی کی کوشش کرتا اسلئے کہ زیادتی اس کی طرف سے ہوئی تھی۔

لیکن ایسا نہیں ہوا!

مساعی صلح!

اور دنیا کے عام رواج کے بالکل خلاف لیاقت علی خاں نے محض اپنی شرافت نفس اور جذبات مصالحت سے مجبور ہو کر صلح و مفاہمت کی پنڈت نہرو سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی، اس سلسلہ میں جنگ نہ کرنے کا اعلان،

زیر بحث آیا پہلے تار کے ذریعہ تبادلۂ خیال ہوا پھر خط و کتابت تک نوبت پہنچی لیکن بات وہیں کی وہیں رہی۔

اسلئے کہ جواہر لال صرف نمائش چاہتے تھے۔ لیاقت علی خان

حقیقت۔!

جواہر لال صرف الفاظ سے کھیلنا چاہتے تھے، اور لیاقت علی خان الفاظ کے ساتھ عمل کے بھی جویا تھے۔

لیاقت علی خاں کے اشارے:

۲۵ جولائی ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان نے جواہر لال کے اعتراضات اور جوابات کا جو جواب الجواب دیا اس کے متعدد پہلو اصل مسئلہ کے سلسلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، خلاصتہً ان میں سے ہر ایک پر ہم گفتگو کریں گے۔ لیاقت علی خان نے اپنی تحریر میں صرف بعض اہم مسائل سے متعلق اشارے کئے ہیں، ان کی روشنی میں ایک طویل اور ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، جس کا مطالعہ ہر ناواقف حال کے لئے چشم کشا ثابت ہو سکتا ہے۔

حربی بجٹ!

لیاقت علی خاں نے پنڈت نہرو کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔!

دفاع کے بجٹ بابت ۱۹۵۰-۵۱ء کی بحث میں آپ کے وزیر دفاع نے یہ یقین دلایا تھا کہ فی الحال ہم اپنی بری، بحری یا ہوائی فوج کی طاقت

کم کرنا نہیں چاہتے "

یہ امر اس واقعے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ فوج کے متعلق بجٹ کا ابتدائی تخمینہ سنہ ۵۱-۱۹۵۰ء میں ۱۲۱ کروڑ روپے تھا اور ترمیم شدہ بجٹ ۱۴۴ کروڑ روپے تک پہنچ گیا۔

دھاندھلی!

پھر لیاقت علی خان نے اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا!

تقسیم ملک کے وقت ہندوستان کی مسلح افواج کی طاقت پاکستان سے دگنی تھی، اسکے بعد آپنے اس تفاوت کو بڑھانے کی مسلسل کوشش کی ہے اس کے لئے آپنے نہ صرف اپنی مسلح افواج میں متواتر اضافہ کیا بلکہ پاکستانی افواج کو وہ اسٹور دینے سے انکار کرکے بے دست و پا بنانے کی بھی کوشش کی جو تقسیم ملک کے معاہدے کی رو سے اس کا جائز حصہ تھا، چنانچہ پاکستان کو اس ساز و سامان کی خریداری پر کافی رقوم خرچ کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جو ہندوستان نے ناجائز طریقے سے روک لیا۔

اس کے باوجود پاکستان کے دفاع کے بجٹ کے اضافے ان اضافوں کے نصف سے بھی کم ہیں جو ہندوستان کے دفاع کے بجٹ میں ہوئے ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا حقائق کا منہ چڑھانا ہے کہ پاکستان کے اقدامات کی وجہ سے آپنے اپنی مسلح فوجوں میں کمی نہیں کی دونوں ممالک کی مسلح فوجوں میں تفاوت کی وجہ سے یہ کہنا قطعاً مضحکہ خیز ہے کہ پاکستان کی جانب سے ہندوستان

پر حملہ کا کوئی خطرہ ہے۔

طاقت حق نہیں!

پھر لیاقت علی خان نے کہا:۔

آپ باشندگان کشمیر کو طاقت کے ذریعہ فیصلہ نافذ کرنا چاہتے ہیں، اگر پاکستان نیز کشمیر کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح فیصلہ نافذ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے تو وہ اپنے جائز اور غیر منفک حق پر زور دینے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر رہے ہیں۔

دوسرے طریقے!

انڈین پارلیمنٹ میں پنڈت نہرو نے "دوسرے طریقے" اختیار کرنے کی جو معصومانہ دھمکی دی تھی اس کے بارے میں لیاقت علی خان نے کہا:۔

گزشتہ سال ہندوستانی پارلیمنٹ میں کشمیر اور بنگال کے متعلق تقریر کرتے ہوئے آپ نے پاکستان کا ذکر کیا تھا کہ "ہم نے جو طریقے پیش کئے ہیں انھیں منظور نہ کیا گیا تو ممکن ہے ہمیں دیگر طریقے اختیار کرنا پڑیں"۔

آپ کے سامعین اور تمام دنیا پر یہ بات واضح تھی کہ آپ کن "دیگر طریقوں" کا ذکر کر رہے ہیں۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں نئی دہلی کی ایک پریس کانفرنس میں آپ نے اس سوال کے جواب میں کہ اگر ہندوستان اور پاکستان کی فوجیں یکساں ساتھ نہ ہٹائی گئیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ہندوستانی

فوجیں تمام کشمیر پر قبضہ نہ کر لیں گی۔ آپ نے کہا تھا کہ ”اگر کشمیر کے کسی حصہ کو کوئی خطرہ ہوا تو پورے کشمیر پر قبضہ کرنا ان کا کام ہوگا۔“

اصل عِلّت!

ہندوستان اور پاکستان کے مابین روز افزوں تلخی اور کشیدگی کی اصل علّت کیا ہے؟ لیاقت علی خاں نے بتایا:۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کشمیر میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی آزادانہ و غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ منعقد کرنے کے متعلق اپنے بین الاقوامی وعدے کو پورا کرنے سے انکار کر رہا ہے، اس میں پورا ریکارڈ واضح ہے اور تمام دنیا اسے اچھی طرح جانتی ہے۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی ۱۳ / اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ / جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے کی ہر کوشش ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام رہی۔

ان دونوں قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ ریاست جموں اور کشمیر کا ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ آزادانہ و غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کے جمہوری طریقہ سے کیا جائے گا۔“ اور ہندوستانی و پاکستانی افواج کو ہٹانے نیز اقوام متحدہ کے زیر اہتمام آزادانہ استصواب رائے عامہ کے انعقاد کے لئے بہتر حالات پیدا کرنے کے لئے ان قراردادوں میں ایک واضح طریق کار پیش کیا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کے کمیشن سلامتی کونسل، اقوام متحدہ کے نمائندے، سراوون ڈکسن اور دولت مشترکہ کے وزراء، سب نے عسکری نظام ختم کرنے اور آزادانہ استصواب رائے عامہ کے انعقاد کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ پر مکمل درآمد کرانے کی کوششیں کیں ان میں سے ہر ایک کی پیش کردہ تمام تجاویز کو پاکستان نے تسلیم کیا اور ہندوستان نے مسترد کر دیا، ان حالات میں یہ کہنا کہ پاکستانی افواج کی موجودگی پر امن حل کی راہ میں حائل ہے، حقائق کے بالکل منافی ہوگا۔

ہم نے بین الاقوامی معاہدے کے تحت ہندوستانی افواج کی واپسی کے ساتھ اپنی فوجوں کو واپس بلا لینے کو منظور کر لیا ہے، ہم اس معاہدے کے ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو تیار رہیں بشرطیکہ ہندوستان بھی ایسا ہی کرے۔

"نہ کھینچو تم جو اپنے کو ....!

لیاقت علی خاں نے آگے چل کر کہا:۔

سارے جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ آپ باشندگان کشمیر کی خواہشات نیز بین الاقوامی ذمہ داریوں سے بے پروا اور کشمیر پر طاقت کے ذریعہ قبضہ کرنے کی کوشش میں کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹانے سے مسلسل انکار کرتے رہے ہیں، مہاراجہ کے پیش کردہ ناجائز معاہدۂ الحاق کے پردے میں آپ کی مسلح افواج کا کشمیر پر قبضہ کرنا پاکستان اور باشندگانِ کشمیر کے خلاف ایک جارحانہ اقدام تھا۔

کشمیر پر اپنے قبضہ کو طاقت کے ذریعہ مستقل بنانے کے سلسلے میں آپ کی کوششوں

سے بین الاقوامی امن کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

کشمیر کی مجلس دستور ساز!

پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کی نام نہاد مجلس دستور ساز کے بارے میں لیاقت علی خاں نے کہا:۔

اب آپ اس جھوٹے دعوے کو ایک ایسی مصنوعی مجلس دستور ساز کا سہارا دے رہے ہیں جسے ہندوستانی سنگینوں کے سایہ تلے اور ہندوستان کے زیر اقتدار نظم و نسق کی جانب سے طلب کیا جا رہا ہے، اس طور پر آپ بین الاقوامی معاہدے کی قطعی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور سلامتی کونسل کی مزاحمت کے باوجود اسے ایک فیصلہ شدہ امر کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔

عزم واثق!

پنڈت نہرو کی دراز دستیوں، زیادتیوں اور خلاف آئین سرگرمیوں کو بے نقاب کرنے کے بعد لیاقت علی خاں نے اپنے، اپنی قوم کے، اپنی خدمت کے اور اپنے ملک کے اس عزم واثق کا اظہار کیا کہ۔

پاکستان ہندوستان کو کشمیر پر بذریعہ طاقت قبضہ نہیں کرنے دے گا، اور باشندگان کشمیر ہی آزادانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا کشمیر ہندوستان سے الحاق کرے گا یا پاکستان سے۔ پاکستان باشندگان کشمیر کو ان کے مستقبل کے متعلق آزادانہ طور پر فیصلہ کرنے کا حق دلانے کے لئے

ہر ممکن کوشش جاری رکھے گا اور جب تک انھیں یہ حق نہ دلائے گا چین سے نہ بیٹھے گا، مسئلہ کشمیر کے متعلق اس رویہ اور اس عزم کا پاکستان میں بار بار اظہار کیا گیا ہے اور انھیں بین الاقوامی امن اور خود ارادیت کے جمہوری اصول کے احترام سے تقویت پہونچتی ہے۔

ناقابل تسلیم!

پھر لیاقت علی خاں نے پنڈت نہرو کے ایک اور غلط اور بے بنیاد دعوے کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑائیں۔ انھوں نے کہا۔

آپ کا یہ دعویٰ کہ کشمیر ہندوستانی علاقہ کا ایک جزو ہے قطعی غلط اور ناقابل تسلیم اور اس بین الاقوامی معاہدہ کے قطعاً برخلاف ہے جسے ہندستان اور پاکستان نے تسلیم کرلیا ہے اور جس کی رو سے ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا مسئلہ آزادانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعہ حل ہونا چاہیے۔

کیا ہو رہا تھا؟

لیاقت علی خاں جس طرح پاکستان کی صورت حال سے پوری طرح واقف تھے اس سے کسی طرح کم وہ ہندوستان کے حالات سے واقف نہیں تھے، انھوں نے بتایا۔

جس وقت ہندوستان نے پاکستان کی سرحدوں کے مقابل اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کردیں اس وقت پاکستان نے ہندوستان کی سرحدوں کی جانب

فوجوں کی کوئی نقل وحرکت نہیں کی تھی، دراصل آپ پاکستان کی سرحدوں پر اپنی فوجوں کو جمع کرنے کی تیاری میں مہینوں پہلے سے سازوسامان اور ذخائر جمع کر رہے تھے، اڈے قائم کر رہے تھے اور سڑکیں بنوا رہے تھے، یہ تمام تیاریاں احتیاط سے سوچے سمجھے ہوئے ایک منصوبے کا جزو تھیں، اور پاکستان کے خلاف سابق پروپگنڈہ کی مہم ہندوستان کی مسلح طاقت کے مظاہرہ کی تمہید اور اس کا پردہ تھی۔

ہندوستانی اخبارات مسلح طاقت کے اس مظاہرے کو بڑے شوق کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور اس مہم میں بے کار مبتلا ہیں کہ باشندگان پاکستان اور کشمیر اس دھمکی میں آ جائیں گے۔

غلط دعویٰ!

جارحانہ یا مدافعانہ؟ ———— یہ تھا پاکستانی سرحدات پر ہندی فوجوں کے اجتماع کا اختلافی نکتہ، پنڈت نہرو اسے مدافعانہ قرار دیتے تھے، اور لیاقت علی خاں اسے جارحانہ قرار دیتے تھے ————

چنانچہ انھوں نے کہا۔

آپ کا دعویٰ ہے کہ یہ محض حفاظتی اور دفاعی اقدامات ہیں، آپ کی فوجوں کا اجتماع اور ترتیب اور آپ کی تمام بحری بند فوج کا اتنا قریب جمع ہونا کہ پاکستان پر آسانی سے حملہ کیا جا سکے۔ واضح طور پر جارحانہ نوعیت رکھتا ہے۔

بنیادی اختلاف!

جنگ نہ کرنے کے اعلان پر بھی لیاقت علی خاں اور پنڈت نہرو کے مابین ایسا ہی اختلاف تھا جسے بنیادی اور اساسی کہا جا سکتا ہے، پنڈت نہرو صرف اعلان کافی سمجھتے تھے، اور لیاقت علی خاں اسپر بضد تھے کہ اعلان کے ساتھ ساتھ ایسی پابندیاں بھی طرفین قبول کرلیں جو اس اعلان کو غیر متزلزل بنا دیں۔

لیاقت علی خاں نے کہا:-

جنگ نہ کرنے کے اعلان کے متعلق یہ ہے کہ آپ جنگ نہ کرنے کا ایسا موثر اعلان منظور کرنے کو تیار نہیں ہیں جو تنازعات فیصل کرنے میں مختلف صورتوں میں طاقت کے استعمال کرنے کا امکان ختم کردے اور جو تنازعات فیصل کرنے کے لئے موثر طریقے قائم کرے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، میں نے آپ سے صرف یہ کہا تھا کہ اگر کسی تنازعہ کا فیصلہ گفت وشنید اور مصالحت سے نہ ہو سکے تو ثالثی کو منظور کیا جائے۔

پہلی شرط!

لیاقت علی خاں نے بغیر کسی جھجک کے صاف اور واضح الفاظ میں پنڈت نہرو کو جتا دیا!

کہ موجودہ کشیدگی دور کرنے کے لئے آپ کے لئے پہلا اور انتہائی اہم اقدام یہ ہے کہ آپ اپنی فوجوں کو ہٹا کر اُن عام مقامات پر پہونچا دیں جہاں وہ امن کے زمانے میں رہتی ہیں، اگر آپ ایسا کریں تو میں بھی فوجی نقل و حرکت ختم کرنے کو تیار ہو جاؤں گا، جسے میں پاکستان کی سرحدوں پر آپ کی فوجوں کے اجتماع کے بعد شروع کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

نکات پنجگانہ!

آخر میں لیاقت علی خاں نے ہندوستان اور پاکستان کے روبکار تعلقات کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے حسب ذیل پانچ تجویزیں پیش کیں۔

دونوں ملکوں کے درمیان پر امن فضا پیدا کرنے اور مستقل بنیاد پر دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اس وقت سرحدوں پر جو فوجیں جمع ہیں انھیں فوراً ہٹا کر اُن عام مقامات پر پہونچا دیا جائے جہاں وہ امن کے زمانے میں رہتی ہیں۔

۲۔ ایسا ہونے کے فوراً بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں کو اپنے اس معاہدہ کا اعادہ کرنا چاہئے کہ ریاست جموں اور کشمیر کے ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا مسئلہ اقوام متحدہ کے زیر انتظام ایک آزادانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کے جمہوری طریقہ سے حل کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے مزاحمت اور تاخیر کئے بغیر دونوں حکومتوں کو وہ تمام ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کر دینی چاہئے جو انھوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن

برائے پاک و ہند کی ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں کے تحت اپنے اوپر لی تھیں۔

یہ قراردادیں جنگ بندی کے معاہدے کی تعمیل اور ریاست سے ان کی مسلح فوجیں ہٹانے نیز ان متفقہ قراردادوں کی تشریح اور نفاذ کے متعلق اختلاف رائے کی صورت میں سلامتی کونسل کے فیصلہ کی منظوری پر مشتمل تھیں۔

۳۔ دونوں حکومتوں کو یہ بھی اعلان کرنا چاہئے کہ وہ کسی دوسرے تنازعوں کا فیصلہ کرنے میں طاقت استعمال کرنے سے گریز کریں گی اور اگر ایسے تنازعے گفت و شنید اور مصالحت سے فیصل نہ ہوئے تو انھیں ثالثی یا عدالتی فیصلہ کے ذریعہ طے کرائیں گی۔

۴۔ دونوں حکومتوں کو ۸ر اپریل کے معاہدۂ دہلی بالخصوص اس کی دفعہ کے تحت سنبھالی ہوئی ذمہ داری کا اعادہ کرنا چاہئے کہ وہ "دونوں میں سے کسی ملک میں ایسے پروپگنڈے کی اجازت نہیں دیں گی جو دوسرے ملک کی علاقہ جاتی سالمیت کے خلاف ہوں یا ان کے درمیان جنگ کرا دینے کے لئے ہو اور ہر اس شخص یا ادارہ کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کریں گی۔ جو اس طرح کے پروپگنڈے کا مرتکب ہوگا۔

۵۔ دونوں حکومتوں کو اعلان کرنا چاہئے کہ وہ کسی حالت میں بھی دوسرے ملک کے علاقہ پر حملہ یا یورش نہ کریں گی۔

بے نتیجہ!

یہ صحیح ہے کہ لیاقت علی خاں کی ایک بات بھی پنڈت نہرو نے نہیں مانی

لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ایک مرتبہ پھر دنیا کے بڑے بڑے مدبروں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کردیا کہ پاکستان کا موقف معقولیت اور صداقت ہے، ہندوستان کا موقف صرف سرکشی اور ضد!

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ ہم اک حرفِ غلط
لیک اُٹھے بھی تو اک نقش بنا کے اُٹھے!

باب ۱۶

یوم وفاع!

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم!

لیاقت علی خاں کی ہر اپیل رائگاں گئی، ہر کوشش بے کار گئی، —— اب لیاقت علی خاں کا فرض کیا تھا —؟

احساسِ فرض!

اب لیاقت علی خاں کا فرض یہ نہیں تھا کہ قوم کو جگا کر خود سو جائیں یہ تھا کہ خود بیدار رہ کر قوم کو بیدار رکھیں۔

چنانچہ ۲۷؍ جولائی ۱۹۵۱ء کو جہانگیر پارک کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا حاضرین کی تعداد کم و بیش ۲ لاکھ تھی، ہر چہار طرف سے

لوگوں کا سیلاب اُمنڈا چلا آرہا تھا کہ اپنے محبوب وزیر اعظم کی تقریر سنے، اُسکے ہدایات سے واقف ہو اور اُسے اپنے تعاون کا یقین دلائے۔

لیاقت کی تقریر!

اس موقع پر لیاقت علی خاں نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی: اپنی اس تقریر میں انھوں نے کہا :-

"سب سے پہلے میں تمھارے اسلامی جوش کا خیر مقدم کرنا چاہتا ہوں، بھائیو قائد اعظم کے الفاظ یاد رکھو یعنی اتحاد، تنظیم اور یقین محکم، ایک قوم کی آزادی کے لئے یہ تینوں چیزیں نہایت لازمی اور ضروری ہیں، ہم اس وقت جبکہ ایک کرٹیکل CRITICAL دور سے گذر رہے ہیں ہمارے لئے تنظیم نہایت ضروری ہے، عظیم الشان مجمع کی تنظیم کو دیکھ میں بہت خوش ہوا ہوں۔

جنگ یا صلح؟

پھر انھوں نے کہا اور دل کی گہرائی کے ساتھ کہا :-

"بھائیو! ہم کسی کے خلاف جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ ہم امن و آشتی چاہتے ہیں، مگر امن کے نام پر اپنی آزادی اور پاکستان کی بقا کو قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہم نے ہمیشہ ہر مسئلہ کا حل امن کے ساتھ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہمارے مخالفین یہ سمجھتے ہیں

کہ پاکستان کے ۸ کرور باشندے کسی کے دباؤ میں آسکتے ہیں تو وہ بلی کی طرح چھیچھڑوں کا خواب دیکھ رہے ہیں،

ہم نے ہمیشہ انصاف چاہا اور ہم ہمیشہ انصاف چاہتے ہیں مگر جب تک پاکستان کے ایک فرد کا بھی سر اس کے تن پر قائم ہے وہ سر ناانصافی اور تشدد کے سامنے نہیں جھکے گا۔

بیتاب مجمع!

اس مجمع کو لیاقت علی خاں کے دیدار سے لیاقت علی خاں کی گفتار سے سیری نہیں ہوئی، یہ اپنے عزم وفا اور عزم جہاد کا یقین دلانے کے لئے لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر پہونچا، اس نے نعرے لگائے اس نے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، اس نے اپنے محبوب وزیر اعظم کو یقین دلایا کہ وطن کی حرمت پر ہم کٹ مرنے کو تیار ہیں، وطن کے دفاع کے لئے ہم جیب کی آخری پائی اور خون کا آخری قطرہ بھی نثار کر دیں گے۔ ہم فاقے کریں گے تکلیفیں سہیں گے، خندہ جبینی کے ساتھ مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرینگے، لیکن اپنے مقدس وطن کی آزادی اور خود مختاری پر آنچ نہیں آنے دیں گے ہر قیمت پر ہم اپنے وطن کو پنجۂ اغیار سے بچائیں گے، اور اس کا پرچم بلند رکھیں گے۔

لیاقت کی آمد!

مجمع کا یہ جوش و خروش اور عزم و ثبات دیکھ کر لیاقت علی خاں پھر

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
بزم حق و باطل میں تو تلوار ہے مومن

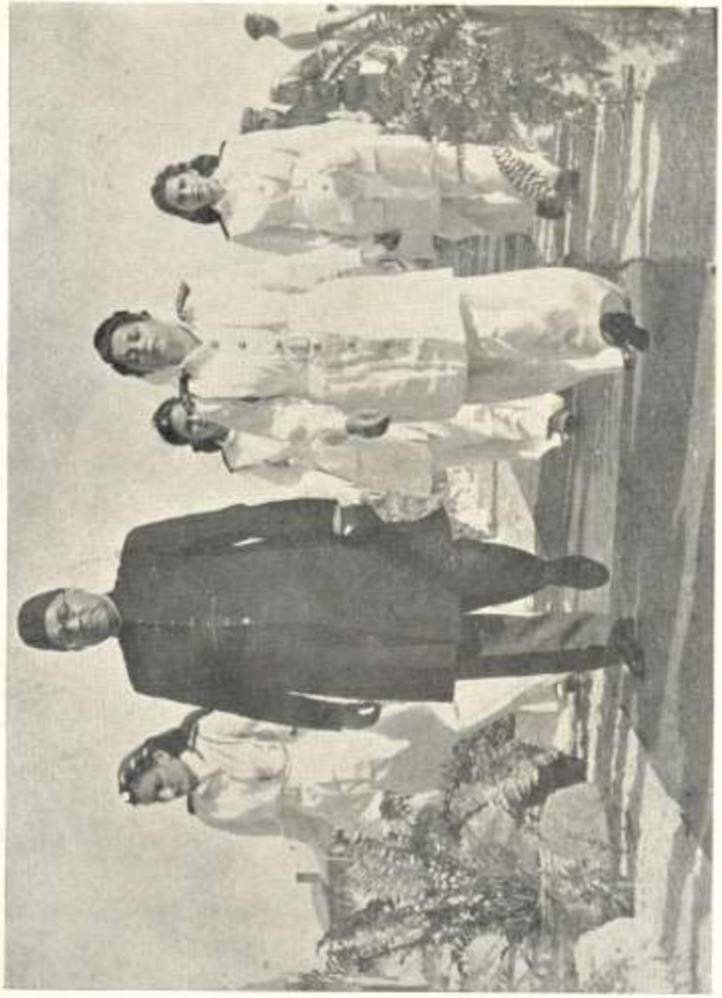

باہر آئے۔ انھوں نے ایک بہت موثر تقریر کی۔

انھوں نے کہا :۔

"ہم تلوار سے نہیں لڑتے، توپ سے نہیں لڑتے، ہم خدا کے فضل کے ساتھ لڑتے ہیں یعنی خدا کا فضل ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے، بس میرا یہی پیغام ہے کہ انشاء اللہ جب تک کہ دنیا باقی ہے اس وقت تک پاکستان باقی رہے گا،

نیا نشان!

پھر لیاقت علی خاں نے جوش، اور عزم کے ساتھ اپنے سیدھے ہاتھ کی مٹھی بند کی، اُسے شانہ سے اونچا کیا اور کہا۔

"آج سے ہمارا نشان یہ ہے!"

اور اس کے بعد یہ بند مٹھی، پاکستان کے ہر باشندے کے لئے دفاعی نشان بن گئی،!

شیر کی گرج!

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی!

باب ۱۷

تاریخی تقریر

اپنے آخری قطرۂ خون کی پیش کش!

لیاقت علی خاں نے پاکستان کے چوتھے یوم جشن آزادی (۱۴ اگست ۱۹۵۱ء) کو جہانگیر پارک کراچی کے ایک عظیم الشان جلسہ کے سامنے ایک معرکۃ آرا اور تاریخی تقریر کی تھی، اگر یہ کہا جائے کہ یہ ان کی آخری اہم ترین تقریر تھی تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

اس تقریر کے اہم حصے درج ذیل ہیں:۔

آج ہماری آزادی کو پورے چار سال ہو گئے ہیں، آپ کو یہ آزادی مبارک ہو! بھائیو چار برس ایک قوم کی زندگی میں بالکل ایسے ہیں جس طرح ایک انسان کی زندگی میں چار لمحے، جب سے پاکستان

عالم وجود میں آیا ہے اس کو مختلف قسم کی دقتوں، دشواریوں اور مصائب کا برابر مقابلہ کرنا پڑا، لیکن خدا کا فضل ہے کہ پاکستانی قوم نے ہر دقت کا مقابلہ کامیابی سے کیا ہے، بھائیو آج پاکستان کے سامنے ایک اور مرحلہ درپیش ہے، یعنی ہندستان نے پاکستان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی تمام فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر لاکر جمع کر رکھی ہیں، مگر وہ نادان نہیں سمجھتے (نادانیاں) کہ

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

لیاقت کا خون

میرے پاس دولت نہیں جائداد کا مالک نہیں ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ یہ چیزیں میرے پاس نہیں، انھیں چیزوں کی محبت انسان کے ایمان میں خلل پیدا کر دیتی ہے، میرے پاس صرف ایک جان ہے وہ بھی چار برس سے پاکستان کے لئے وقف کر چکا ہوں، اب میں آپ لوگوں کو کیا دوں؟

صرف یہ وعدہ کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے، پاکستان کی بقا کے لئے، پاکستان کی عزت کے لئے اگر قوم کو خون بہانا پڑا تو لیاقت کا خون اس میں شامل ہوگا۔

بھائیو! جب ہم نے یہ بتایا کہ ہندستان اپنی تمام فوج پاکستان

کی سرحد پر جمع کر رہا ہے اور میں نے پنڈت نہرو کو لکھا کہ یہ جارحانہ عمل ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو محض تحفظ کے طور پر یہ اقدامات کئے جا رہے ہیں، آخر وہ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے پاکستان میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے۔

بھائیو! میں اگر پنڈت نہرو کی جگہ ہوتا، تو میں اس سے مطمئن ہوتا، کہ پاکستان میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے، جنگ کا ذکر نہیں ہوتا ہے، جہاد کے اصلی معنی ہیں کوشش کرنا، جد و جہد کرنا، انصاف کے لئے، سچائی کے لئے، جنگ کے معنی ہیں لوگوں سے لڑنا، ملک گیری کے لئے!

جارحانہ عمل

پنڈت نہرو نے ایک تار میں لکھا ہے کہ تم نے گزشتہ جون میں راولاکوٹ میں ایک بریگیڈ بھیج دیا تھا، حالانکہ یہ بریگیڈ متارکۂ جنگ کے معاہدے سے پہلے وہاں موجود تھا، اُن بے چاروں کو آرام دینے کے لئے پاکستان بلایا گیا تھا، کہ ان سپاہیوں کو آرام ہو جائے گا اور پھر اُن کو اسی جگہ بھیج دیا جائے گا۔ چھپا کر نہیں، چوری چھپے ہمارا شیوہ نہیں (نعرۂ تکبیر) اعلانیہ طور پر اور اقوام متحدہ کے مبصروں کو مطلع کر کے ہم نے ایسا کیا، اس وقت آزاد کشمیر میں ہماری جتنی فوج تھی وہ ہندستان کی اس فوج سے ایک تہائی کم تھی جو اس نے غاصبانہ قبضہ

کے لئے کشمیر بھیج رکھی تھی، میں پوچھتا ہوں، میں نے ایک بریگیڈ بھیجدیا تو پنڈت جی نے نوے فی صدی فوج سرحدوں پر بھیجدی، اگر میں دو بریگیڈ بھیج دیتا، پھر آپ کیا کرتے؟ مگر واقعہ تو یہ ہے کہ یا تو وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا نادان ہے، بے وقوف ہے، اور بے وقوفوں سے بھری ہوئی ہے، یا وہ خود اتنے نادان ہیں کہ سمجھ نہیں سکتے۔ اس قسم کے بیانات سے کوئی ذی عقل انسان متاثر نہیں ہو سکتا، واقعہ یہ ہے کہ ان کی فوجوں کا ہماری سرحدوں پر جمع ہوا ایک ہوا جارحانہ عمل ہے

کشمیریوں کا حق!

ہندستانی لیڈروں کی جس میں پنڈت نہرو بھی شامل ہیں، تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں یہ برائی ہے پاکستان میں یہ خرابیاں ہیں، یعنی یہ کہ پاکستان واقعی اس قدر خراب چیز ہے کہ اسے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ اعلان جنگ نہیں تو اور کیا ہے۔

میں کہتا ہوں چالیس لاکھ کشمیریوں کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ پاکستان یا ہندستان میں شامل ہونے کا فیصلہ خود کریں۔ اب بھی یہ کہتا ہوں، اور میں آگے چل کر بھی یہی کہوں گا۔

اسلام اور جنگ

بھائیو! ہم ہندستان سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ہم کسی ملک سے بھی جنگ نہیں چاہتے ہم کو اپنے

اسلام نے سچائی اور امن کا راستہ بتایا ہے، ہم اس پر برابر چلتے رہیں گے لیکن جیسا کہ میں ایک دوسرے موقع پر کہہ چکا ہوں کہ امن کی خاطر ہم اپنی آزادی کو قربان نہیں کرینگے۔

"قضیۂ زمین برسرِ زمین" آج کا معاملہ ہے اسے آج ہی طے کرنا چاہئے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ پنڈت جی آج کا فیصلہ پانچ سو سال بعد کرنا چاہتے ہیں (قہقہے) لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس وقت بھی اگر کوئی مورخ یہ لکھے گا کہ پاکستان صحیح راستہ پر تھا تو پنڈت نہرو تسلیم نہیں کریں گے، وہ کہیں گے کہ جو کچھ مورخ کہتا ہے، میں اسے منظور نہیں کر سکتا، دنیا بھی وہی مورخ بھی وہی، اور جب کسی قوم میں یہ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس کا حشر نمرود کی طرح ہوتا ہے۔

کشمیر کی جنگ

کشمیر کی جنگ کوئی نہیں جیت سکتا، کشمیر کی جنگ صرف کشمیر کے باشندے جیت سکتے ہیں، کشمیر کی جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کشمیری عوام آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار نہ کر لیں اس وقت پاکستان اس جنگ کو جیتے گا۔

بھائیو! ہم کشمیریوں کو آزاد کرانے کے لئے، انھیں ان کا حق دلانے کے لئے برابر کوشش کرتے رہیں گے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اب پھر اعلان کرتا ہوں کہ چالیس لاکھ کشمیریوں پر کسی کو بزورِ شمشیر

تا بلفں نہیں ہونے دیں گے (تالیاں)

یاد رکھو! اگر ایک دفعہ تم ناانصافی اور تشدد کے سامنے جھک گئے، اگر ایک دفعہ پاکستانیوں نے ناانصافی کو منظور کرلیا تو اس روز تم پاکستان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

بھائیو! ہم راہ راست پر ہیں ہم انصاف پر ہیں، انصاف اور راستی کی ہی فتح ہوتی ہے۔

اقلیتوں سے سلوک!

بھائیو! آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہندستان کے لیڈر (جن میں پنڈت نہرو بھی شامل ہیں) اور اخبارات بار بار کہہ رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی حالت خراب ہے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا، لیکن مشرقی پاکستان کے ہندو خود اس کی تردید کر چکے ہیں اپریل ۱۹۵۰ء میں اقلیتی معاہدہ طے ہوا تھا، اس وقت سے لیکر آج تک پاکستان میں ایک بھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا، کیا پنڈت نہرو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بھی اس معاہدے کے مطابق یہ ذمہ داری قبول کی تھی کہ وہ اقلیتوں کی حفاظت کریں گے، لیکن آج تک ہندستان میں کتنے فساد ہو چکے ہیں۔

دفاعی تیاری:

ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلامی مملکت ہوگا، ہم یہ

کہتے ہوئے ڈرتے نہیں، ہم فخریہ کہتے ہیں، ہم نے بڑی بڑی دقتوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے ہم مشکلات سے نہیں گھبراتے، کیونکہ مسلمان کا اعتقاد ہے، یقین ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، وہ ایک لمحہ پہلے یا ایک لمحہ بعد نہیں آئے گی تو پھر یہ نوے فی صدی فوج چھوڑ اگر سارا ہندستان توپ اور بندوق سے مسلح ہو کر چلا آئے تب بھی ہم کو کوئی فکر نہیں،

میں قوم سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ ہر مرحلہ پر تیار رہیں، ہمیں اپنی حفاظت کے لئے پورا پورا سامان کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارا فرض ہے کہ ایسے لوگوں پر جن کے اعمال نامہ میں جوناگڈھ حیدرآباد اور نیپال شامل ہوں ان پر اعتماد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہئے، مستعد ہو جاؤ، کمربستہ ہو جاؤ اور اپنے روزمرہ کے کام میں مصروف رہو۔

قائد ملت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا، جنگ فوجوں سے نہیں لڑی جاتی بلکہ ہر ایک باشندے کو جنگ میں حصہ لینا پڑتا ہے آپ کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اب کیا ہوگا، اپنے دل و دماغ سے تمام تفکرات دور کر دو، یہ سب میں نے اپنے دل و دماغ پر لے لئے ہیں (تالیاں اور پرجوش نعرے) آپ اپنا کام کرتے رہئے۔

پاکستانی فوج کا عزم!

آپ نے پاکستانی فوج کو ہدیہ تبریک و تہنیت و تحسین و آفرین

پیش کرتے ہوئے کہا، کہ پاکستان کی فوج بابائے ملت قائداعظم کے نظریات کے عین مطابق ہے، ہماری فوج بندوق اور توپ ٹینک اور طیاروں سے مسلح ہوکر ملک کی عزت ووقار اور آزادی کی حفاظت کے فرائض ہی ادا کرنے پر قادر نہیں بلکہ اس نے سیلاب کے زمانے میں پنجاب میں بہترین خدمات انجام دی ہیں۔

آج پاکستانی فوج میں تمام عہدوں پر پاکستانی فوجی افسر ہیں، کمانڈر انچیف، چیف آف دی جنرل اسٹاف، ڈویژنل کمانڈر سب کے سب پاکستانی ہیں۔

تقسیم کے وقت ہمارے حصہ میں صرف چار طیارے آئے تھے لیکن آج بری، بحری اور فضائی تینوں فوجیں مکمل طور پر لیس ہیں انھوں نے فرمایا کہ پاکستانی فوج ہر وقت ملک کی حفاظت، عزت، وقار اور آزادی کے لئے دشمن کے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے تیار ہے۔

افغانستان کی اسلام دشمنی

وزیر اعظم پاکستان نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ افغانستان نے برابر ایسی کوشش جاری رکھی کہ اس کے ہمارے ساتھ تعلقات اور زیادہ خراب ہو جائیں، لیکن ہم نے سکون کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، بھائیو! جیسا کہ میں نے کہا، افسوس ہے کہ افغانستان نہ صرف

ہمارا ہمسایہ ہے بلکہ وہ ایک مسلم ملک بھی ہے ، ہمارے موجودہ تعلقات کی خرابی کی وجہ وہاں کے حکمرانوں کی تنگ نظری ہے جو پاکستان کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں ، لیکن افغانستان کے عوام پاکستان کے دوست ہیں ، وہ پاکستان سے محبت کرتے ہیں ، لیکن حکمران طبقہ اسلام کا دشمن ہے ، اور ہمارے دشمنوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے ۔

باب ۱۸

شہادت!

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن!

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء؛

آج حسب معمول اپنے سرکاری دورہ پر، لیاقت علی خاں روانہ ہوئے، پولیٹیکل سکریٹری صدیق علی خاں اور دوسرے رفقا ساتھ تھے، پرواز کے دوران میں فائلوں کا مطالعہ بھی جاری رہا، مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہا، آئندہ کی اسکیمیں بھی بنتی رہیں، راولپنڈی پہونچنے کے بعد مصروفیت میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا، لیکن وہ اپنے وقت مقررہ پر جلسہ میں پہونچے، اس جلسہ کا انتظام مسلم لیگ نے کیا تھا، یہاں وہ صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے ایک اہم اور معرکہ آرا تقریر کرنے والے تھے۔

سب سے پہلے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا، سپاسنامہ

کے بعد وہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، زبان سے صرف

"برادرانِ ملّت"

کا لفظ نکلا تھا، کہ پستول کا فائر ہوا، اور، ملت پاکستان کی وہ محبوب ہستی، آن کی آن میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔

إنا للہ و انا الیہ راجعون!

قائد ملت شہادت سے چند منٹ قبل

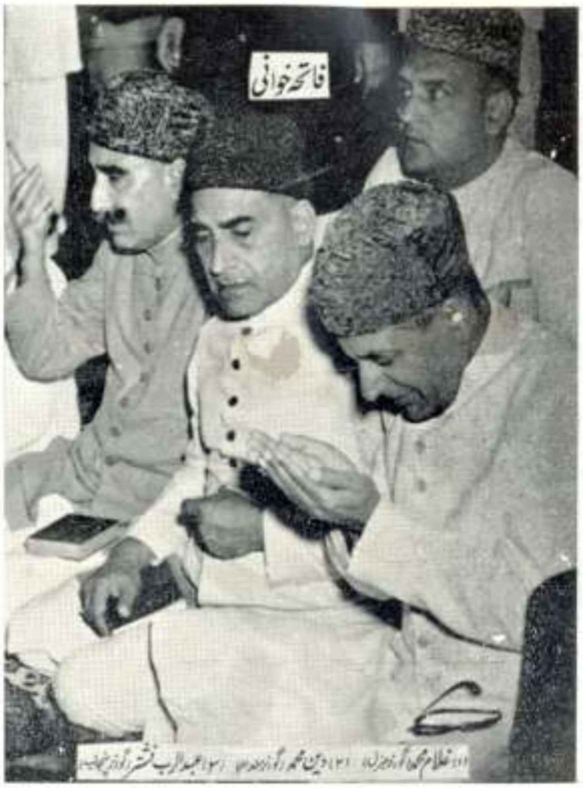

(۱) غلام محمد گورنر جنرل (۲) دین محمد گورنر سندھ (۳) عبدالرب نشتر گورنر پنجاب

تیرے نفس سے ہوئی آتشِ گل تیز تر
مرغِ چمن ۔ ہے یہی تیری نوا کا صلہ

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام　گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش لحد

رعنا بیگم لیاقت علی خاں　مسز حسین امام　محمد علی وزیر خزانہ　خلیق الزمان　ولایت علی خاں

آنکھوں دیکھا حال

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار

راولپنڈی کا وہ عظیم الشان اجتماع جس کی آنکھوں کے سامنے قائدملت نے جام شہادت نوش کیا صرف تماشا پسندوں پر مشتمل نہیں تھا۔

بزم میں اہل نظر بھی تھے تماشائی بھی!

اہل نظر نے حادثہ کا ایک ایک پہلو، اس ہولناک اور قیامت خیز عالم میں، اس ہولناک اور قیامت خیز سانحہ کا دیکھا، اُسے اپنے ذہن ودماغ پر مرتسم کرلیا، اور پھر اُسے قلم کی مدد سے صفحہ قرطاس پر منتقل بھی کرلیا، تاکہ آنے والا مورخ تشنۂ معلومات نہ رہے۔

ذیل میں چند شاہدات عینی کے مشاہدات درج کیے جاتے ہیں۔

باب ۱۹

عینی شہادت!

حادثہ کی دردناک تفصیل!

مسٹر عرفانی نمائندۂ آفاق

۱۶ر اکتوبر کو لیاقت علی خاں پنڈی آرہے تھے، مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع مل چکی تھی کہ قائد ملت راولپنڈی پہنچ کر ایک نہایت ہی اہم اعلان کریں گے، میں ۱۱ بجے چکلالہ کے ہوائی اڈے پر پہنچ گیا، معززین شہر، ایم ایل اے حضرات، مسلم لیگ کے عہدیدار ایک طرف کھڑے تھے، تعلقات عامہ کشمیر کے ڈائرکٹر ضیاء الاسلام، تعلقات عامہ (فوج) کے ڈائرکٹر کمانڈر مقبول اور اے پی پی اور پاکستان ٹائمز کے نمائندے بھی موجود تھے، ایک طرف نواب مشتاق احمد

گورمانی وزیر امور کشمیر، مسٹر یوسف خٹک جنرل سکریٹری پاکستان مسلم لیگ لفٹیننٹ جنرل ناصر علی خاں چیف آف اسٹاف، میجر جنرل یوسف مسٹر انعام الرحیم کمشنر اور دوسرے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک جانب ڈی آئی جی پولیس، خان نجف خاں، ڈپٹی ایس پی عبدالرشید خاں، ڈائرکٹر آف انٹلی جنس چودہری غلام مرتضیٰ اور کچھ اور حضرات کھڑے تھے، میں ان تمام حضرات سے تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ملتا ہوا گراؤنڈ میں داخل ہوا تو قائد ملت لیاقت علی خاں کا ہوائی جہاز زمین کو چھو چکا تھا اور اسی طرف بڑھتا آرہا تھا، کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ ان کی زندگی کا آخری سفر ہوگا۔

جہاز رکا تو مسٹر گورمانی، مسٹر انعام الرحیم اور جنرل ناصر علی خاں آگے بڑھے۔ پہلے وزیر اعظم کے سیاسی سکریٹری نواب صدیق علی خاں اُترے، پھر لیاقت علی خاں سامنے آئے۔ لیاقت کے چہرے پر ہم ہمیشہ جو شگفتگی دیکھا کرتے تھے وہ آج ان کے چہرے پر نہ تھی، چہرے پر زردی تھی، کمزوری تھی اور تھکن کے آثار بہت نمایاں تھے۔

وزیر اعظم ہوائی فوج کے دستہ کی سلامی لینے تشریف لےگئے پھر معززین شہر سے ملنے کے لئے تشریف لائے، کمشنر اور سٹی مسلم لیگ کے صدر نے حاضرین کو آپ سے متعارف کرایا، آپ نے ایک ایک سے ہاتھ ملایا، مگر وہ شگفتگی جو ان کا ہمیشہ سے خاصہ رہی ہے ان کے چہرے پر نہ آئی۔

اخباری نمائندوں میں

ہم لوگوں کے متعلق کمشنر نے اخباری نمائندے کا لفظ کہا تھا تو ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے اخبار اور ادارے کا نام بتایا وہ آگے بڑھے تو ہم ساتھ ساتھ ہو لئے۔ تعارف سے فارغ ہوتے ہی ہم نے انھیں گھیر لیا۔ میں نے ان سے پہلا سوال یہ دریافت کیا۔

"راولپنڈی میں آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟" انھوں نے مسکرا کر اور اپنے روائتی لہجہ میں کہا۔

"آپ لوگوں سے ملنے کے لئے"

پھر پاکستان ٹائمز کے نمائندے نے آپ سے دریافت کیا کہ وزیر صنعت چودہری نظیر احمد کے خلاف تحقیقات کس مرحلے میں ہے۔؟

وزیر اعظم نے قدرے حیرت کا اظہار کیا اور پھر فرمایا۔

"چودہری نظیر احمد کے خلاف کوئی انکوائری نہیں ہو رہی ہے، یہ بات قطعی غلط ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر ایک اور سوال کیا:۔

"پاکستان اور ہندستان کے درمیان جو خلفشار پیدا تھی کیا وہ اب نہیں رہی؟ اور جنگ کے جو امکانات واضح تھے کیا اب ختم ہو گئے ہیں۔؟

وزیر اعظم لمحہ بھر کے لئے سنجیدہ ہو گئے اور پھر نیم مسکراہٹ سے فرمانے لگے۔ اگر یہ بات آپ کو میں اب بتا دوں تو جو پبلک جلسہ ہو رہا ہے اس میں کیا کہوں گا؟ اسکے متعلق میں جلسہ میں بتاؤں گا۔

میں نے آپ سے پھر ہاتھ ملایا اور وہ موٹر کی طرف تشریف لے گئے اور ہم نواب صدیق علی خاں صاحب سے رسمی گفتگو کرنے لگے۔

اگلے روز یعنی ۱۷ اکتوبر کو کیمبل پور کے ایک اہم فوجی تقریب میں قائد ملت کو شریک ہونا تھا، میں نے ان کے قافلے کے ساتھ ہی کیمبل پور جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

میں ہوائی اڈے سے موٹر میں بیٹھ کر کمپنی باغ کے راستے جلسہ گاہ کے انتظامات دیکھتا ہوا دفتر چلا آیا۔

کمپنی باغ میں

کمپنی باغ کا جلسۂ عام ۳ بجے شروع ہونا تھا اور ٹھیک ۴ بجے قائد ملت کو پہونچنا تھا، میں ۳ بجے جلسہ گاہ میں پہونچ گیا، اسٹیج اچھا بنایا گیا تھا اور دائیں طرف لاؤڈ اسپیکروں کا اور بائیں طرف ریڈیو پاکستان کا عملہ تھا۔ ان کے ساتھ ہی اخبارات کے نمائندے بیٹھے تھے، ۴ بجے تک نظمیں وغیرہ ہوتی رہیں اور ہم صحافی آپس میں

ہنسی مذاق وغیرہ کرتے رہے۔ ٹھیک ۴ بجے بینڈ نے قائد ملت کے استقبال کا ترانہ چھیڑا، اور آپ مسلم لیگ نیشنل گارڈ، قومی رضا کاروں پولیس افسروں سی آئی ڈی اور اعلیٰ حکام کے پہرے میں پنڈال میں داخل ہوئے، اسٹیج ایک بڑے قالین سے سجایا گیا تھا، ڈائس پر آتے ہی قائد ملت نے حسب عادت منٹ بھر تک ہجوم کی تسلیمات لیں مگر چہرے پر مسکراہٹ کے بجائے تفکر تھا۔ ڈائس پر ایک ہی کرسی تھی جس پر قائد ملت کو بٹھایا گیا صدر مسلم لیگ نے آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا اور فضا پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، قائد اعظم زندہ باد اور لیاقت علی خاں زندہ باد کے پرجوش نعروں سے گونج اٹھی

جلسہ باقاعدہ شروع ہوا، سب سے پہلے مولانا عارف اللہ خطیب جامع مسجد نے تلاوت قرآن شریف کی، پھر بلدیہ کے صدر شیخ مسعود صادق ایم ایل اے نے ایک سپاسنامہ اہل شہر کی طرف سے پیش کیا جس میں وزیر اعظم کو یقین دلایا گیا تھا کہ راولپنڈی کا ہر فرد حصول کشمیر کے لئے جان قربان کر دے گا۔ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ راولپنڈی کی تعلیمی پس ماندگی دور کی جائے اور مجوزہ دارالعلوم یہیں قائم کیا جائے۔

میں نے بارہا لیاقت علی خاں کو جلسوں میں سپاسنامے سنتے ہوئے دیکھا ہے، مگر اب کے جب سپاسنامہ پیش کرنے والے نے کشمیر اور دفاع وطن کا ذکر کیا تو لیاقت علی خاں کی آنکھوں میں (جو ہر سرد و گرم موقع پر

ایک ہی رفتار نگاہ رکھتی تھیں) ایک ایسا عزم اور ولولہ جھلکنے لگا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آج لیاقت کو بالخصوص اس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے اور میری یہ اطلاع درست ہے کہ وہ کوئی اہم اعلان کرنے والے ہیں چنانچہ میں نے اپنی نوٹ بک اور اپنا قلم سنبھال لئے۔

سپاسنامہ ختم ہونے کے بعد شیخ محمد عمر صاحب نے مختصر سی تقریر کی اور ان ہی خیالات کو دہرایا کہ قوم کو قائد ملت پر کامل ترین اعتماد ہے اور وہ جو بھی حکم دیں گے قوم اس کی کاملاً تعمیل کرے گی۔

لیاقت علی خاں کو ہار پہناتے وقت چند روپہلی تار ان کی ٹوپی کے اوپر اٹک گئے تھے نواب صدیق علیخاں نے انھیں دیکھ لیا اور اٹھ کر بڑے ادب کے ساتھ انھیں درست کردیا۔

حملہ

شیخ محمد عمر کی تقریر ختم ہونے پر وزیر اعظم ایک عظمت و وقار اور سنجیدگی اور عزم و تفکر کا پیکر بنے ہوئے کرسی سے اٹھے اور مائیکروفون کے سامنے اسٹینڈ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے۔ ہر ایک شخص کی نگاہیں ان کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں، انھوں نے "برادران ملت" کا لفظ ابھی کہا ہی تھا کہ ٹھاہ ٹھاہ کی آواز آئی اور قائد ملت لیاقت علی خاں بایاں ہاتھ دل پر رکھے ہوئے تیورا کر بیٹھ کے بل گر پڑے، اسٹینڈ بھی ساتھ ہی گر پڑا، حملہ آور مجھ سے قریباً ۶ گز کے فاصلے پر ان کے بائیں کندھے کے

برابر ترچھا بیٹھا تھا، اس کے گولی چلاتے ہی یکلخت قریبی لوگوں نے اسے پکڑ لیا، حملہ آور نے تین چار گولیاں بعد میں بھی چلائیں جن سے دو تین آدمیوں کی ٹانگوں وغیرہ پر زخم آئے۔ پولیس نے ہوا میں فائر کرنے شروع کر دیے،

یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع اور ایسے یکلخت ہوا کہ کسی کے بھی حواس بجا نہ رہے، اور گویا سب کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

جذبات سے بے قابو ہجوم نے گھونسے لاتیں گملے، لاٹھیاں اور برچھیاں مار مار کر قاتل کی ہڈیاں تک ٹکڑے کر ڈالیں، کچھ لوگ گولیاں چلنے کی دہشت سے منبروں اور اسٹیج کے نیچے چھپ گئے، اور افراتفری پھیل گئی۔ میں فوراً اچک کر اسٹیج پر پہونچ گیا، جہاں وزیراعظم بالکل چت پڑے تھے ان کا چہرہ زرد تھا اور آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں۔

حملہ ہونے کے بعد شیخ محمد عمر نے انھیں سنبھالا دیا اور ان کے گرنے کے بعد جو شخص سب سے پہلے لپک کر اُن تک پہونچا وہ پنڈی کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ہارڈی تھے۔ ساتھ ہی پولیٹیکل سکریٹری نواب صدیق علی خاں، پھر راولپنڈی سول اسپتال کے انچارج ڈاکٹر اقبال انصاری اور راقم الحروف پہونچے۔ پھر پروفیسر عنایت اللہ اور ایک اور ڈاکٹر صاحب جنھیں میں نہیں جانتا۔ مسٹر جاوید نمائندہ پاکستان ٹائمز اور وزیراعظم کے افسر رابطہ مسٹر جمیل پہنچ گئے۔ بہت سے لوگ روتے پیٹتے چیختے چلاتے

تھے، میں نے پیچھے مڑ کر ایک نظر دیکھا۔ قاتل کھڑا تھا اور لوگ اسے دبوچ رہے تھے۔ منٹ بھر بعد میں نے اسے اوندھے منہ پڑے ہوئے اور جوتوں پر برچھیاں کھاتے ہوئے دیکھا۔

حملہ آور

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حملہ آور نے بیٹھے ہوئے گولیاں چلائیں اشنے ریوالور سے نہیں بلکہ پستول سے گولیاں چلائیں اور ظالم نے ۱۶ گز کے فاصلے سے پستول کا ایسا نشانہ لگایا کہ ٹھیک دل کے مقام پر جا کر لگا۔ اس نے ٹھیک اس وقت گولی چلائی جب ہجوم میں سے ہر ایک کی نگاہیں قائد ملت کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ لوگوں کا کہنا ہے۔

کہ انھوں نے قاتل کو کندھے پر پٹھانوں کے رواج کے مطابق چادر رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے چادر کی آڑ سے نشانہ لگایا ہو۔ ویسے قاتل اور شہید ملت کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ قاتل کے ارد گرد کے چند آدمی لامحالہ اسکے ساتھی ہوں گے، کیونکہ کم از کم ہاتھ سیدھا کرتے اور پستول کا رینج لیتے وقت اس کے ساتھی کو پتہ چل جانا ضروری تھا۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ بہت سے لوگ روتے پیٹتے حواس باختہ سخت مغلوب الغضب اور مخبل تھے۔ ڈاکٹر اقبال انصاری پریشانی سے کہنے لگے

گولی کہاں لگی ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ شیروانی دل کے پاس سے تھوڑی سی کٹی ہوئی ہے، چنانچہ میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے مل کر شیروانی کے بٹن کھولے اور انھوں نے قمیص پھاڑ ڈالی، اتنے میں شہید ملت قائد قوم لیاقت علی خاں نے ہونٹوں پر زبان پھیری، ڈاکٹر صاحب نے پانی منگایا، پانی شہید کے منہ کے ساتھ لگایا گیا تو ہم دونوں ان پر جھک گئے، شہید لیاقت علی خاں کے منہ سے آواز آئی۔ "اللہ!" پھر انھوں نے کلمہ تین مرتبہ پڑھا، اس کے بعد لیاقت علی خاں کی زبان سے رک رک کر یہ الفاظ نکلے "پاکستان، پاکستان، خدا پاکستان کا خدا حافظ"

پھر انھوں نے بائیں آنکھ میچ لی، دائیں آنکھ کھلی تھی، ڈاکٹر انصاری نے ہاتھ سے دائیں آنکھ بند کرنے کی کوشش کی مگر پوری بند نہ ہوئی، پھر انھوں نے نبض دیکھی اور قمیض پھاڑ کر دل کی جگہ کان رکھا اور چیخ کر کہا، جلدی اسپتال لے چلو، اس سے یہ امید ہو گئی تھی کہ لیاقت علی خاں شائد بچ رہیں، میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، لیاقت علی خاں ـــــ پاکستان کا معمار، قوم کا قائد، مملکت پاکستان کا وزیر اعظم، قائد اعظم کا دست راست، پاکستان کو چار سال تک دنیا بھر کے حوادث ومصائب کی یورش سے بچائے رکھنے والا، روے زمین کی سب سے عیار اور چالاک قوموں کو سیاست کے میدان میں جکڑ لینے والا مشرق کا مضبوط ترین سیاست داں، مسلمانوں کا پرعزم رہنما اور پاکستان کا قائد، اس نے کہا تھا کہ وہ قوم کے لئے اور پاکستان کی سالمیت کے لئے

خون کا آخری قطرہ قربان کرے گا، اور اس نے بے پناہ ہجوم کے سامنے محرم الحرام کی ۱۳ تاریخ کو شہید کربلا حسین ابن علیؑ کی سنت تازہ کرتے ہوئے اپنی جان ملت کے لئے قربان کردی تھی۔

جتنے لوگ ڈائس پر تھے سب نے لیاقت علی خاں کو اٹھالیا، میں نے ڈائس پر آتے ہی قائد ملت لیاقت علی خاں کی ٹوپی جو ان کے سر کے پاس گر گئی تھی اٹھالی،

ہم سب نے قائد ملت کو اٹھا کر ایک کار میں ڈالا، کار کو ڈاکٹر اقبال انصاری کو مبائنڈ ملٹری اسپتال لے گئے، میں اور مسٹر جاوید دوسری کار میں اسپتال پہونچے۔

اے پی پی کے نامہ نگار کی یہ اطلاع کہ وہ خود موقع پر موجود تھا بالکل غلط ہے)

راستہ بھر لوگ چیخ رہے تھے اور لیاقت کی زندگی کے لئے اپنے بچوں کی زندگیوں کی پیش کش بارگاہ الٰہی میں کر رہے تھے۔

اسپتال اور پھر فوج کا اسپتال کسی کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا حال ہے، تاہم پتہ چلا کہ اپریشن کیا گیا اور دو گولیاں نکالی گئیں، ان کے جسم میں خون بھی داخل کیا گیا، ہم باہر منتظر تھے کہ پہلے شہید ملت کا اردلی بے ہوش ہوگیا، تھوڑی دیر بعد شیخ مسعود صادق بھی صدمہ سے بے ہوش ہوگئے۔

کچھ دیر کے بعد اپریشن روم سے جو لوگ باہر نکلے ان کے چہرے پر کچھ اچھے

تاثرات نہ تھے، تاہم بتایا نہیں گیا کہ وہ زندہ ہیں ۔ میں اور جاوید ایک موڑ لیکر ٹیلیگراف آفس پہونچے ، میں نے آفاق کے لئے کال بک کرائی اور جاوید نے پاکستان ٹائمز کے لئے ۔ دونوں کو کال مل بھی گئی ۔ مگر عین وقت پر مسٹر ضیاء الاسلام ڈپٹی پی آر او رکمانڈر مقبول پہنچے اور ہمیں کال منسوخ کرا دینے کے لئے کہا ۔

میں اب اپنی خبر کے لئے عبارت تلاش کر رہا تھا مگر بالکل سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کیا لکھوں ۔ لفظ سے لفظ اور سطر سے سطر نہیں ملتی تھی عجیب دماغی تعطل تھا ، ایک دوکان پر پہونچکر چائے منگا لی مگر پی نہ جا سکی ہم واپس اسپتال پہونچے تو دروازہ پر فوج کا پہرہ لگ چکا تھا ۔ اور تمام اعلیٰ سرکاری حکام بھی باہر حیران پھر رہے تھے ، یہاں سے ہم مقبول اور ضیاء الاسلام صاحبان کی تلاش میں ناکام رہ کر اے پی پی کے دفتر آئے ، اور لوگ بھی یہاں بیٹھے تھے ، میرے حواس بدستور مختل تھے کہ اتنے میں اے پی پی کے چشتی صاحب نے کریڈ دیکھ کر کہا :۔

P. M. DIED

انا للہ وانا الیہ راجعون

میں یونہی ایک طرف چل پڑا اور صدر بازار نکلا ، ریڈیو پر تلاوت قرآن ہو رہی تھی اور ہر شخص گہرے رنج و الم کی تصویر بنا خاموش تھا بازار بند تھے ، ہڑتال ہوگئی تھی ویسے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان بھی ہو چکا تھا ۔

اے پی پی سے زائد جو اسٹوری معلوم تھی اوٹ پٹانگ سی لکھی اور اکسپرس تار لاہور دے دیا، اے پی پی کو بھی اسٹوری ہم ہی لوگوں نے بتائی تھی۔

تارگھر سے شہر واپس آیا یہ تہ چلا کہ خاکساروں اور دوسرے مشتبہ لوگوں کی گرفتاریاں ہو رہی ہیں، میں اپنے ہوٹل آکر کوئی ۱۱ بجے لیٹا تو سہی مگر صبح تک نیند نہ آسکی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہید ملت، قائد قوم خان لیاقت علیخاں نے اپنی زندگی میں جس عام شخص سے سب سے آخری گفتگو کی وہ پنڈی سٹی مسلم لیگ کا ایک کونسلر تھا، ان کی جو تصویر سب سے آخری گئی وہ ہے جہاں وہ ڈائس پر بیٹھے ہیں، اور صدر بلدیہ شیخ مسعود صادق انھیں سپاسنامہ سنا رہے ہیں۔

اور انھوں نے اپنی زندگی میں سب سے آخر جس اخباری نمائندے سے گفتگو کی، وہ آفاق کا نمائندہ تھا۔

رات بھر پنڈی کے آسمان پر ہوائی جہاز اڑتے رہے اور رات کے ۱۱ بجے کے بعد وہی ہوائی جہاز لیاقت علی خاں شہید کا جنازہ لیکر پنڈی سے روانہ ہوا جو ۱۲ گھنٹے پہلے اسی ہوائی اڈے پر وزیر اعظم لیاقت علی خاں کو اس لئے پنڈی لایا تھا کہ وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک بہت بڑا اعلان راولپنڈی میں کریں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ شہید لیاقت علی خاں نے خود راولپنڈی

میں ایک عام جلسہ سے خطاب کرنے کا ارادہ اور خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

یہ بات کہ ڈائس پر ان کی کرسی کے سوا کوئی کرسی نہ ہو، اور ۵ فٹ سے اونچا اسٹیج ہو، اور اس کے اوپر کوئی شامیانہ نہ ہو، اور اسی طرح ہو کہ تمام حاضرین ان کے سامنے رہیں کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ان کی منشا اور خواہش کے مطابق کیا گیا تھا۔

ہوائی اڈے سے لے کر "برادران ملت" کے آخری الفاظ کہنے تک ان کے چہرے پر شدید سنجیدگی، تھکن اور سب سے زیادہ تفکر اور گہرے تفکر کے آثار نمایاں تھے۔

سوائے اس لمحہ کے جب انھوں نے ایرپورٹ پر میرے سوالوں کا جواب دیا۔

ان کے چہرے پر کسی وقت بھی مسکراہٹ، بشاشت اور شگفتگی نہیں آئی،

ٹھیک یہی سنجیدگی اور تفکر ان کے چہرے پر اس وقت بھی نمایاں تھا جب وہ گولی کھا کر کلمہ شریف اور پاکستان کا خدا حافظ کے آخری الفاظ کہہ کر بے ہوش ہوئے تھے ——— ایک سنجیدگی ایک عزم، ایک وقار، ایک عظمت اور ایک تفکر۔ کراچی والوں شاید ان کا جنازہ پڑھتے وقت ان کے چہرے پر کوئی طمانیت دیکھی ہو۔!

نماز جنازہ
مولانا احتشام الحق نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں
مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر

لحد کی طرف

محمودہ بیگم رستم علی خاں
اپنے لخت جگر لیاقت علیخاں کو قرآن پڑھ کر بخش رہی ہیں

تاثرات و نقوش

باب ۲۰

الہ آباد کے مصلح شاعر نے ایک مرتبہ کہا تھا، اور بہت خوب کہا تھا،

اکبر کی برائی اچھائی پوچھ اسکے محلے والوں سے
دیوان کو اسکا دیکھا ہے وہ شعر تو اچھا کہتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے کردار اور سیرت کا اندازہ اس کی تحریروں اور تقریروں سے نہیں ہوتا، اس کے خیالات و تصورات سے بھی نہیں ہوتا، اس کے افکار دپند سے بھی نہیں کیا جا سکتا، کہ یہ چیزیں صرف سیمیا کی سی نمود رکھتی ہیں ایک آدمی بہت اچھی تقریر کرتا ہے، ایسی اچھی کہ لوگ مبہوت ہو کر اس کی باتیں سنتے ہیں، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس خوش کلامی کے باوجود اس کی سیرت مجروح، اور کردار داغدار ہو، ایک شخص جب لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کے قلم سے پھول جھڑتے ہیں، یا شعلے بہتے ہیں، وہ بزم کا نقشہ کھینچتا ہے تو ایسی گلکاریاں کرتا ہے کہ خزاں میں بہار کا لطف آنے لگتا ہے، اور جب رزم کی تصویر کشی کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خون کا دریا بہہ رہا ہے

تیر و تفنگ چل رہے ہیں، کشتوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں، لیکن اس آرٹ میں کمال رکھنے کے باوجود یہ بہت ممکن ہے کہ جو لوگ صحیح معنیٰ میں اس کے روشناس ہیں وہ اس کے کردار کی کمزوری، اور سیرت کی ناہمواری کے باعث اس سے بیزار اور متنفر ہوں، لہٰذا انسان کی سیرت اور کردار کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ان لوگوں کی رائے کے آئینہ میں اس کے خد و خال کا معائنہ کیا جائے جو اس سے قربت رکھتے تھے، جن کا اٹھنا بیٹھنا اس کے ساتھ تھا، جو اس کی خلوت اور جلوت کے رفیق تھے، جنھوں نے صرف دور سے جلوہ دیکھ کر رائے نہیں قائم کی بلکہ قریب سے، پاس سے نزدیک رہ کر اسے دیکھا، پرکھا، جانچا، اور کھرا پایا، ایسے لوگوں کی رائیں دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کی تکذیب نہیں کی جا سکتی، جن کی روشنی میں صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

لیاقت علی کے دوستوں، مداحوں، عزیزوں، اور خادموں کا حلقہ بہت وسیع ہے، یہ سب اپنے لیڈر، اپنے مخدوم اور اپنے دوست کی محبت میں سرشار ہیں، انھوں نے اسے قریب سے دیکھا اور اچھا پایا، اُن کی رائے میں وزن ہے، اُن کی رائے کی اہمیت دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔

حضرت سرکارِ دوعالم صلعم کے کردار کا سب سے روشن اور تابناک

پہلو یہ ہے کہ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جو آپ کی رفیقۂ حیات تھیں، اور آپ کی سیرت اور کردار کے تمام پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے جو آپ کے دیرینہ دوست، اور خلوت و جلوت کے رفیق تھے، حضرت علیؓ مرتضیٰ تھے جن کی آنکھوں سے آپ کی زندگی کا کوئی واقعہ مخفی نہ تھا، انھوں نے جب آپ کا دعوائے نبوت سنا تو اس کے تسلیم کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں کیا، فوراً ایمان لے آئے، اس لئے کہ ان کے دل میں یہ بات بس گئی تھی کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کے بارے میں صحیح رائے وہی لوگ قائم کرسکتے ہیں، جنھیں زیادہ سے زیادہ قرب حاصل رہا ہو۔

آئندہ صفحات میں بعض ایسے لوگوں کے نقوش و تاثرات درج کئے جارہے ہیں جنھوں نے لیاقت علی کو بہت نزدیک سے دیکھا اور یقیناً یہ نقوش و تاثرات اپنی گراں مایگی کے اعتبار سے ساری کتاب پر بھاری ہیں۔

شہید ملت!

تعلیم سے ۔ سیاست تک

یہ مقالہ سید الطاف علی صاحب مصنف "حیات حافظ رحمت خاں" و سابق مدیر "مصنف" علی گڑھ و موجودہ ایڈیٹر "العلم" کے قلم سے نکلا ہے، اور حق یہ ہے کہ الطاف صاحب نے بڑی ہی خوبی سے اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں، ان میں تاثر بھی ہے اور واقعہ نگاری بھی (م)

"دسمبر ۱۹۴۵ء میں "مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کے سالانہ اجلاس آگرہ میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب صدر ہوئے تو اُن کے نام کے ساتھ "قائد ملت" کا قومی خطاب سب سے پہلے راقم نے اشتہارات میں لکھا لیکن قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کام اور نام کی دھوم دھام کے سامنے وہ کچھ زیادہ چالو نہ ہوا اس کی مقبولیت اس وقت ہوئی، جب حضرت قائد اعظم کے وصال کے بعد ایک سخت طوفانی دور میں انھوں نے ملک قوم

۱۹۳۶ء میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس رام پور میں تھا، ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور صدر استقبالیہ اور ہز ہائی نس سر آغا خاں صدر اجلاس تھے، شعبۂ تعلیم نسواں کی صدارت نواب زادہ صاحب نے فرمائی، اس موقع پر مہمانوں میں ذاتی وجاہت اور شان وشوکت کے اعتبار سے نواب زادہ صاحب کی شخصیت آغا خاں کے مقابلہ میں کچھ کم جاذب توجہ نہ تھی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

صوبائی حکومتوں پر قابض ومتصرف ہونے کے بعد کانگرس نے سب سے زیادہ جس چیز پر توجہ کی وہ یہ تھی کہ رائج الوقت نظام تعلیم کو یکسر بدل دیا جائے، تبدیلی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ بھی چاہتی تھی، لیکن ایسی نہیں کہ مسلمانوں کی زبان کلچر اور ملی انفرادیت کا خاتمہ ہو جائے، لہذا کانگرس کی رسوائے زمانہ واردھا اور ودیا مندر اسکیموں کا کانفرنس اور لیگ دونوں نے مل کر مقابلہ کیا، کانگرس کی ان تعلیمی اسکیموں کا سب سے زیادہ زور یوپی اور سی پی میں تھا، چنانچہ نواب زادہ صاحب نے کانفرنس اور لیگ دونوں جماعتوں میں اعلیٰ اقتدار کے مالک ہونے کی بنا پر بڑی سرگرمی دکھائی، نواب صدیق علی خاں صاحب نے ودیا مندر اسکیم کے خلاف قانون شکنی کا اقدام کیا اور جیل چلے گئے، تو نواب زادہ صاحب

فوراً ناگ پور تشریف لے گئے اور اپنے رفیق نواب صاحب کو تیت سد چھڑا کر مسلمانوں کے حق میں ایک باعزت سمجھوتہ کرایا۔

یوپی میں نئی تعلیمی اسکیم کا زور بندھا اور پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو ۹-۱۰ راپریل ۱۹۳۹ء کو سلطان جہاں منزل علی گڑھ کے ہال میں صوبائی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک خاص اجلاس کی نواب زادہ صاحب نے صدارت فرمائی اور اس موقع پر ایسا ڈپٹ کر خطبۂ صدارت دیا کہ اگر ایک طرف شکستہ دل مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی تو دوسری طرف مخالفین اسلام کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا، اس معرکۃ الآرا خطبہ کا ایک گرج دار فقرہ مجھے اب تک یاد ہے، فرمایا:۔

ہم نے اپنے برادران وطن کی خاطر عربی چھوڑ ہی، ترکی چھوڑ ہی
فارسی چھوڑ ہی، اب کہا جاتا ہے کہ اُردو بھی چھوڑ دو
توہم سے یہ نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا،،

اس اجلاس ہی کے ایک رزولیوشن کی تعمیل میں نواب زادہ صاحب کی صدارت میں کانگرس گورنمنٹ کی شائع کردہ" ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی تنظیم جدید کی رپورٹ،، کا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے جائزہ لینے کی غرض سے ایک سب کمیٹی کا تقرر ہوا، جس کے جلسے ۶ راور ۷ راگست اور ۱۰ رستمبر ۱۹۳۹ء کو علی گڑھ میں ہماری پھوس کی بنگلیا میں ہوے جو میرے مکان اور دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل کے

درمیان چمن میں واقع تھی، اول الذکر تاریخوں میں نواب زادہ صاحب بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور دو روز تک مسلسل ہلوگوں کو ان کی مہمانی کا شرف حاصل رہا، بحث و گفتگو کی روشنی میں سب کمیٹی کی رپورٹ کا مسودہ تیار کرنے کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اس مسودہ پر غور کرنے کے لئے کمیٹی کا دوبارہ جلسہ ہوا، جس میں نواب زادہ صاحب تشریف نہ لاسکے، لہذا نواب صدر یار جنگ بہادر، مولانا سید طفیل احمد صاحب اور خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب کی ہدایت پر میں دلی گیا، حسب معمول مسلم لیگ کے دفتر دریا گنج سے نواب زادہ صاحب کو ٹیلیفون کیا، فرمایا "آ جاؤ"

کوٹھی گل رعنا کے اس حصہ میں جسے ہم لوگ شیش محل کہتے تھے اور جو بائیں باغ کی جانب تھا، نشست ہوئی، مولوی حسن ریاض ایڈیٹر "منشور" بھی موجود تھے، لیموں کے شربت اور سگرٹ سے تواضع ہوئی، پان میرے ساتھ تھے، ایک پان انھوں نے بھی کھایا دیر تک حسن ریاض صاحب سے سیاسیات پر اور مجھ سے علی گڑھ کے بارے میں تبادلۂ خیال فرماتے رہے، پھر رپورٹ پڑھی، کافی غور اور محویت کے ساتھ، بہت پسند کیا، ضروری ترمیمیں بھی کیں، اور دستخط فرما دیئے۔

یہ تھی وہ مشہور "لیاقت علی خاں تعلیمی رپورٹ" جس کا یوپی

اور دلی کے پریس میں مخالف و موافق کافی عرصہ تک چرچا رہا۔ مجھے رخصت کرتے وقت دریافت کیا۔

"اب کہاں جائیے گا؟"

عرض کیا، آپ کے دفتر جاؤں گا ـــــــ قدرے حسرت سے فرمایا، دفتر تو آپ کی کانفرنس کا ہے، جب ہم بھی لیگ کے دفتر کے لئے اپنی ذاتی عمارت بنالیں گے تو اُسے دیکھئے گا، میں ہنسنے لگا مشایعت فرماتے ہوئے اپنی لائبریری کے دروازے پر پہونچے تو فرمایا "آئیے آپ کو نئی کتابیں دکھائیں"، کواڑ کھول کر کمرہ میں داخل ہوئے، کرتا پائجامہ پہنے ہوئے تو تھے ہی، بے تکلفی کے ساتھ کتابوں کی الماری کے پاس فرش پر بیٹھ گئے ـــــــ ان دنوں بیسک BASIC انگلش کی کتابیں ہندوستان میں نئی نئی آئی ہوئی تھیں انھیں نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ انھیں غور سے دیکھئے، آپ لوگوں کو بھی چاہئے کہ بیسک اُردو کا ایک کورس تیار کریں۔

دس پندرہ منٹ ان کتابوں کو میں دیکھتا رہا، اس عرصہ میں وہ دوسری کتابوں کو الٹتے پلٹتے رہے، میں نے کتابوں کی تعریف کی اور اجازت لے کر رخصت ہوا، راستہ بھر میرے دل پر اس ملاقات کا اثر رہا۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں ہونیوالا

تھا، یاد نہیں کہ کس عنوان سے نواب زادہ صاحب جلاس سے چند روز قبل علی گڈھ تشریف لائے یونی ورسٹی یونین کی جانب اُن کے اعزاز میں ایٹ ہوم، ہوا "معزز مہمان" کی حیثیت سے بیچ کے بڑے صوفے پر تشریف فرما تھے، ہمیشہ کی طرح وہاں تک رسائی میں نے اپنے اوپر ممنوع کر رکھی تھی، اس لئے دور دور رہا، ایکدفع آنکھیں چار ہوئیں، مسکراکر اشارے سے بلایا اور پاس ہی بٹھالیا، میں ادباً صوفے کے کنارے پر ٹک گیا، خیریت و مزاج پرسی کے بعد فرمایا۔

"الطاف صاحب! میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہماری شہری اور ضلع مسلم لیگیں سالوں سال بے کار رہتی ہیں، جلسوں اور جلوسوں کے علاوہ اُن کے پاس کوئی کام نہیں ہوتا، فرصت ہی فرصت کی وجہ سے کارکن آپس میں بھی لڑتے رہتے ہیں، اور پارٹی بندی رہتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان کی مصروفیت کا کچھ سامان کیا جائے، ان لوگوں کو تعلیم بالغان کا کام سپرد کرنا چاہیئے، آپ ایک اسکیم بنا دیجئے اور دیکھئے لاہور سیشن سے پہلے ہی اس کی دو کاپیاں مجھے بھیج دیجئے۔ ایک دلی کے پتہ پر اور ایک لاہور کے پتہ پر، تاکہ میں جہاں بھی موجود ہوں مجھے مل جائے، لیگ کے لاہور سیشن میں تعمیری کام کا ایک رزولیوشن پیش کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں اُس وقت یہ اسکیم میرے ہاتھ میں ہونی چاہیئے"

میں نے تعمیل فرمائش کا وعدہ کیا اور اُن کے اپنے خیالات اس بارے میں معلوم کرکے نوٹ کئے، مزید فرمایا کہ "ایک کورس بھی تیار ہونا چاہئے جو آپ کی کانفرنس ہی شائع کرے، ہم آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے مقامی لیگوں کو اس کی خریداری کے متعلق ہدایتی سرکلر جاری کر دیں گے، اس سے آپ کی کانفرنس کو علاوہ شہرت کے مالی فائدہ بھی ہوگا"

میں نے عرض کیا، ہماری کانفرنس لائبریری میں چالیس پچاس پُرانے سٹ موجود ہیں، ان پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے، جس قسم کا سٹ آپ پسند فرمائیں گے اسی نمونہ کا نیا سٹ تیار ہو جائے گا۔ فرمایا "اچھا تو کل صبح سب سٹ آپ میرے پاس لے آئیے"

نواب زادہ صاحب جب کبھی مسلم یونی ورسٹی کورٹ، اگزیکیوٹو کونسل یا کنووکیشن (جلسہ تقسیم اسناد) وغیرہ میں علی گڑھ تشریف لاتے تو نواب صدر یار جنگ بہادر، مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کی کوٹھی حبیب منزل میں قیام ہوتا، اس مرتبہ بھی وہیں مقیم تھے ——— نواب صاحب سے خصوصی تعلقات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نواب زادہ صاحب کے مشہور خاندانی وقف کرنال کے آنریری سکریٹری تھے، اور علم وفضل اور وجاہت ذاتی و صفاتی میں ایک بے مثل شخصیت کے مالک تھے، چنانچہ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قیام بھی حبیب منزل ہی میں ہوتا، نیز ایک مرتبہ میر عثمان علی خاں نظام

دکن بھی وہاں آئے ـــــــ الغرض دوسرے روز صبح کو حسبِ وعدہ
اُردو کتابوں کے چالیس پچاس سٹ لے کر میں نواب زادہ
صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا فوراً ملاقات ہوئی، اسوقت
شیو فرما رہے تھے، اور ریزر کا بلیڈ کھر کھر بول رہا تھا، کہنے لگے،
"میرے چہرے کے بال بہت سخت ہیں، بہت دیر میں شیو ہوتا ہے
اور ایک دفعہ میں بلیڈ بے کار ہو جاتا ہے"، لہذا وہ شیو کرتے رہے
اور میں کتابیں دکھاتا رہا، فرمایا "مجھے اندازہ نہ تھا کہ پہلے سے
اس قدر کتابیں موجود ہیں، لیکن آپ تو ان سب کو سامنے
رکھ کر ایک نیا سٹ ہی تیار کرائیے، جس کی لکھائی چھپائی بھی
عمدہ ہو اور مضامین ایسے ہوں کہ ان سے قوم میں ایک تازہ
جوشِ اسلامی پیدا ہو جائے، میں مقصدی تعلیم کا قائل
ہوں۔"

میں نے عرض کیا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، لیکن پہلے
آپ اسکیم کو لاہور میں پاس کرائیے، فرمایا "ہاں وہ تو آپ
میرے پاس بھیج ہی رہے ہیں"،

اس عرصہ میں نواب زادہ صاحب کا شیو اپنے جملہ
لوازمات کے ساتھ مکمل ہو چکا تھا، اور چہرہ پر ایک خاص قسم
کی بشاشت طاری تھی، اب انھیں غسل فرمانا تھا، اس لیے میں
اُن سے رخصت ہوگیا، چند روز میں راقم نے سب کام چھوڑ کر

اور دن رات محنت کر کے مسلم لیگ کے لئے تعلیم بالغان کی اسکیم تیار کی اور خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب سے اس پر نظر ثانی کرا کر حسب ہدایت اس کی دو کاپیاں بذریعہ رجسٹرڈ پیکیٹ دلی اور لاہور روانہ کر دیں، لیکن چونکہ مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں خداداد طور پر پاکستان کا رزدلیوشن پیش ہو کر منظور ہوا اور اسی نے غیر معمولی اہمیت اختیار کی، جس نے آئندہ لیگ کے لائحہ عمل ہی کو یک سر تبدیل کر دیا، اس لئے کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ نواب زادہ صاحب نے اسکیم مذکور کا کیا کیا؟

سنہ ۱۹۴۰ء سے نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست اور معتمد خاص ہونے کی وجہ سے سیاسی کاموں میں ایسے ہمہ تن مصروف ہوئے کہ ان سے سست رفتار تعلیمی و اصلاحی کاموں میں زیادہ وقت صرف کرنے کی توقع ہی بے کار تھی، دوسرے اب تو ان کے سامنے ایک آزاد سلطنت اسلامی کا نصب العین تھا جس کے حصول کے بعد مسلمانوں کے جملہ قومی امراض کا خود بخود علاج ہو جائے گا اپنی زمین اور اپنا آسمان ہو گا، تعمیر ملی کے تمام شعبوں میں جتنی چاہیں گے بلند و بالا عمارت بنا لیں گے۔ تاہم چونکہ نواب زادہ صاحب کا قیام دہلی میں رہتا تھا، تعلیمات سے ان کو فطری لگاؤ تھا اس لئے عدیم الفرصتی کے باوجود دہلی یونیورسٹی اور

عربک کالج و اسکول، سوسائٹی کی ترقی و اصلاح کے واسطے تھوڑا بہت وقت نکال ہی لیتے تھے۔ دہلی یونی ورسٹی کے کام میں مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (حال آنریبل وزیر مہاجرین و آبادکاری گورنمنٹ پاکستان) کی تحریک و تشویق کارفرما رہتی تھی اور عربک کالج وغیرہ میں مولوی عظمت اللہ صاحب (حال ایڈوکیٹ کراچی) ان کی دلچسپی کو قائم رکھتے تھے۔ خود مسلم لیگ کی جانب سے بھی ایک تعلیمی کمیٹی قائم کی گئی تھی جس کے پروفیسر اے، بی، اے، حلیم (حال وائس چانسلر کراچی یونی ورسٹی) مسٹر جمیل الدین احمد ایم، اے (حال پبلک ریلیشنس آفیسر ٹو دی آنریبل پرائم منسٹر آف پاکستان) ڈاکٹر افضال حسین قادری (حال ریسرچ آفیسر فارسٹ انسٹیٹیوٹ مری) اور ڈاکٹر ایم ایم احمد (حال لفٹننٹ کرنل دایجوکیشنل آفیسر ملٹری اکیڈمی کاکل) خاص خاص کارکن تھے۔

نواب زادہ صاحب نے اسلامیہ کالج پشاور کے مشہور قضیہ کو بحسن وخوبی طے کرایا۔ نیز مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ کے انتظامی امور میں بھی جب کبھی کوئی اہم تبدیلی ہوتی تو ان کی گراں مایہ شخصیت ضرور کارفرما نظر آتی تھی۔

سنٹرل اسمبلی کے انتخابات ختم ہو گئے تھے اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات درپیش تھے کہ ۲۷، ۲۸، و ۲۹، دسمبر ۱۹۴۵ء کو جناب مفتی محمد انتظام اللہ صاحب شہابی کی حسن تدبیر سے آگرہ میں

خودی را سوز و تابے دیگرے دہ

ولایت علی خاں

احوال و واقعات پہ موقوف ہے سب کچھ   ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ۸۵ واں سالانہ اجلاس منعقد
ہونا قرار پایا، اس وقت قائد اعظم کے بعد پورے ملک میں نواب زادہ
صاحب سے زیادہ بڑی کوئی دوسری شخصیت نہ تھی اور آپکی
شہرت و نام وری پورے عروج پر تھی، اس لئے قدرۃً
صدارت کے واسطے ان کو ہی راضی کیا گیا، تاریخ اجلاس
سے ایک دن پہلے بذریعہ کار معہ صاحبزادگان و بیگم صاحبہ جنکو
زنانہ تعلیمی نمائش کا افتتاح کرنا تھا، آگرہ تشریف لائے،
شہر سے باہر ٹھیکہ دار مستجاب خاں صاحب کی پرسکون کوٹھی
میں قیام ہوا اطلاع ملتے ہی مسٹر مسعود الحسن نقوی (حال پرنٹنڈ
بورڈ آئے سکنڈری ایجوکیشن کراچی) کو ہمراہ لے کر ان سے ملا،
حسب معمول بڑی پرجوش اور پر لطف ملاقات ہوئی اور میں نے
ان کو اجلاس کے تفصیلی پروگرام سے آگاہ کیا۔ دوسرے روز
نواب محمد فیاض خاں صاحب کی کوٹھی سے بعد دوپہر صدر
منتخب کا جلوس نکلا، ایسا جلوس آگرہ کی تاریخ میں اس کا
جواب نہ تھا، روانگی جلوس سے پہلے نواب زادہ صاحب کوٹھی
کے وسیع و کشادہ مردانہ صحن میں پھولوں کے ہاروں سے لدے
ہوئے آکر بیٹھے، سیکڑوں آدمی اُن کے گرد حلقہ بنائے کھڑے
یا بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی دور مجمع کے پیچھے چبوترے پر کھڑا
اس دلفریب منظر کو دیکھ رہا تھا، تھوڑی دیر میں میں نے محسوس

کیا کہ نواب زادہ صاحب کسی چیز یا شخص کی تلاش میں چاروں طرف نظریں ڈال رہے ہیں، مجھ سے نظر ملی تو ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا، لوگوں نے فوراً راستہ دے دیا، پاس پہونچا تو فرمایا کہ "خطبہ میں نے انگریزی میں لکھا تھا، جلسہ میں پڑھنے کے لئے اس کا اردو ترجمہ بہت عجلت میں ہوا ہے جو مجھے پسند نہیں ہے، جب تک جلوس جلسہ گاہ پہونچے آپ اس ترجمہ کو دیکھ لیجئے"۔ میں نے عرض کیا ——— اور آپ کا جلوس نہ دیکھوں؟ ہنس کر فرمایا "اس میں کیا رکھا ہے"۔

قریب مغرب جب بیگر گارڈن جلسہ گاہ میں جلوس پہونچا تو خطبہ کے اردو ترجمہ کو لئے میں پہلے سے حاضر تھا جونہی نواب زادہ صاحب پرجوش خیر مقدم کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ ڈائس پر پہونچے میں نے اسے پیش کر دیا، فوراً ورق گردانی شروع کر دی اور میری سرخ پنسل کی اصلاحوں کو تمام وکمال ملاحظہ فرما کر میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا "شکریہ"، جلسہ شروع ہوا تو خطبہ کو بڑے ہی ٹھاٹ سے پڑھا، مجمع نے بار بار پرجوش تالیاں بجائیں اور نعرے لگائے ——— تالیوں کی گونج میں جوں ہی خطبہ پڑھ کر بیٹھے تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا "کہئے!"، میں نے عرض کیا کیوں نہو! ماشاء اللہ۔

کانفرنس کے اجلاس میں ایک رزولیوشن جامع ٹکنیکل کالج کے متعلق پیش ہوا اور دو لاکھ روپے چندہ کی اپیل ہوئی بیس ہزار نقد اور پچیس ہزار کے وعدے ہوئے۔ رزولیوشن مذکور پر نواب رادے صاحب نے بھی تقریر فرمائی، اور دوران تقریر میں ایک دفعہ بڑے ہی جوش سے فرمایا کہ۔

"قائداعظم کی ذات گرامی سے مجھے جو گہری عقیدت ہے اس کی بنا پر میں مسلمانان آگرہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان نے دو لاکھ روپے کی رقم فراہم کر لی تو اسیقدر رقم میں جمع کر کے آپ کو دیدوں گا۔"

حاضرین جلسہ نے اس پیش کش پر انتہائی جوش و خروش کا اظہار کیا، اور دیر تک نعرے بلند ہوتے رہے، تالیاں بجتی رہیں۔

سورت کے ایک مشہور بزرگ مولانا فیض احمد ہمدانی صاحب نے ابتدائی تعلیم کی ایک اسکیم اور درسی کتابوں کا ایک کورس تیار کیا تھا، ان کا مشن تھا کہ پورے ہندوستان میں صرف ان کا ہی کورس رواج پذیر ہو اور منظور ہو۔ بمبئی پراونشیل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں مسٹر احمد ہارون جعفر کی معرفت اور آل انڈیا کانفرنس میں مجھ ناچیز کی معرفت سال بہ سال وہ اپنے کیس کو آگے بڑھانے کی جدوجہد فرماتے، ان کی نظر میں

کانفرنس کے انعقاد کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ صرف ان کی اسکیم اور کتابوں پر غور کرے، پونا، دہلی، جبل پور اور علی گڈھ کے بعد اب آگرہ میں ان کے شاہکار کو اجاگر کرنے کا فرض میری جان حزیں پر مسلط تھا اور میں اپنے تجربہ اور کہنہ مشقی کے بل پر اس دفعہ بھی اپنے کو بچا رہا تھا اور مولانا سے سمجھ کر قدم قدم پر چاہتے ہیں کسی حال میں الجھوں نہ ہوں مجھ الجھ رہے تھے، جب حسب معمول ان کو مجھ سے مایوسی ہونے لگی تو پھر انھوں نے ایک بہت ہی بڑا ہاتھ مارا، یعنی سبجکٹس کمیٹی کے اجلاس میں جس کی صدارت نواب زادہ صاحب فرما رہے تھے کھڑے ہو کر میرے خلاف سخت احتجاج کیا اور اصول جمہوریت کا واسطہ دے کر نواب زادہ صاحب سے پر زور مطالبہ کیا کہ وہ اس ناانصافی کو روا نہ رکھیں۔

نواب زادہ صاحب ایک معمر بزرگ کی ناراضی کی تاب کس طرح لاتے۔ فوراً مجھ سے جواب طلب کیا، میں نے اپنی صفائی میں زبانی تو ایک لفظ نہ کہا۔ البتہ مولانا کی اسکیم اور کتابوں وغیرہ کا وہ بڑا بھاری بستہ جو ان کے ساتھ تھا اٹھا کر نواب زادہ صاحب کی میز پر لے جا کر رکھ دیا اور کہا مجھے تعمیل ارشاد میں کیا عذر ہو سکتا ہے، میری مظلومیت اور مولانا کے بستہ کی گراں باری دیکھ کر نواب زادہ صاحب

اور سارا مجمع ایک دم ہنس پڑا۔

مولانا بھی کچی گولیاں کھائے ہوئے نہ تھے، انھوں نے جو اپنے خلاف یہ رنگ دیکھا تو تڑپ کر ایک ہی جست میں نواب زادہ صاحب کے پاس پہونچ گئے اور ہاتھ پکڑ کر بولے۔

"جناب معاف کیجئے آپ مجھے یوں نہیں ٹال سکتے" قصہ کوتاہ نواب زادہ صاحب کو بھی ہار ماننی پڑی اور مولانا کی اسکیم کی تائید میں ایک مختاط سا رزولیوشن کانفرنس نے پاس کر دیا۔

یادش بخیر ابھی چند ہفتہ کی بات ہے، ہمارے محترم مولانا ہمدانی صاحب عارضی پرمٹ پر کراچی تشریف لائے تھے اور آتے ہی انھوں نے دفتر آل پاکستان مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو اور مجھے ڈھونڈھ نکالا ـــــــ ملاقات ہوتے ہی زور آزمائی شروع ہو گئی۔ ان کا کہنا تھا، کہ میری کتابوں اور اسکیم کے بارے میں تمھاری کانفرنس نے نواب زادہ صاحب کی صدارت میں رزولیوشن پاس کیا ہے، اب کہ نواب زادہ صاحب ایک وسیع سلطنت کے مالک ہیں اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ میری کتابوں کو سارے پاکستان میں جاری کرنے کا حکم صادر فرما دیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر احمد ہارون جعفر

صاحب چاہیں گے تو آپ کا یہ کام ہو جائے گا، مولانا اس پر
احمد صاحب کے پاس پہونچے، انھوں نے حلیم صاحب کے پاس
بھیج دیا، حلیم صاحب نے مسٹر امتیاز محمد خاں ڈائرکٹر تعلیم کراچی
کو ٹیلیفون کر دیا، خاں صاحب موصوف ہمارے حلیم صاحب کی
طرح مولانا سے واقف نہ تھے اس لئے انھوں نے ضابطہ کی بات
کی اور مایوس کر دیا، مجبوراً پھر میرے پاس آئے، اور میں نے
اس دفعہ جناب نواب صدیق علی خاں صاحب کی بہت کچھ ثناو
صفت کر دی، لیکن شائد وہاں تک رسائی نہ ہوئی اور احمد ہارون
صاحب ہی نے مولانا کی سفارش میں ایک طویل عرضداشت
پر دستخط کر کے آنریبل وزیر تعلیم کی خدمت میں اسے روانہ کرد
اور مولانا خوش خوش نواب زادہ صاحب اور ان کے وزیر
تعلیم کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے وطن واپس ہو گئے۔
ایک روز شب کے اجلاس میں پنڈال میں ہنگامہ ہو گیا
جن صاحب کے خلاف ہنگامہ تھا وہ ڈائس پر تشریف رکھتے
تھے لہذا مجمع کا پر جوش حصہ جوش کے ہاتھوں میں آپا لے کر ڈائس
پر چڑھ گیا۔
دس پندرہ منٹ تک نواب زادہ صاحب کے بالکل
سر پر ایسی ہڑبونگ ہوتی رہی کہ الامان والحفیظ! بالآخر
ہنگامہ خود بخود فرو ہو گیا، لوگ اپنی اپنی نشستوں پر آ کر

بیٹھ گئے، اور جلسہ کی کارروائی جس جگہ سے رکی تھی وہیں سے پھر شروع ہو گئی

نواب زادہ صاحب اس پورے عرصہ میں حیرت انگیز سکون کے ساتھ خاموش بیٹھے رہے، منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے، بڑے اطمینان سے سگرٹ پر سگرٹ پیتے رہے۔

دوران اجلاس ہی میں آگرہ کے مشہور "جوتا بازار" کی چھت پر نواب زادہ صاحب کے اعزاز میں شاندار ایٹ ہوم ہوا تو اس موقع پر البتہ غالباً متذکرہ بالا ہنگامہ کے پس منظر ہی سے متاثر ہو کر ایک لاجواب چبھتا ہوا فقرہ ارشاد فرمایا۔

"میں آپ صاحبان کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے چائے سے میری تواضع کی، کسی اور چیز سے نہ کی۔"

اس کے بعد نواب زادہ صاحب سے ہندوستان میں صرف دو ملاقاتیں اور ہوئیں، ایک جنوری ۱۹۴۶ء میں مصطفےٰ کیسل میرٹھ میں اور دوسری ۸ راگست ۱۹۴۶ء کو امپیریل ہوٹل نئی دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اس اجلاس میں جس میں کہ کیبنٹ مشن پلان پر غور ہوا تھا۔

غالباً ۷ راگست ۱۹۴۷ء کو نواب زادہ صاحب پاکستان آئے، مجھے جون ۱۹۵۰ء تک علی گڑھ نے نہ چھوڑا، جولائی ۱۹۵۰ء میں کراچی پہونچا، جب سے اب تک ملاقات کا کوئی خاص عنوان

نہ ہونے کے باعث افسوس ہے کہ شرف نیاز حاصل نہ کر سکا، گذشتہ عیدالفطر کے موقع پر اور ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء کو یوم آزادی کے موقع پر ان کی دو ولولہ انگیز تقریریں البتہ بالمشافہ سنیں۔ ہاں! اس سال موتمر عالم اسلامی کے جلسۂ افتتاح میں بھی ان کی دور سے زیارت ہوئی اور ـــــــ مجھے کئی بار شبہ ہوا کہ شاید وہ مجھے دیکھ رہے ہیں لیکن ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو شہادت کے بعد ۱۸ اکتوبر کو دہڑکتا ہوا دل لے کر مزار شہید پر حاضر ہوا تو اس وقت تو ـــــــ انھوں نے مجھے ضرور ہی دیکھا ہوگا!

───

لیاقت کا مُطالعہ قریب سے!

سیرت اور کردار کی ایک جھلک!

سید حسن ریاض، برصغیر ہند و پاکستان کے بلند مرتبت صحافیوں میں ہیں، موصوف ایک عرصۂ دراز تک بابائے صحافت، سید جالب صاحب مرحوم ایڈیٹر روزنامہ ہمدم (لکھنؤ) و ہمت (لکھنؤ) کے رفیق کار رہ چکے ہیں، پھر کئی سال تک آل انڈیا مسلم لیگ کے افسر نشر و اشاعت اور مسلم لیگ کے آرگن، روزنامہ "منشور" (دہلی) کے ایڈیٹر رہے، اس سلسلہ میں کئی سال تک لیاقت علی خاں کے ساتھ ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہنے کا شرف حاصل رہا لہٰذا یہ تاثرات خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

"مسٹر لیاقت علی خاں، نواب زادہ لیاقت علی خاں تھے، اور ان کی تمام سرگرمیاں یوپی کی مجلس واضعان قانون تک

محدود تھیں، نواب زادہ ہونے کے باوجود ان کے متعلق یہ کبھی
نہیں سنا تھا کہ وہ عہدہ یا خطاب حاصل کرنے کے لئے
حکام کی خوشامد کرتے ہیں، لوگ انھیں دور سے دیکھتے تھے
اور آزاد خیال سمجھتے تھے، یوپی کونسل اور اسمبلی میں ان کی
تقریریں بھی اسی قسم کی ہوتی تھیں، نیشنلسٹ مسلمان یہ سمجھتے
تھے کہ وہ ان ہی میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے ایک جلسہ
کی انھوں نے صدارت بھی کی تھی، عوامی سیاست اور عوامی
زندگی سے مطلق ان کا کوئی تعلق نہ تھا، البتہ مسلم لیگ کی کونسل
کے وہ بہت پرانے ممبر تھے ۲۴-۲۵ء یا ۲۶ء سے، مگر اس وقت مسلم لیگ
کی رکنیت بھی امیروں اور بڑے آدمیوں ہی کے لئے مخصوص تھی
انتخاب نہیں ہوتا تھا، ایک بڑی سی فیس لی جاتی تھی اور ارکان
کونسل کی سفارش سے رکن بنا لیا جاتا تھا،

۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کے
لئے بمبئی میں اس کا سالانہ اجلاس کیا، اسی اجلاس میں
اتفاق سے سکرٹری کا انتخاب بھی ہونا تھا،

نواب زادہ لیاقت علی خاں کو غالباً اس عہدے کے لئے
انھوں نے اس وجہ سے پسند کیا کہ وہ بیرسٹر تھے، ایم، اے (آکسن)
تھے، اور یہ معلوم ہوا کہ یہ گرمی کا زمانہ شملے میں گذارتے ہیں اور
دہلی میں ان کا مستقل قیام ہے، یعنی اس لئے کہ آسانی سے جلسوں کا

انصرام کر سکیں گے، اور خصوصاً سیاسی سرگرمیوں کے زمانے میں (جب مرکزی اسمبلی کے اجلاس ہوتے تھے) ان کے قریب ہونگے مجھے یقین ہے کہ اس وقت نواب زادہ لیاقت علی خاں نے مسلم لیگ کی معتمدی محض اس لئے پسند کی کہ مسٹر محمد علی جناح اس کے صدر تھے۔

اس زمانے میں جس چیز سے مسٹر محمد علی جناح کا تعلق تھا وہ طرح دار تھی، باوقار تھی، امتیازی تھی، مسٹر جناح ان سب چیزوں کی نمود تھے۔

مسٹر لیاقت علی خان کو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی آزاد حکومت کی وزارت عظمیٰ اور قاتل کی گولی کی طرف پہلا قدم ہے۔ چنانچہ جس وقت مسلم لیگ نے انتخابات لڑے تو نواب زادہ لیاقت علی خاں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر نہیں بلکہ زمیندارہ پارٹی کے ٹکٹ پر یو پی کی اسمبلی میں گئے، یہ بعد میں ہوا کہ وہ زمیندار پارٹی سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ پارٹی میں شریک ہوے، گویا لیاقت علی خاں کے ذہن میں اسوقت یہ بالکل نہ تھا کہ مسلم لیگ سیاست کا رخ اختیار کر رہی ہے اور وہ عوامی سیاست کے اکھاڑے میں کود رہے ہیں۔

مگر مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم کی یہ ایک بڑی خوبی تھی کہ جب وہ کسی پارٹی یا جماعت میں شریک ہو جاتے تھے تو بس اسی

کے ہو رہتے تھے، چنانچہ جس وقت سے وہ مسلم لیگ میں آئے
یکسوئی کے ساتھ مسلم لیگ کے لئے وقف ہو گئے، اپنے ذاتی
مفاد اور مقاصد کے لئے انھوں نے کسی دوسری طرف توجہ
نہ کی۔ بڑے بڑے نازک مواقع آئے، نہایت آسانی سے یہ
ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت سے یا کسی دوسری پارٹی سے سازباز
کرکے فائدہ اٹھا لیتے، مگر اس کا انھیں کبھی خیال بھی نہیں آیا،
قائد اعظم کو مسٹر لیاقت علی خاں اسی لئے بڑے عزیز سمجھتے کہ وہ بڑے
وفادار سکریٹری تھے، جدھر قائد اعظم کا اشارہ پاتے دوڑ پڑتے
اور ہر طرح اس مہم کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے۔

مسلم لیگ کی پورے دس برس کی جد وجہد میں کسی چھوٹے
یا بڑے معاملہ پر صدر یا سکریٹری کے درمیان کبھی اختلاف رائے
ظاہر نہیں ہوا، دل میں اختلاف رہا ہو یا پیدا ہوا ہو،
اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، میرا خیال یہ ہے کہ اس درجہ
پر کیا ایسے کوئی اہمیت دی جائے، دل میں بھی ایسا اختلاف
پیدا نہیں ہوا۔

نواب زادہ لیاقت علی اپنے لیڈر کی رائے کے مقابلہ
میں اپنی ہر رائے سے دستبردار ہونے کے لئے تیار رہتے تھے
انھوں نے اپنی رائے اور مرضی کو قائد اعظم کی مرضی میں بالکل
گم کر دیا تھا۔

مسٹر لیاقت علی خاں کی بصیرت کی یہ خوبی تھی کہ انھوں نے بہت پہلے یہ سمجھ لیا تھا کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کی سیاست کامیاب ہونے والی ہے اور اس کے نتائج مستقل ہوں گے، کامیابی کیا ہوگی اور نتائج کیا صورت اختیار کریں گے، اس کا انھیں کوئی صاف تصور نہیں تھا۔

مسٹر لیاقت علی خاں کچھ زیادہ ذہین نہ تھے، ان کا مطالعہ بھی وسیع نہ تھا، تعلیم کی تکمیل کے بعد کتاب سے دلچسپی انھیں اتنی ہی سی باقی رہ گئی تھی کہ وہ ان کی لائبریری میں رہے، مگر اخبار توجہ سے پڑھتے تھے اور وہ سب چیزیں بھی جن کی انھیں بحیثیت ایم۔ایل۔اے اور بحیثیت سکریٹری مسلم لیگ ضرورت تھی، بھاری جسم ہونے کی وجہ سے جتنے وہ جسمانی حرکت میں سست تھے، اتنے ہی فہم و فراست میں بھی سست تھے لیکن قدرت نے انھیں دماغ بڑا متوازن دیا اور دل پرسکون، وہ مسائل پر خود غور کرتے، دوسروں سے ان پر گفتگو کرتے اور بڑی دیر میں فیصلہ کرتے، مگر فیصلہ عموماً صحیح ہوتا تھا۔

وہ بڑے مستقل مزاج اور بڑے باہمت آدمی تھے، جلدی میں یا گھبرایا ہوا، یا غصہ میں، میں نے تو انھیں کبھی نہیں دیکھا، جو فیصلہ کرتے تھے بالعموم اس پر قائم رہتے تھے اگر ضد کے ساتھ ہرگز نہیں، اگر کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ جو رائے انھوں نے

قائم کی وہ غلط ہے تو بڑی آسانی سے بدل دیتے تھے اور عزت بھی کرتے تھے، اپنی ہمہ دانی کا غرور ان میں بالکل نہیں تھا، مگر وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی بہرحال سمجھتے تھے، اپنے خیال میں وہ ہر بڑے سے بڑے مقام، مرتبے، ذمہ داری اور امتیاز کے اہل تھے، یہ سب چیزیں انھیں کے لئے تھیں اور یہ اپنا حق تصور کرتے تھے کہ اہل الرائے، اہل مہارت اور اہل علم، ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ان کے ساتھ تعاون کریں، انھیں اپنے اوپر اس درجہ اعتماد تھا کہ اگر دیووں اور جنوں کا بھی انھیں سردار بنا دیا جاتا تو وہ یہ سمجھتے کہ میں ان پر ضرور قابو حاصل کرلوں گا، مگر سردار بننے کے لئے جس جد و جہد کی ضرورت تھی وہ ان کے بس کی چیز نہ تھی، گھوڑے پر کوئی دوسرا اٹھا دے پھر گھوڑے کو قابو میں رکھنا ان کا کام تھا، ابتدا سے انتہا تک یہی ہوا ترقی کا ہر مقام انھیں تقدیر سے، اللہ کی مدد سے اور قائداعظم کے ذریعہ سے حاصل ہوا اور اس کی ذمہ داریاں انھوں نے پوری کیں، اپنی ذاتی اور طبعی صلاحیتوں سے۔

مسٹر لیاقت علی خاں بہت اچھے پارلیمنٹرین تھے مسلمانوں میں صرف قائداعظم ان سے بہتر تھے، ان کے مزاج میں بڑا تحمل تھا، بڑے خوش طبع تھے، نقصانات پر بڑی لاپروائی سے صبر کرلیتے تھے۔

مسٹر لیاقت علی خاں کی کامیابیوں کا اور اس عظمت کا کہ وہ دنیا کی پانچویں درجے کی اور اسلامی دنیا میں درجہ اول کی دولت کے پہلے وزیر اعظم بنے، کیا راز تھا؟ یہ سوال اگر خود لیاقت علی خاں سے بھی کیا جاتا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکتے۔

ایک روز میں اور محمود حسن مرحوم سابق جنرل منیجر ڈان دہلی، یہیں کراچی میں ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایسی ہی بے تکلفی سے باتیں ہو رہی تھیں جیسے دہلی میں ہوتی تھیں، مسٹر لیاقت علی خاں نے فرمایا کہ

"میرے پاس نہ روپیہ تھا نہ خالوئنگ تھی، اس کا کوئی سامان ہی تھا، کہ مجھے وزیر اعظم کا عہدہ ملتا، میرے اوپر تو صرف اللہ نے فضل کیا"

مگر اس عظیم عہدے کی ذمہ داریاں انھوں نے جیسی کامیابی کے ساتھ کیونکر پوری کیں؟ اس کا جواب ہے۔

وہ کراچی میں آن کر سخت محنتی ہو گئے، وہ نہایت عالی ہمت، مستقل مزاج، معاملہ فہم، صبر و سکون کے ساتھ فیصلہ کرنے والے، حلیم و بردبار، پاکستان کے ساتھ نہایت درجہ مخلص تھے اور ہر قسم کے ساتھیوں سے تعاون حاصل کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ حسن ریاض

ایک ہمعصر کے تاثرات

خلیق الزماں کا اعتراف!

آل پاکستان مسلم لیگ کے سابق صدر چودھری خلیق الزماں لیاقت علی خاں کے پرانے واقف کاروں اور دوستوں میں سے ہیں، کئی برس تک لیاقت علی خاں کا مرکزِ عمل لکھنؤ رہا، خلیق صاحب وہاں کی ہندو مسلم سیاست پر چھائے ہوئے تھے، کانگرس کمیٹی ہو یا مجلس خلافت، یا مسلم لیگ، صوبہ کی اسمبلی ہو یا ایوان وزارت، ان کا اثر ہر جگہ تھا، اور ہر جگہ کی سیاست پر ان کے الفاظ اور طرزِ عمل کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا۔

پھر جب لیاقت علی نے دلی کو اپنا نشیمن بنایا، اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں کا محور، لکھنؤ اور بمبئی سے بدل کر دلی قرار پایا، تو خلیق

صاحب بھی، مسلم لیگ ہائی کمان کے ایک سربرآوردہ ممبر تھے وہاں بھی انھیں لیاقت کو دیکھنے اور سمجھنے کے کافی طویل مواقع حاصل ہوئے۔

روزنامہ امروز کے نامہ نگار خصوصی مسٹر اعظمی نے چودھری صاحب سے اس سلسلہ میں جو انٹرویو کیا وہ یہ ہے:۔

وہ انتہائی مغموم اور اُداس تھے، میں نے اُن کو اکثر قریب سے بھی دیکھا ہے، لیکن میں کبھی بھی ان کے چہرے سے ان کی دلی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکا، مجھی پر کیا موقوف ہے، اکثر و بیشتر افراد کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کا چہرہ ان کے دلی جذبات کا آئینہ نہیں بنتا، لیکن قائد ملت مسٹر لیاقت علی خاں کی موت کا ان پر اتنا گہرا اثر تھا کہ اُن کے چہرے کی پر وقار متانت بھی اُن کے غم کو چھپانے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی وہ میرے سامنے ایک کرسی پر اُداس اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے اس سکوت کو توڑنے کے لئے مسٹر لیاقت علی خاں کا تذکرہ شروع کیا، پہلے تو چودھری صاحب تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے میری باتیں سنتے رہے، پھر اُن سے نہ رہا گیا، بولے۔

صاحبزادے میں نے بھی سیاست میں تقریباً چالیس سال گذارے ہیں، ہندوستان اور برطانیہ کے چوٹی کے مدبروں اور سیاست دانوں سے میرے معرکے ہوئے ہیں، اور ان کے ساتھ میں نے

کام بھی کیا ہے، لیکن یہ بات کہنے میں مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ اس وقت پاکستان میں مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم جیسا مدبر سیاست داں، اور فہم و فراست کا مالک اور کوئی دوسرا نہیں تھا، یہ صحیح ہے کہ وہ فیصلہ دیر میں کرتے تھے، اسے چاہے یوں کہہ لیجئے کہ وہ فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ انتہائی غور و فکر کے بعد فیصلہ کرتے لیکن اپنے فیصلوں پر قائم رہتے اور اکثر و بیشتر اُن کے فیصلے صحیح ہوتے تھے۔

پہلی ملاقات

میں نے پوچھا آپ مسٹر لیاقت علی خاں کو کب سے جانتے تھے، اس سوال پر چودہری صاحب ایک دم خاموش ہوگئے جیسے وہ کتاب زندگی کی ورق گردانی کرنے لگے ہوں، سگرٹ کا ایک لمبا کش کھینچا، چہرے پر ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ ذہن آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی، گویا کوئی بھولا بسرا واقعہ یاد آگیا ہو، یا کتاب زندگی کا وہ باب مل گیا ہو جہاں مسٹر لیاقت علی خاں سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

چودہری خلیق الزماں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا، اُن سے میری پہلی ملاقات سنہ ۱۹۲۶ء میں یوپی کی لیجسلیٹو کونسل میں ہوئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پہلی بار سنہ ۱۹۱۹ء کے آئین کی رو سے قائم شدہ کونسلوں میں سوراج پارٹی نے ۲۳ نشستیں حاصل کی تھیں

اور غالباً یہ کونسل کا پہلا اجلاس تھا جس کو دیکھنے میں بھی گیا تھا، اس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں نے بھی تقریر کی تھی، جس سے مجھے اسی دن اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ بہت ہونہار مقرر ہوں گے، اور غالباً مسلمانوں میں خاص جگہ پیدا کریں گے، اس کونسل میں یہ نہ تو سوراج پارٹی کے ساتھ تھے اور نہ ہندوؤں کے، جن کی بہت بڑی اکثریت تھی، بلکہ ان کا خود ایک مختصر گروہ انڈیپنڈنٹس کے نام سے قائم تھا، اس زمانے میں بہت سے اور مسلم زعما کی طرح یہ بھی مخلوط انتخاب کے حامی تھے، چنانچہ کونسل کی ایک تقریر میں انھوں نے کہا:-

"میرے خیال میں کوئی اقلیت حقیقتاً جداگانہ انتخاب کو اپنے حقوق کا محافظ خیال نہیں کرسکتی، میرے خیال میں اقلیت کے واسطے یہ نقصان دہ چیز ہے، جداگانہ انتخاب کی وجہ سے ہر شخص کا نقطہ نظر تفریق پر مبنی ہوجاتا ہے، یعنی ہندو ہندو کے واسطے اور مسلمان مسلمان کے واسطے"

باوجود ذہنی قربت کے انھوں نے کانگرس میں کبھی شرکت نہیں کی اور مسلم لیگ کے ساتھ رہے اور انھوں نے اپنی ساری زندگی ایک سچے مسلمان کی طرح گزاری اور اسلام کی خدمت کرتے ہوئے انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔

۱۸۵۷ء سے جس وقت ہندستان میں مسلمانوں کی شہنشاہیت

کا آفتاب غروب ہو اتھا، اس وقت تک کسی مسلمان رہنما کو شہادت کا درجہ نصیب نہیں ہوا اور اس طرح ان کا نام ابدالآباد تک چمکتا رہیگا۔

لیاقت کی پارلیمانی صلاحیتیں

میں نے پوچھا چودہری صاحب آپ بھی ہندستان کے اچھے پارلیمنٹیرین مشہور ہیں مسٹر لیاقت علی خاں کی پارلیمانی صلاحیتوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، انھوں نے کہا:۔

پارلیمنٹیرین کی حیثیت سے میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے، ان کی تقاریر، مزاح، حاضر جوابی اور معقول دلائل سے بھری ہوتی تھیں، یہ تمام خوبیاں شاذ و باید، کسی مقرر میں یکجا ہوتی ہیں، لیکن ان میں یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں، دوست تو دوست ان کے مخالف بھی ان کی پارلیمانی صلاحیتوں کے معترف تھے، اسی وجہ سے ان کو یو پی لیجسلیٹو کونسل کا ڈپٹی اسپیکر بھی مقرر کیا گیا۔

سیاسی سوجھ بوجھ

جب میں نے چودہری خلیق الزماں سے اُن کی سیاسی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا:۔

وہ نہایت سمجھدار، فہیم سیاستداں اور مدبر تھے، وہ نہایت سنجیدہ تھے، وہ فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے تمام پیچیدگیوں پر پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد فیصلہ

کرتے تھے اور غالباً اسی وجہ سے ان کی قوت فیصلہ بہت کم غلط راستہ اختیار کرتی تھی۔

ایک دل کش شخصیت

آپ نے یہ تمام باتیں تو ان کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں بتائی ہیں، لیکن سیاست کے علاوہ ایک انسان کی حیثیت سے لیاقت علیخاں کا کیا درجہ تھا، چودھری صاحب نے کہا۔ وہ ایک دل کش شخصیت کے مالک تھے، میں بارہا انکے ساتھ ایک کمرے میں ہفتوں رہا ہوں اور میں جتنا ان سے قریب ہوتا گیا، ان کی دل کش شخصیت سے متاثر ہوتا گیا، ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے نجی تعلقات کو خراب نہیں ہونے دیتے تھے، ایک ہی سیاسی جماعت میں رہنے کی وجہ سے بارہا بعض مسائل میں میرے اور ان کے اختلافات ہوئے لیکن مجھے کوئی ایسا موقع یاد نہیں کہ انھوں نے مجھ سے ذاتی تعلقات کشیدہ کئے ہوں۔

دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں جس طرح کمزوریاں ہوتی ہیں، اُن میں بھی بعض کمزوریاں تھیں، لیکن ان کمزوریوں کی اُن کی ذاتی خوبیوں، سیاسی سوجھ بوجھ اور ملک و ملت کی خدمت کے جذبے کے آگے کوئی حیثیت نہیں، وہ ایک سچے مسلمان کی طرح زندہ رہے اور ایک شہید کی موت مرے۔

لیاقت علی خاں

تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

لیاقت علی خاں کا حادثۂ قتل ــــــــــ عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے، نہیں پورا شعر پڑھیے۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

لیاقت علی ملت پاکستان کا دل تھا ــــــــــ صرف دل ہی نہیں دماغ بھی، دست و بازو بھی، نطق و عمل بھی، وہ جو کچھ سوچتا تھا قوم بھی وہی سوچنے لگتی تھی وہ جو کچھ کہتا تھا قوم بھی وہی کہنے لگتی تھی اسکی تمنا قوم کی تمنا بن جاتی تھی، اس کا عزم قوم کا عزمِ آہنی بن جاتا تھا، اس کی چینِ پیشانی اوراقِ حکومت پر شکن بن جاتی

تھی، اس کا جاں نواز اور دلفریب تبسم قوم پر نشاط و انبساط کا عالم طاری کر دیتا تھا، وہ جب رزم کی طرف توجہ کرتا تھا تو قوم کا ہر ہر فرد کفن سر سے لپیٹ کر میدان جہاد میں اترنے کے لیے بے قرار ہو جاتا تھا، وہ جب بزم کو رونق بخشتا تھا تو ساری قوم فکر امروز اور غم فردا کو فراموش کر دیتی تھی — لیکن اب وہ ہم میں نہیں رہا، وہ شہید ہو گیا، وہ قوم پر قربان ہو گیا، محمد علی جوہر صاحب قلم بھی تھا اور صاحب دل بھی، شائد برسوں پہلے یہ شعر اس نے لیاقت علی ہی کے لئے کہا تھا۔

اک خون چکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی!

وہ خدائے قادر و توانا کے دربار میں سینہ چاک پہونچا اس کے سینے سے اس کے دل سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے وہ ان میں نہایا ہوا پہونچا اور رحمت الٰہی نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں ڈھانپ لیا

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

وہ مجرم نہ تھا کہ اس کی گردن کاٹی جاتی، وہ قاتل نہ تھا کہ اس کے سینے میں خنجر گھونپا جاتا، وہ غدار نہ تھا کہ سولی اس کا مقام

ہوتا، وہ قوم کا مسیحا تھا، اس نے ایک منتشر اور پراگندہ قوم کو متحد اور منظم کیا، اس نے ایک غلام قوم میں آزادی اور حریت کا ولولہ پیدا کیا، اس نے ایک کمزور قوم کو مضبوط اور توانا بنا دیا، اس نے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی پہلی صف میں اپنے نئے اور بے سہارا وطن کو لا کھڑا کیا، اس نے دنیا والوں سے، اپنی قوم سے، اپنے وطن سے، اپنی کارگزاریوں اور کارناموں کا انعام لینا، اپنے اخلاص کی توہین سمجھا، اور آج وہ فخر سے سینہ تانے ہوئے مالک الملک اور فاطر السماوات والارض کے دربار میں شہیدوں کا لباس پہنے شہیدوں کی صف میں کھڑا ہے ـــــــ موت کتنی بھیانک ہوتی ہے، لیکن لیاقت کی موت کتنی قابل رشک اور کتنی قابل فخر ہے؟ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ہے!

قائد اعظم نے جب پاکستان کا نعرہ بلند کیا، لوگ اسے مجذوب کی بڑ سمجھے، قائد اعظم نے جب اپنی عظیم اور بے مثال قوت عمل کے زور پر پاکستان حاصل کر لیا، لوگوں نے کہا

اگر بماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

مفلس اور قلاش حکومت کتنے دن چلے گی؟ اور جب قیام پاکستان کے ایک ہی سال کے اندر قائد اعظم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو دشمنوں اور مخالفوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

اب ضرور پاکستان اپنی چمک دمک اور آب و تاب دکھا کر چند ہی روز میں ختم ہو جائے گا۔

قوم برقائد اعظم کے سانحہ ارتحال نے یاس، سراسیگی اور دہشت کی جو کیفیت طاری کر دی تھی اُسے دیکھ کر یہ اندیشہ بھی ہوتا کہ کہیں واقعی دشمنوں کا کہا پورا نہ ہو، کہیں واقعی پاکستان حقیقت سے خواب نہ بن جائے۔

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

لیکن عین اس وقت جب دشمن فرطِ طرب سے اور دوست ہجوم غم سے بے قابو اور بے قرار ہو رہے تھے، دفعتہً ایک جانی پہچانی بھاری بھر کم با وقار اور اثر انگیز آواز کانوں میں گونجی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی؟

یہ آواز لیاقت علی خاں کی تھی، اس نے اپنی قوم کو بتایا کہ ہراساں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، تم مسلمان ہو اور مسلمان ناکامیوں سے کھیلتا ہے، مایوس نہیں ہوتا ہے وہ خدا پر بھروسہ رکھتا ہے، افراد و اشخاص پر نہیں، اس کے لئے زندگی جتنی پر کیف ہے موت اس سے کہیں زیادہ خوش آئند ہے

خدا نے تمھیں صلاحیتیں دی ہیں، نعمتیں دی ہیں وسائل و ذرائع دیے ہیں، ہمت و حوصلہ دیا ہے، جوشِ کار اور ولولۂ عمل دیا ہے، تم مایوس کیوں ہوتے ہو، سر بلند کرو، سینہ تانو خدا پر بھروسہ رکھو اور میدانِ عمل میں اتر آؤ، تمھیں پاکستان کو بنانا ہے، ترقی اور رفعت کے زینہ تک پہونچانا ہے، اقوامِ عالم میں سرخ روئی اور کامرانی حاصل کرنی ہے۔

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہو

ان الفاظ نے جادو کا اثر کیا، اور آن کی آن میں قوم کا حوصلہ زندہ اور تابندہ ہو گیا ــــــــــــ اور اس نے پاکستان کے دشمنوں اور مخالفوں سے کہا، پاکستان ایک زندہ اور اٹل حقیقت ہے، جب اسے تشکیل پذیر ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہ روک سکی تو عالمِ وجود میں آنے کے بعد بھی دنیا کی کوئی قوم نہیں مٹا سکتی، پاکستان اس قوم کا گہوارہ ہے جو طوفان کو خاطر میں نہیں لاتی، پہاڑوں سے ٹکراتی ہے، سمندروں کی پرشور اور طاقتور لہروں سے مقابلہ کرتی ہے، وہ ایک شاندار ماضی کی مالک ہے، وہ ایک تابندہ حال کی حامل ہے، ایک روشن تر اور تابندہ تر مستقبل اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اسکے زندہ جاوید کارنامے، روایات کے افسانوں اور کہاوتوں میں گم نہیں ہیں،

تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، وہ زندہ رہنے کا گر جانتی ہے، ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتی ہے، وہ کسی سے لڑنا نہیں چاہتی، لیکن اگر کوئی اس سے لڑنا چاہے تو وہ ہتھیاروں کا استعمال بھی جانتی ہے اور بہت اچھی طرح جانتی ہے۔

لیاقت علی کی اس آواز نے پاکستان اور اس کے آس پاس کی زمین میں جنبش پیدا کر دی، دوست مسرور و مطمئن، دشمن ملول و غمگین۔

قائداعظم کے بعد ملت پاکستان کی قیادت لیاقت علیخاں کے ہاتھ میں آئی اور بہت جلد لیاقت علی خاں نے ثابت کر دیا کہ وہ بیک وقت مدبر بھی ہے اور سیاست داں بھی، بزم کا ہیرو اور رزم کا سپہ سالار، دوستوں کا دوست اور دشمن کا بھی دشمن نہیں۔

شد است سینہ ظہوری پر از محبت یار
برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست

وہ پاکستان کے عشق میں سرشار تھا، پاکستان کی محبت اس کا دین و ایمان تھا، وہ پاکستان کے لئے زندہ رہا اور پاکستان کے لئے اس نے اپنی جان دے دی، وہ پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانا چاہتا تھا، وہ جانتا تھا کہ دنیا میں پاکستان ہی وہ خطۂ زمین ہے جہاں اسلام کے تصور اور نصب العین کو عمل کی

کسوٹی پر کھرا ثابت کیا جا سکتا ہے، "قرار داد مقاصد" کا مؤلف بھی وہی تھا اور مصنف بھی، وہ اگر زندہ رہتا تو اس قرارداد کو عملی جامہ بھی پہناتا، شاید یہ سعادت کسی اور کی قسمت میں لکھی تھی۔

چار سال کی زندگی افراد و اشخاص کے لئے بھلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی نہ کہ ایک قوم اور ملک کے لئے اس مختصر سی مدت میں لیاقت علی خاں کی لیاقت نے پاکستان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا، وہی پاکستان جس کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ نہ سکریٹریٹ کے لئے عمارت تھی، نہ سرکاری دفاتر کے لئے قلم دوات اور کاغذ نہ سرکاری خزانہ میں روپیہ تھا، ہر طرف کشت و خون اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا مصیبت زدہ اور تباہ حال ہم قوموں کے لٹے پٹے، مرتے کٹتے، گرتے پڑتے قافلے چلے آرہے تھے جن کی ساری پونجی لٹ چکی تھی، جنکے پاس نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا تھا نہ سر ڈھانکنے کو جھونپڑی، نہ کھانے کو روٹی، نہ پینے کو پانی، پاکستان کی فوج ابتر اور غیر منظم حالت میں تھی، نہ گولہ بارود نہ مشین گن نہ توپ، نہ طیارے نہ جہاز، نہ ساز و سامان حرب، فوج کے کچھ دستے جاپان میں تھے، کچھ ملایا میں، کچھ اٹلی میں جو یہاں تھے وہ بھی گویا نہتے تھے۔

ان حالات میں کوئی دوسرا وزیر اعظم ہوتا تو خودکشی کرلیتا، یا پاگل ہو جاتا، مشکلات کا ایک طوفان تھا جو مشرق و مغرب سے

امنڈا چلا آتا تھا لیکن اس طوفان میں وہ یکہ وتنہا اپنی ملت کا سفینہ کھیتا رہا۔ لہریں تند وتیز تھیں، ان کے تھپیڑے بجائے خود طوفان سے کم نہ تھے لیکن وہ جانتا تھا۔

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہیں

وہ طوفان حوادث کو مکتب سمجھ کر سیکھتا رہا، اپنا کام کرتا رہا چپو اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ ہر ہچکولے، ہر تھپیڑے، ہر ریلے کے بعد اور زیادہ عزم و استقامت کے ساتھ آگے کی طرف بڑھنے لگتا تھا، بڑھتا رہتا تھا، یہاں تک کر اس کا سفینہ ساحل مراد تک پہونچ گیا۔ کل تک پاکستان کچھ نہ تھا آج بہت کچھ ہے پہلے وہ کمزور تھا اب مضبوط ہے، پہلے وہ مفلس تھا اب تونگر ہے، پہلے اس کے وسائل وذرائع محدود تھے، اب لامحدود ہیں پہلے اس کے دوست کم اور مخالف زیادہ تھے، اب مخالف انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور دوستوں کی تعداد حد شمار سے خارج ہے، پان اسلامزم ایک مجنونانہ اور ناقابل عمل خیال سمجھا جاتا تھا، لیکن لیاقت کے اخلاص اور اسلامیت نے اسے ایک حقیقت بنادیا آج اسلامی ممالک کے مابین جو رشتۂ اخوت ورفاقت مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے اس میں لیاقت علی خاں کے تدبر اور معاملہ فہمی کو بڑا دخل ہے۔

تقسیم ہند نے ہند اور پاکستان کو عداوت اور دشمنی ترکہ میں سونپی تھی، لیکن لیاقت علی خاں نے یہ ترکہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اُس نے ہندوستان کو کبھی ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھا، وہ ہمیشہ یہ چاہتا رہا کہ ہند و پاکستان کے مابین دوستی کا رشتہ محکم اور استوار ہو، وہ تن تنہا پنڈت نہرو سے دوستانہ معاہدہ کرنے اس وقت دلی پہونچا، جب یہ دونوں ممالک جنگ سے بہت قریب ہو گئے تھے، وہ گیا اور کامیاب واپس آیا، اس نے "لیاقت نہرو پیکٹ"، پر جس سختی سے عمل کیا، اُسے کوئی پاکستان کی اقلیتوں کے دل سے پوچھے، اس نے طے کر لیا تھا کہ اقلیتوں کو عزت اور آسودگی کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے گا، اور اپنے فیصلے پر وہ برابر قائم رہا۔

آج کراچی اور ڈھاکہ میں ہندوؤں کو وہی مراعات اور حقوق حاصل ہیں جو دلی اور کلکتہ میں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں بہت بڑا کارنامہ ہے، یہ لیاقت علی خاں کی انسانیت، اور انسانیت دوستی کا اتنا بڑا شاہکار ہے جسے آنے والا مورخ طراز عنوان قرار دے گا، آنے والی نسلیں اس کارنامے پر فخر کریں گی، یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

محمود النساء بیگم اپنے چہیتے بیٹے سے محروم ہو گئیں، جہانگیر بیگم اور رعنا بیگم اپنے زندہ جاوید شوہر سے محروم ہو گئیں، ولایت علی خاں

اکبر اور اشرف اپنے محبت کرنے والے باپ سے محروم ہو گئے، لیکن ملت پاکستان اپنے بہت بڑے زعیم، بہت بڑے رہبر، بہت بڑے مجاہد اور بہت بڑے سپاہی سے محروم ہو گئی۔

دنیا کا کارخانہ رکتا نہیں چلتا ہی رہتا ہے، اب بھی یہی ہوگا، لیکن لیاقت علی خاں کی یاد دلوں سے محو نہیں ہو سکتی، وہ قوم کا سرتاج تھا، قوم کا ہیرو تھا، قوم کا سپاہی تھا، قوم اسکی ہر ہر کمی کو محسوس کرے گی، محسوس کرتی رہے گی، اور اس احساس کے ساتھ ساتھ اس کے آنسو بھی بہتے رہیں گے، یہ زخم ایسا نہیں جو جلد مندمل ہو جائے، یہ سانحہ ایسا نہیں جو جلد فراموش ہو جائے۔ یہ ناسور بنکر رستا رہے گا، یہ آبلہ بن کر ٹپکتا رہے گا۔ یہ ایسا زخم ہے جو مدتوں ہرا رہے گا۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

لیاقت علی خاں زندہ باد، پاکستان زندہ باد۔

(رئیس احمد جعفری۔ امروز)

شہید ملت سے میری آخری ملاقات

آج بارہ روز ہوئے میں لیاقت علی خاں سے کراچی میں ان کے مکان پر ملا تھا، میں نے ملاقات ایک نجی معاملہ کے متعلق کی تھی اور اگر موضوعِ گفتگو بنیادی تقریب سے باہر نہ پھیلتا تو میں وزیر اعظم پاکستان سے ۲ منٹ میں بات ختم کرکے رخصت لے چکا ہوتا، لیکن لیاقت علی خاں نے محض ازراہ بلندی اخلاق مجھے جو جی میں آیا اُسے کہنے دیا، اور اپنے ارشادات عالیہ سے بھی مستفیض فرماتے رہے میری ملاقات کا وقت اُن سے ساڑھے دس بجے مقرر ہوا تھا، اور جب میں فارغ ہو کر نواب صدیق علی خاں صاحب (شہید ملت کے پولٹیکل سکریٹری) کے کمرے میں واپس پہونچا تو انھوں نے میز پر رکھی ہوئی گھڑی

کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت ۱۲ بجا رہی تھی۔ میں نے ذرا ہنستے ہوئے کہا۔

وزیر اعظم صاحب سے گمبھیر مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے، اور میرا کراچی روز روز آنا کہاں ہوتا ہے۔"

آج جب رنج و الم کے طوفان اُٹھ رہے ہیں اور ذہن ایک بے پناہ صدمہ سے چور چور ہے، مجھے شہید ملت کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے ہیں "ملک کا ڈیفنس اور عوام کی بہبودی میرے سامنے ہر وقت رہتے ہیں۔"

۱۴ اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے دس بجے میں ایک چوبدار کے ہمراہ لیاقت علی خاں کے مکان کے ڈرائنگ روم میں پہونچا، اس وقت چونکہ وزیر اعظم کسی دوسرے صاحب سے ملاقات کر رہے تھے، میں نے ڈرائنگ میں بیٹھے اُن البموں کی ورق گردانی شروع کر دی جو ان کے دورۂ امریکہ کے متعلق صدر ٹرومین نے انھیں بطور تحفے کے دیے تھے، تھوڑے عرصہ کے بعد مجھے ان کا اردلی اُن کے ٹھنڈے کمرے میں لیگیا جہاں ایک کونے میں میز آگے لگائے مسٹر لیاقت علی خاں صبح سے شام تک کام کرنے کے عادی تھے۔

میں جب اُن کے قریب پہونچا تو انھوں نے اٹھ کر میرا خیر مقدم کیا اور میں نے حسب عادت بہت عقیدت و احترام سے اُن سے ہاتھ ملایا، پھر باتیں شروع ہوئیں، پنجاب میں زرعی اصلاحات، مرکز

کا نقطۂ نگاہ، کشمیر، پریس، وزارت میں ردو بدل اور دوسرے موضوعات پر میں نے ان کے ارشادات سُنے، لیکن وہ ایک دل رُبا مسکراہٹ کے ساتھ مجھے وقفوں کے بعد یاد دلاتے رہے کہ یہ بات مملکت کی ڈائری کے لئے نہیں۔

گفتگو خاتمے کی طرف جا رہی تھی تو میں نے پوچھا، "جناب کی صحت کیسی ہے؟"

فرمانے لگے، "تمھیں کیسی نظر آتی ہے"

اس وقت وہ واقعی نہایت اچھے موڈ میں تھے اور وہ بڑے صحت مند نظر آ رہے تھے، میں نے اس کا اعتراف کیا۔ پھر فرمایا کہ ڈاکٹروں نے تو مجھے لکھ کر دے دیا تھا کہ وہ میری صحت کے لئے موجودہ پروگراموں کے ساتھ کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں، لیکن زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، دیکھ لیجئے، ڈاکٹروں کے انتباہ کے باوجود چل رہا ہوں۔

میں نے جب دوبارہ عرض کیا تو انھوں نے کہا، کہ پاکستان کا استحکام افراد پر نہیں بلکہ عوام کے جذبۂ حریت پر موقوف ہے۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن قومیں، زندہ قومیں، اپنا سفر جاری رکھتی ہیں، قائد اعظم کے وصال پر ہر شخص سخت مشوش تھا، ہر دل میں ایک پھانس اٹکی تھی، لیکن دیکھ لیجئے، خدا کے فضل سے، ہمارا ہر قدم آگے کی طرف بڑھا ہے، میرے بعد بھی پاکستان انشاء اللہ تعالیٰ زندہ اور پائندہ رہے گا۔

مجھے یہ موضوع پسند نہیں تھا، میں نے گفتگو کا رُخ بدلنے کی کوشش کی لیکن وہ اسی انداز میں فرماتے رہے۔

"اب کی مرتبہ پاکستان کی چوتھی جشن آزادی کے موقع پر مجھے پہلی دفعہ دلی طور پر مسرت ہوئی کہ سارے لوگ اب اس تقریب کو عید اور دوسرے قومی تہواروں کی طرح پورے جوش وخروش اور دلی مسرت سے مناتے ہیں، محض رسم سمجھ کر نہیں بلکہ آزادی کے جذبے سے سرشار ہوکر، یہ احساس عوام میں آزادی کا یہ جذبہ پاکستان کے استحکام کی در اصل اساس ہے"

مجھے اپنی گفتگو کے لئے کوئی مزید موضوع یاد نہیں آرہا تھا چنانچہ میں نے ان سے رخصت طلب کی، وزیراعظم پاکستان بھی کرسی سے اٹھے، میں نے پیار سے اُن کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا، اور خداحافظ کہہ کر اُن کے کمرے سے چلا آیا، وزیراعظم پھر حسب دستور اُن فائلوں میں گم ہوگئے۔

لیاقت علی خاں قائداعظم کا دست راست آج گولی کا نشانہ بنایا جاچکا ہے۔ آج ہر شخص یہ پوچھ رہا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ میں شہید ملت کے الفاظ میں کہتا ہوں، کہ قوم زندہ ہے تو پاکستان زندہ اور پائندہ رہے گا۔

ہماری ملت نے ہر ابتلا کے وقت اپنی زندگی، اپنی صلابت، اپنی مضبوطی اور اپنی حق پرستی کا ثبوت دیا ہے ہمیشہ کے لئے نہیں نے تھے، ہم

زندہ تھے اور زندگی بخشنے کے لئے صفحہ ہستی پر اُبھرے ہیں، لیاقت علیخاں ملت کے لئے شہید ہوا، ملت کا بچہ بچہ لیاقت علی خاں کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے خدا اور اس کے پاک رسولؐ کے سامنے عہد صمیم کرتا ہے۔

(محمد شفیع پروپرائٹر آفاق)

رائے عامّہ

کہتی ہے اِسکو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

باب ۲۱

لیاقت علی خاں کا حادثۂ قتل، اپنی نوعیت کے اعتبار سے جتنا لرزہ خیز اور روح فرسا ہے، پاکستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

عوام کو بجا طور پر اس کا احساس ہے کہ، ان کا محبوب زعیم، اس بے دردی سے ناوک صیاد کا شکار ہو گیا، اور قوم و ملت کے نگہبان کچھ نہ کر سکے، امن و امان کے ستون بے بسی سے یہ منظر دیکھتے رہے، نظم و ضبط کے داعی، افراتفری کے شکار ہو گئے، ضروری ہے کہ اس چیز کو بھی ہم یاد رکھیں کہ اس سانحۂ المیہ کو عوام نے کس نظر سے دیکھا؟ کیا محسوس کیا؟ کیا کہا؟

عوام کے نمائندے اہل قلم اور اصحاب صحافت ہوتے ہیں، چند کے تاثرات درج ہیں۔

رازِ درونِ پردہ!

قتل، قاتل اور مقتول ——— ایک فریم میں

انسان ——— انسان کا بیری!
جماعت ——— جماعت کی دشمن!
قوم ——— قوم سے نبرد آزما!
حکومت ——— حکومت سے ستیزہ کار!

یہ ہے بیسویں صدی کی داستان ——— اور یہی داستان پہلی صدی کی بھی تھی۔ دیگر اجناس کی طرح انسان کے گوشت پوست کی دوکانیں پہلے بھی تھیں، گردن مروڑنے کے لئے پھانسیاں پہلے بھی نصب ہوتی تھیں، آج بھی نصب ہوتی ہیں، انسان کے خون کا چھڑکاؤ پہلے بھی ہوتا تھا آج بھی ہوتا ہے، قتل و غارتگری کے لئے، جبر و تشدد اور بہیمیت و بربریت کا جذبہ انسان میں اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ پہلے بھی تھا

اتنے پیغمبر، اتنے اوتار، اتنے رشی، اتنے اولیا آئے اور چلے گئے مگر انسان کی اصلاح نہ کرسکے۔ اس کے اپنے بنائے ہوئے قوانین، اس کے اپنے بنائے ہوئے اصول، اس کے جرائم و شدائد کا مواخذہ کرتے رہے مگر ان کے محرک کو دور نہ کرسکے، لیکن انسانیت کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کہ وہ ابھی تک مایوس نہیں ہوئی اور سوز و ساز درد و داغ، جستجو اور آرزو میں اسی طرح مگن ہے، جس طرح وہ آج سے ہزارہا سال پہلے بھی تھی، یہی انسان کا سب سے بڑا المیہ اور یہی سب سے بڑا طربیہ ہے، لیکن اگر اس المیہ اور فرحیہ میں کوئی غلط جنبش اور بھونڈی حرکت دیکھنے میں آئے تو بڑی کوفت ہوتی ہے، اس ڈرامے میں کوئی ڈراپ انتظام کرنے والوں کی غلطی سے گر پڑے تو بڑا صدمہ ہوتا ہے۔

۱۶ اکتوبر کی شام کو جب مجھے لیاقت علی خاں کی موت کا علم ہوا تو میں جھنجھلا گیا، حیات انسانی کا افتتاحیہ سب کو معلوم ہے، لیاقت کی پُرخطر زندگی میں قاتل کی گولی سے ہلاک ہونا، یقیناً اس کے لئے بھی کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی مگر یہ ڈراپ جس طرح گرا اور مجمع میں جو بھگدڑ مچی وہ اس ڈرامے کے متوقع انجام کا حصہ نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ مجھے کوفت ہوئی اور میں نے اس کا اعلان بھی کیا۔

اس ٹریجڈی سے صرف راولپنڈی کا تعلق نہیں تھا، اس خونیں

حادثے سے صرف وہ اشخاص متعلق نہیں تھے جو ڈائس کے آس پاس بیٹھے تھے اس المیہ سے پاکستان کا ہر فرد و بشر متعلق تھا۔

لاہور میں اس ضربِ شدید کی اطلاع سب سے پہلے ایک انگریز کو پہنچتی ہے، جو تصدیق کی خاطر اے پی پی کے دفتر میں ٹیلفون کرتا ہے وہاں سے کچھ پتہ نہیں چلتا، تو ریڈیو پاکستان لاہور والوں سے پوچھتا ہے، وہاں سے بھی کچھ نہیں معلوم ہوتا تو خاموش ہو جاتا ہے۔

اے پی پی کا ٹیلی پرنٹر غالباً پونے چھ بجے کے قریب حرکت میں آتا ہے اور یہ مختصر اًٹائپ کرتا ہے کہ راولپنڈی کے جلسۂ عام میں کسی نے پاکستان کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں پر دو فائر کئے مگر فوراً ہی ہدایت دیتا ہے کہ یہ خبر منسوخ سمجھی جائے۔

۷ بجے تک وہ لوگ جن تک خان لیاقت علی خاں کے زخمی ہونے کی خبر اے پی پی کے اس منسوخ شدہ اعلان کے ذریعہ پہنچ چکی تھی، لاہور کی معتبر ہستیوں سے اس کی تصدیق یا تردید کے لئے تڑپتے رہتے ہیں مگر ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا، اچانک ۷ بجکر کچھ منٹ پر ریڈیو پاکستان لاہور یہ منحوس خبر نشر کرتا ہے، کہ راولپنڈی کے جلسۂ عام میں جوں ہی خان لیاقت علی خاں تقریر کرنے کے لئے اُٹھے ہجوم میں سے ایک شخص سید اکبر نے ان پر دو فائر کئے۔ گولیاں دل کے قریب لگیں، ہسپتال میں اپریشن کیا گیا جو ناکام ثابت ہوا اور وہ زخموں سے جاں بر نہ ہو سکے، ساتھ ہی یہ بتایا کہ ہجوم نے مشتعل ہو کر قاتل کو وہیں ٹھکانے لگا دیا۔

خان لیاقت علی خاں کی موت سے جو صدمہ پاکستان کو پہنچا ہے وہ ظاہر ہے، اس سے جو نقصان ہوا ہے اس کا اندازہ بھی آدمی لگا سکتا ہے اور قاتل کے قتل سے جو نقصان ہوا ہے اس کا بھی اندازہ آدمی لگا سکتا ہے۔

لیکن قاتل کے قتل سے جو نقصان ہوا ہے اس کی طرف کوئی غور ہی نہیں کر رہا تھا، اور نہ کوئی یہ سوچ رہا تھا کہ پہلی صفوں میں قاتل داخل کیسے ہو گیا جو وہ اتنا کامیاب نشانہ لگا سکا۔

مختلف ذرائع سے مختلف خبریں جو ہم تک پہنچیں اُن کا اختصار بہ نظر غور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ قاتل نے دو گولیاں چلائیں بہت قریب سے۔

۲۔ حملہ آور کے فائر کرنے کے فوراً بعد قریب کھڑے پولیس کے سپاہیوں نے ہوا میں گولیاں چلائیں، اور عظیم الشان مجمع میں جو ابھی تک حادثے سے بے خبر تھا، سخت ہیجان پھیل گیا، تاہم مجمع پر جلد قابو پا لیا گیا، ڈپٹی کمشنر راولپنڈی نے شہر اور چھاؤنی میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی،

۳۔ خان لیاقت علی خاں کو فوراً فوجی ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ان کے جسم میں خون داخل کیا گیا۔

۴۔ لیاقت علی خاں گولیاں لگتے ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔

یہ اس حادثہ کی پہلی خبریں تھیں، جو پاکستان والوں کو ملیں ان سے لوگ مختلف نتائج برآمد کرتے رہے۔

یری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پولیس نے ہوا میں کیوں گولیاں چلائیں، یوں تو پنجاب پولیس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایسے موقع پر ہوا کے داخلہ پر بھی پابندیاں عائد کر دیتی ہے، مگر اس وقت جب قاتل اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اس کی گرفتاری یقینی تھی اس نے پندرہ بیس ہزار کے مجمع کو ہوا میں گولیاں چلا کر کیوں منتشر کیا اور وہ بھی اس بُری طرح کہ اُسے اس پر قابو پانے کے لئے اپنی طاقت الگ صرف کرنا پڑی۔

کہا گیا تھا کہ پولیس کے سپاہی قریب کھڑے تھے اور انھیں ایسے موقع پر بہت قریب موجود ہونا چاہئے تھا، وہ ہوا میں گولیاں چلا سکے لیکن وہ قاتل کو نہ بچا سکے جو اُن کے پاس ہی کہیں تھا۔

ہجوم میں افراتفری پھیل گئی تھی اتنی کہ پولیس قاتل کو قتل ہونے سے نہ بچا سکی، اس کا یہ مطلب تھا کہ مجروح خان لیاقت علی خاں کو فوری طبی امداد پہنچانے کا انتظام بہت مشکل ہو گیا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب ان کو ہسپتال پہونچایا گیا تو وہاں ان کے جسم میں خون داخل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

زخمی حالت میں وہ کتنی دیر تک وہاں پڑے رہے اس کے متعلق جہاں تک مجھے معلوم ہے ابھی تک کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی، کتنے عرصہ میں ان کو ہسپتال پہونچانے میں کامیابی ہوئی، اس کے بارے میں بھی قطعی معلومات نہیں بہم پہونچائی گئیں۔

اگر خان لیاقت علی خاں مرحوم پاکستان کے وزیر اعظم تھے جن کے اشارے پر ہر پاکستانی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار تھا تو وہ یہ جاننے کا حق رکھتا ہے کہ ان کی جان کیسے اور کیونکر ہلاک ہوئی، اس کی حفاظت کے لئے کیا اقدامات کئے گئے تھے، اگر کئے گئے تھے تو وہ کیونکر ناکام ثابت ہوئے۔

۱۷ اکتوبر کی شام تک جو مختلف اطلاعات ہم تک پہونچیں ان کا لب لباب یہ تھا۔

۱۔ وزیر اعظم پاکستان کا قاتل افغانستان کا باشندہ ہے اور قبیلہ جیدان سے تعلق رکھتا ہے، اس کی جیب سے دو ہزار کے نوٹ برآمد ہوئے ہیں (ایسوسی ایٹڈ پریس)

۲۔ وزیر اعظم پاکستان کا قاتل شناخت کرلیا گیا ہے، اس کا نام سید اکبر ولد ببرک ہے، افغانستان کا باشندہ ہے، سابرخیل ذات سے ہے، اس نے کچھ عرصہ پہلے ضلع ہزارہ میں اقامت اختیار کی تھی، اسکے قبضہ سے دو ہزار چالیس روپے برآمد ہوئے، اور ایبٹ آباد میں اس کے مکان سے دس ہزار روپے کی اتنی بڑی رقم کی برآمدگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل کو غالباً اس مقصد سے خرید اگیا تھا، اس کے قبضہ سے جو کاغذات برآمد ہوے ہیں اُن میں ایک نقشہ بھی ہے، جس میں شمالی مغربی پاکستان کے اہم مقامات بتائے گئے ہیں اسکے علاوہ دیگر کاغذات فارسی میں ہیں جن کی تحقیق ہورہی ہے۔

۳۔ افغان قونصل مقیم پشاور ڈاکٹر عبدالقیوم خان جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس واقعہ سے پانچ گھنٹے پہلے پر اسرار طریقے سے غائب ہو گئے تھے، بعد میں اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ وہ درہ خیبر کے راستے ۲ بجے دوپہر افغان سرحد میں داخل ہو گئے اور سہ پہر تک افغان سرحد کے اندر پاسپورٹ آفس میں ٹھہرے رہے، پھر شام کو کابل روانہ ہو گئے۔

۴۔ خان لیاقت علی خاں کے قتل کے سلسلہ میں پولیس کو ایک دس سالہ بچہ کی تلاش ہے جو قاتل کا ملازم تھا اور اس کے ساتھ گرینڈ ہوٹل راولپنڈی کے کمرہ نمبر ۳ میں دو تین دن تک رہا۔

۵۔ حکومت سرحد نے حکومت پنجاب کو قاتل سید اکبر کے متعلق اپنے شکوک سے آگاہ کر دیا تھا، اس سے حادثۂ قتل کی اصلیت جاننے والوں کی کیا تشفی ہو سکتی تھی، وہ بدستور پیاسے رہے اور ان کی دماغی الجھنوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ کچھ عجیب قسم کا استخراج تھا، کہ چونکہ قاتل کے پاس سے دو ہزار چالیس اور اس کے گھر سے دس ہزار روپے برآمد ہوئے، اس لئے گمان غالب ہے کہ اسے اس کام کے لئے خریدا تھا تو وہ اپنے حق الخدمت کا کچھ حصہ جیب میں ڈال کر اس جگہ کیوں آیا، جہاں وہ اپنا کام سرانجام دینا چاہتا تھا، اور جہاں سے اس کو اپنے بچ نکلنے کی کوئی امید نہ تھی، اس سوال کے بطن سے دو چھوٹے چھوٹے سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ ہو سکتا ہے کہ قاتل کو اپنے بچ نکلنے کی امید ہو۔
۲۔ اگر ایسا تھا تو اس کے بچانے کے لئے اور آدمی موجود تھے۔

ان کو اگر تھوڑی دیر کے لئے پیش نظر رکھا جائے تو قتل کا نقشہ بالکل نئی صورت اختیار کر لیتا ہے، آدمی سوچتا ہے، ہو نہ ہو قاتل کے آس پاس کئی آدمی تھے، جوں ہی اس نے گولی چلائی اُن آدمیوں نے اس کا صفایا کر دیا،

مگر پھر یہ چیز ذہن میں آتی ہے کہ جس فرد نے یا جس جماعت نے قاتل کو اس خونیں کام کے لئے اکسایا تھا، اس نے مزید آدمیوں کو اس راز میں کیوں شامل کیا، کیا یہ اسکی حماقت نہیں تھی؟

پشاور سے افغان قونصل جس کی گم شدگی کو پراسرار کسی بنا پر بتایا گیا تھا، اس کو حادثۂ قتل سے کس طرح منسوب کیا گیا، کوئی بھی قونصل جس وقت چاہے اپنے ملک کو جا سکتا ہے، اس کی نقل و حرکت پر کڑی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، اگر افغانستان کا اس حادثہ میں ہاتھ تھا تو سردار محمد قیوم خاں کو پشاور کے چھوڑنے کی عجلت کیا تھی اسکی جان کی محافظت کی ذمہ دار پاکستان کی حکومت تھی۔

ایسے سوالات جیسا کہ ظاہر ہے صرف اسی صورت میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ انسان کو کسی چیز کے بارے میں پوری تفصیل سے آگاہی نہ ہو۔

پھر یہ خبر کہ حکومت سرحد نے حکومت پنجاب کو قاتل کے متعلق اپنے تشکک سے غالباً ایک دن پہلے مطلع کر دیا تھا، بہت ہی اہم ہے۔ اگر حکومت پنجاب کو یہ اطلاع مل گئی تھی تو اس نے اس ضمن میں کیا کیا، پنجابی پولیس جو معمولی شبہ پر مکھیوں اور مچھروں کو بھی گرفتار کر لیتی ہے، اتنی اہم رپورٹ ملنے پر کیوں خاموش رہتی ہے، اس نے قاتل صید اکبر کی جملہ نقل و حرکت پر نگرانی کیوں نہ رکھی۔

پولیس کو قاتل کے دس سالہ ملازم کی تلاش ہے۔ یہ خبر بڑی مضحکہ خیز تھی، تلاش کا مطلب کیا تھا، پولیس کو تو چٹکی بجاتے میں قاتل کے معمولی سے معمولی جان پہچان رکھنے والے کو بھی گرفتار کر لینا چاہیے تھا۔

۲۰ اکتوبر کے آفاق میں شاید مسٹر عرفانی کے قلم سے ایک طویل مضمون چھپا جس میں یہ دو باتیں قابل غور تھیں۔

۱۔ حملہ آور مسٹر عرفانی سے ۶ گز کے فاصلے پر ان کے بائیں کندھے کے برابر ترچھا بیٹھا تھا، پولیس نے ہوا میں فیر کرنے شروع کر دیے۔ یہ سب کچھ اسقدر غیر متوقع اور ایسے یکلخت طور پر ہوا کہ کسی کے بھی حواس بجا نہ رہے۔

۲۔ آنریبل خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کے گرنے کے بعد سب سے پہلے لپک کر جو اُن تک پہونچا وہ پنڈی کا ڈپٹی کمشنر ہارڈی تھا۔

راولپنڈی کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ہارڈی نے جو لپک کر خان لیاقت علی خاں کی طرف پہونچے کیا ان کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ قاتل کی طرف بھی دوڑتے جو ان سے صرف ۶ گز کے فاصلے پر تھا۔

خان لیاقت علی خاں کو دیکھنے والے اور حضرات بھی موجود تھے لیکن قاتل کی حفاظت کے لئے مسٹر ہارڈی کو یقیناً فکر کرنا چاہئے تھی۔

پولیس نے ہوا میں فائر کیوں اور کس کے حکم سے کئے؟

ان سوالوں کا جواب ہمیں ابھی تک نہیں ملا اور معلوم نہیں کب تک نہیں ملے گا۔

۱۲ر اکتوبر کے آفاق میں مسٹر عرفانی نے اس حادثہ کی مزید تفصیل لکھی جس میں ذیل کی باتیں اہم تھیں۔

۱۔ پستول عام اور معمولی ساخت کا نہیں تھا۔

۲۔ قاتل کو ہاتھ بڑھاتے اور پستول چلاتے کسی نے نہ پکڑا۔

۳۔ قاتل کے جسم میں کئی گولیاں لگی ہوئی تھیں۔

۴۔ ڈائس کے نیچے ایک شخص ریوالور سمیت پکڑا گیا۔

۵۔ ڈپٹی کمشنر مسٹر ہارڈی کو ٹیلی فون پر کسی نے ہدایت دی تھی کہ اسٹیج پر سوائے لیاقت کے کوئی اور شخص نہ ہو۔

۶۔ قاتل نے ہزارہ سے چلتے ہوئے پولیس کو چٹ لکھ کر بھیجی کہ میں پنڈی جا رہا ہوں گرینڈ ہوٹل میں ٹھہروں گا، پولیس سے کہہ دیا جائے کہ وہ مجھے وہاں تنگ نہ کرے، جس طرح اس نے مجھے مری کے قیام کے دوران

میں تنگ کیا تھا۔
۔ قاتل نے جس پستول سے خان لیاقت علی خاں کو ہلاک کیا تھا
وہ پولیس یا سی، آئی، ڈی کو نہیں مل سکا۔
یہ باتیں میرے یا اور کے تبصرے کی محتاج نہیں اس لئے کہ ان پر
کوئی چھلکا نہیں ہے جسے اتار دیا جائے، ہزارہ میں پولیس کو معلوم تھا کہ ان کا آدمی
کہاں جا رہا ہے اور کہاں ٹھہرے گا۔
اگر ان کو اس کا صحیح علم نہ بھی ہوتا تو بھی ان کو اتنا پتہ ضرور تھا کہ
وہ ہزارہ سے جا رہا ہے اور جب وہ جا رہا تھا تو ہزارہ کی خفیہ پولیس سائے
کی طرح کیوں اس کے پیچھے نہ رہی، معمولی سے معمولی سیاسی کارکن کی نقل و
حرکت کو بھانپ بھانپ کر اور ناپ ناپ کر وہ اس پر عرصۂ حیات تنگ
کر دیتی ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس پر شبہ تھا بڑے آرام سے ہزارہ
سے نکل جاتا ہے، پولیس کو اپنی منزل و نیز اپنے قیام کا بالکل صحیح پتہ دیتا ہے اور ۱۶ گز کے
فاصلے پر بیٹھ کر ایسا صحیح نشانہ لگاتا ہے کہ پہلی ہی گولی اپنا کام کر جاتی ہے۔
۱۳ر اکتوبر کو راولپنڈی آتا ہے اور ۱۶ر کی صبح تک گرینڈ ہوٹل
میں رہا، اس دوران میں اس کی شخصیت پراسرار رہی، اس کی ہر بات
زالی تھی، ہوٹل میں اس سے دو تین آدمی ملنے آتے تھے، ان کے متعلق قاتل
نے کہا تھا سی آئی ڈی کے ہیں، ہوٹل کے رجسٹر میں اس نے اپنے نام کے
ساتھ سی آئی ڈی پنشنر لکھا تھا۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تمام شک افزا باتوں کے باوجود کسی نے

بھی اس کو زیر نگرانی نہ رکھا اور اگر رکھا تو بڑی غفلت سے کام لیا۔

قاتل کو قتل کر دیا گیا مگر حیرت ہے کہ وہ پستول کہاں گیا جس سے قاتل نے خان لیاقت علی خاں کو شہید کیا۔

۱۹ اکتوبر میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے ایک تقریر کے دوران میں کہا ۔ "مجھے اس احساس سے بے حد ندامت ہے کہ یہ حادثہ فاجعہ میرے صوبے میں ہوا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس میں حکومت یا پولیس کے حفاظتی انتظامات میں کوئی کوتاہی نہ تھی ۔"

خدا کرے ایسا ہو، مگر اب تک جو اطلاعات پہونچی ہیں ان سے اس بارے میں ہماری کامل تسلی اور تشفی نہیں ہوتی۔

قاتل کے جسم سے کئی گولیاں برآمد ہوئی ہیں ان کے بارے میں حکومت اور پریس نے کیا تحقیق کی ہے ؟

صید اکبر ہمارے پاکستان کے محبوب وزیر اعظم اور رہنما کا قاتل تھا وہ گردن زدنی تھا، وہ ایک ایسے گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوا تھا جس کی سزا اس کو ملنا چاہئے تھی مگر اس کو ہجوم کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھنا چاہئے تھا۔

ہم کچھ بھی کہیں، اس نقصان کے پیش نظر جو ہماری مملکت کو ہوا ہے، ہم جذبات میں آکر لاکھ دلائل پیش کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ۱۶ اکتوبر کی سہ پہر کو دو انسان قتل ہوئے، ایک خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان

شہادت کس طرح ہوئی؟

ایک دل دوز سانحہ کا مشاہدہ

(پروفیسر ملک عنایت اللہ)

وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خاں (مرحوم) کی راولپنڈی میں تشریف آوری کی خبر سنکر مسلم لیگی حلقوں میں ایک خاص چہل پہل اور حرکت پیدا ہو گئی تھی، راولپنڈی کا ہر مسلم لیگی انفرادی اور جماعتی حیثیت سے اپنے محبوب صدر و مقبول وزیر اعظم کے لئے والہانہ و بے تابانہ جوش و خروش کا اظہار کر رہا تھا۔

اور اپنے قائد کے انتظار میں ہر فرد کی آنکھیں

فرش راہ بنی ہوئی تھیں، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور آپ نے مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کی دوپہر کو بذریعہ طیارہ خاص راولپنڈی کے فضائی مستقر پر نزول اجلال فرمایا۔ سرکاری وغیر سرکاری حلقوں نے آپ کا شایان شان استقبال کیا اور خوش آمدید کہی۔

جلسہ گاہ

شہری مسلم لیگ کی طرف سے کمپنی باغ کے وسیع میدان میں ایک جلسۂ عام کا انتظام کیا گیا تھا، مسلم لیگی کارکنوں کے دوش بہ دوش سرکاری افسران بھی جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے سرگرم عمل تھے، محکمۂ تعلقات عامہ پنجاب نے لاہور سے لاؤڈ سپیکرون کی تنصیب کے لئے خاص عملہ بھیجا ہوا تھا، اور محکمۂ نشریات کی طرف سے اپنے محبوب قائد کی تقریر نشر کرنے کے لئے خاص انتظامات کئے گئے تھے، جلسہ گاہ نہایت قرینے سے سجائی گئی تھی، اسٹیج سطح زمین سے غیر معمولی طور پر کئی فٹ بلند تیار کیا گیا تھا، اور اس پر قیمتی قالینوں کا فرش تھا اور اس پر صرف ایک کرسی تھی جو وزیر اعظم پاکستان کے لئے مخصوص تھی، اور اسٹیج کے دائیں بائیں معززین شہر سرکاری افسران، اور پریس کے لئے خاص نشستوں کا اہتمام تھا، مستورات کے لئے دائیں جانب فاصلے پر قنات لگا دیے گئے تھے، بنر دروازوں

اور جھنڈیوں نے جلسہ گاہ کی تزئین میں اور اضافہ کر دیا تھا۔
مسلم لیگ کے کارکن "منتظم" کے بلے لگا کر اپنے اپنے فرائض
کی بجا آوری میں مشغول تھے۔
افسران حکومت میں سے کمشنر، ڈپٹی کمشنر، ڈی آئی جی
پولیس اور ماتحت پولیس افسران بھی پوری فرض شناسی کے
ساتھ سرگرم کار تھے۔

وزیر اعظم پاکستان کی آمد

ٹھیک ۴ بجے شام وزیر اعظم پاکستان کی آمد کی اطلاع
ہوئی، مسلم لیگی عہدہ داران بالادست حکام، ایم ایل اے حضرات
اپنے محبوب رہنما کا استقبال کرنے کے لئے جلسہ گاہ کے دروازہ پر
مودبانہ صف بندی کے ساتھ ہمہ تن چشم انتظار تھے کہ وزیر اعظم
کا موٹر دروازہ پر رکا، مسلم لیگی کارکنوں اور دوسرے اصحاب
نے اپنے ہر دل عزیز صدر و وزیر اعظم کا پرجوش استقبال کیا، فرط
عقیدت و فور شوق سے پاکستان کی اس جلیل القدر ہستی کے
گلے میں احترام و تکریم کے ہاتھوں سے ہار پہنائے۔ فضا نعرۂ تکبیر و
"لیاقت علی خاں زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی
آپ کو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ اسٹیج تک پہونچایا گیا، جب
آپ اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو ہر شخص اپنی اپنی نشست پر سکون و اطمینان

کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سٹیج پر سوائے نواب صدیق علی خاں پولیٹیکل سکریٹری وزیر اعظم کے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اور وہ بھی وزیر اعظم کے پیچھے فرش پر تشریف رکھتے تھے۔

جلسہ کی کارروائی کا آغاز

وقت کافی گذر چکا تھا اس لئے جلسہ کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان ہوا، خطیب صاحب جامع مسجد نے تلاوت قرآن حکیم فرمائی، اس کے بعد شیخ مسعود صادق صاحب صدر بلدیہ نے وزیر اعظم کی خدمت میں بلدیہ کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا شہری مسلم لیگ کے صدر جناب شیخ محمد عمر صاحب نے عزت مآب کی قومی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے راولپنڈی میں آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ سے تقریر کرنے کی درخواست کی۔

المیہ شہادت

شہری مسلم لیگ کے صدر کی اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے جناب عزت مآب میکروفون کے سامنے تشریف لائے اور ابھی زبان مبارک سے بہ مشکل "برادران ملت" ہی کا جملہ نکلا تھا کہ اچانک دو فائر کی آواز یکے بعد دیگرے سنائی دی۔

میں اس وقت اسٹیج کی دائیں جانب پہلی صف کے دوسرے

کوچ پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن میری نظریں اپنے محبوب قائد پر ان کی جنبش لب کے انتظار میں جمی ہوئی تھیں کہ وہ کب ارشاد فرماتے ہیں، لیکن میری بدنصیب آنکھوں نے یہ روح فرسا منظر دیکھا کہ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑے، آپ کے گرتے ہی عوام میں ایک بھگدر سی مچ گئی، پولیس کے دستے جو اپنی اپنی جگہ متعین تھے، اس سانحہ کی نزاکت کے پیش نظر انھوں نے اپنی اپنی رائفلیں سنبھال لیں اور ہوائی فائر کرنے شروع کر دیے کیونکہ یہ سب کچھ غیر متوقع تھا، اس سے عوام میں گھبراہٹ سراسیمگی، خوف اور وحشت پیدا ہو گئی۔ اور لوگ بے تحاشا ادھر اُدھر بھاگنے شروع ہو گئے، بڑے بڑے سورما جو کوچ اور کرسیوں پر براجمان تھے اکثر کرسیوں کے نیچے چھپتے دیکھے گئے۔

انتشار اور پریشانی کی اس فضا میں میں بہ عجلت اپنی نشست پر سے اُٹھا، اور اپنے محبوب لیڈر کی خبر گیری کے لئے آناً فاناً اسٹیج پر پہونچ گیا، اس وقت وزیر اعظم کے پاس سوائے نواب صدیق علی خاں کے اور کوئی صاحب موجود نہ تھے، کیونکہ ہر شخص پر خوف اور حیرت مستولی تھی، اور پاکستان بلکہ تمام عالم اسلامی کی یہ محبوب شخصیت بے بسی کے عالم میں دنیا و مافیہا سے قطعی طور پر بے خبر فرش پر پڑی تھی۔

میں نے سب سے پہلے پانی کا ایک گلاس لانے کے لئے کہا، جو

غالبؒ کوئی مسلم لیگی رضا کار لایا، نواب صدیق علی خاں نے آپ کو پلانے کی کوشش کی لیکن نہ پی سکے۔ میں اور صدیق علی خاں دونوں نے دوا اور رضا کاروں کی امداد سے آپ کے جسم اقدس کو اٹھایا اور غالباً جس موٹر میں وزیر اعظم تشریف لائے تھے، اسی میں پچھلی نشست پر آپ کو لٹا دیا تاکہ جتنی جلدی ہو سکے آپ کو اسپتال پہونچا دیا جائے۔

اس وقت بھی آپ بالکل بے ہوش تھے، نواب صدیق علی خاں وزیر اعظم کے پاؤں کی طرف سے آپ کو سنبھالے ہوئے تھے اور کمرو سر کی جانب سے میں نے آپ کو آغوش میں لیا ہوا تھا، موٹر کی اگلی نشست پر وزیر امور کشمیر اور ان کے ساتھ ڈاکٹر صدیقی بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے محبوب رہنما کی آنکھیں کھلی تھیں، رنگ ہلدی کی طرح زرد، بدن سرد، نبض نامعلوم حد تک خفیف تھی، منہ سے جھاگ بہ رہے تھے جسے میں اپنے رومال سے صاف کئے جا رہا تھا،

آپ کے دل اور معدے کے درمیانی حصے پر گولیوں کے دو نشان تھے اُن سے خون نکل رہا تھا جس سے میرا لباس بھی قدرے آلودہ ہو رہا تھا،

نواب صدیق علی خاں اور میں دونوں بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے، وزیر امور کشمیر اگلی نشست پر نہایت خشوع خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں باچشم گریاں وزیر اعظم پاکستان کی

صحت وسلامتی کے لئے مصروف دعا تھے، موٹر تیزی کے ساتھ اسپتال کی طرف جا رہا تھا، دورویہ سڑک پر عوام ڈھاریں مار مار کر گریہ کناں تھے۔

اسی حالت میں موٹر ملٹری اسپتال کے دروازے میں داخل ہوا اور اپریشن روم کے سامنے جا کر رکا۔ ہمارے پہونچنے پر اسپتال کا تمام عملہ متحیر ہو گیا، کیونکہ وہ لوگ اس واقعہ سے بے خبر تھے۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے اور موٹر کے اندر ہی وزیر اعظم کی کلائی پر ایک انجکشن دیا، اس کے بعد اسٹیچر لایا گیا،

میں نے اور نواب صدیق علی خاں نے اسپتال کے دو ملازموں کی مدد سے آپ کو موٹر سے باہر نکال کر اسٹیچر پر لٹا دیا، پھر آپ کو اپریشن روم کے اندر پہونچایا گیا۔

کرنل میاں صاحب سے کہہ کر نواب صدیق علی خاں کو کمرہ کے اندر رہنے کی اجازت دلا دی گئی۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا اور وزیر امور کشمیر بھی کمرے کے اندر موجود رہے۔

قریباً آدھ گھنٹے کے اندر اندر دوسرے افسران بھی صحن اسپتال میں جمع ہو گئے، اور اسپتال سے باہر ایک جم غفیر اپنے محبوب رہنما کی خیر وعافیت دریافت کرنے کی غرض سے جمع ہو گیا۔

وزیر اعظم کے سکریٹری اور پرسنل اسسٹنٹ اور افسر تعلقات عامہ بھی موجود تھے، جناب کمشنر صاحب اور ڈپٹی کمشنر صاحب بھی

عوام کو حوصلہ دینے میں مصروف تھے اور انھیں دعا کے لئے کہہ رہے تھے، بعض اخبارات کے نمائندے بھی پہنچ گئے تھے، ہر شخص وزیر اعظم کی صحت و سلامتی کے لئے بے چین تھا۔ وہ اپنے محبوب لیڈر کی صحت و عافیت کی خبر سُنے بغیر گھروں کو واپس لوٹنا نہیں چاہتے تھے لیکن بصد منت و سماجت انھیں گھروں کو واپس جانے کے لئے کہا گیا۔

مشیت ایزدی کو جو منظور تھا وہ ہو چکا تھا۔ آخر ۷ بجے شام قائد ثانی کی شہادت کی الم ناک خبر ریڈیو پاکستان سے نشر کی گئی۔

اس حادثۂ فاجعہ کے سننے سے ملت پاکستانیہ کی جو حالت ہوئی ہو گی وہ محتاج تحریر نہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت قائد اعظم کی وفات حسرت آیات کے زخم پھر نئے سرے سے ہرے ہو گئے۔

راولپنڈی کے ہر کوچہ و بازار میں وزیر اعظم پاکستان کا ماتم منایا جا رہا تھا۔ بازار بند، سینما خاموش، ہوٹل بند، یہ تین لاکھ کی آبادی کا شہر اُجاڑ نظر آ رہا تھا، جسے دیکھئے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔

تا دم تحریر تمام شہر سوگ میں مبتلا ہے، اور ملعون، مردود، شقی ازلی سید اکبر قاتل پر جسے عوام نے

اُسی وقت کیفرِ کردار تک پہونچا دیا تھا لعنتیں بھیج رہا ہے۔

تعزیت

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

باب ۲۲

قائدِ ملت کے حادثۂ شہادت پر، دوستوں نے اور مخالفوں نے عزیزوں نے اور دشمنوں نے، پڑوسیوں نے، اور دور دراز کے رہنے والوں نے، ہموطنوں نے اور غیر ملکیوں نے جس جوش اور خلوص کے ساتھ ملتِ پاکستان سے تعزیت کی ہے وہ ایسی چیز نہیں جسے فراموش کر دیا جائے، سارے پیامات تعزیت اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم دفتر ہو جائے، لہٰذا یہاں بھی تلخیص و تخفیف کا سہارا لینا پڑ رہا ہے -!

ڈیلی ٹیلی گراف

برطانوی اخبار "ڈیلی ٹیلی گراف" نے قائدِ ملت کی اچانک موت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ "اگر مرحوم مسٹر جناح پاکستان کے بانی تھے تو مسٹر لیاقت علی خاں اس نئی مملکت کے معمار تھے۔ اپنے خلوص اور محنت سے انھوں نے قائدِ اعظم کی خواہشوں اور خوابوں کو ایک ٹھوس حقیقت میں تبدیل کر دیا، انھوں نے ایک ایسے ملک کو جو بے سر و سامانی سے شروع ہوا تھا، اپنی دور اندیشی اور سوجھ بوجھ سے

اقتصادی اور انتظامی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا یہ ان کا واقعی ایک بڑا کارنامہ تھا جس نے انھیں دنیا میں مقبول کر دیا۔،،

نیوز کرانیکل!

برطانوی اخبار ،،نیوز کرانیکل،، نے ایک خاص مضمون میں لکھا ہے کہ ”جب پاکستان“ جو سب سے بڑی اسلامی سلطنت اور دنیا میں پانچویں نمبر پر ہے، وجود میں آئی تو مسٹر جناح پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے، اس وقت یہ بات بالکل قدرتی تھی کہ مسٹر لیاقت علی خاں اس کے وزیر اعظم ہوں، سچ تو یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر راولپنڈی کے دردناک حادثہ تک مسٹر لیاقت علی خاں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

نئی ریاست کی زندگی کی رہ گذر کسی بھی طرح صاف ستھری نہیں کہی جا سکتی تھی، اس کے قیام کے وقت خوفناک قسم کے فرقہ وارانہ جھگڑے اور فسادات نے راہ میں لاانتہا دشواریاں اور رکاوٹیں پیش کیں، جب جنون اور پاگل پن کا یہ دور دورہ ختم ہوا تو پاکستان کے رہنماؤں نے اندازہ لگایا کہ نئی ریاست کے قیام کے لئے انھیں بالکل بے سروسامانی کے ساتھ کام کرنا پڑے گا، انھیں ایک نئی ریاست ملی تھی ایک نیا دارالخلافہ اور بالکل ہی نئی آبادی، آخر مسٹر جناح کی ہمت افزائی اور خان لیاقت علی خاں کی مدبرانہ رہنمائی میں پاکستانیوں نے ہمت، عزم

اور حوصلہ کے ساتھ ایک نئی ریاست کی بنا رکھی۔"

ڈیلی میل

برطانوی اخبار "ڈیلی میل" نے قائدِ ملت کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "وہ ـــــــ جس نے ایک قوم بنائی" اس میں اخبار مذکور نے لکھا ہے کہ "مسٹر لیاقت علی خاں کی کامیابی معلوم کرنے کے لئے یہ بات ماننی نہایت ضروری ہے کہ انھیں نہ صرف یہ کہ بے سروسامانی میں کام شروع کرنا پڑا بلکہ ایک ایسی ریاست بنانی پڑی جس کے دو حصے ایک دوسرے سے ۱۰۰۰ میل کے فاصلے پر ہیں۔ قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد مسٹر جناح کا انتقال ہوگیا اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کو بھی اٹھانا پڑا۔"

قائدِ ملت کی خرابیٔ صحت اور سیاسی دشواریوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اخبار مذکور لکھتا ہے کہ "ان تمام پریشانیوں اور مشکلات کے باوجود انھوں نے تن من سے پاکستان کی خدمت کی، یہاں تک کہ اقوامِ عالم میں اسے ایک اونچا مرتبہ دلانے میں کامیاب ہوگئے۔"

نوحۂ ماتم!

وہ جس کی یاد دل سے بھلائی نہ جائے گی!

لیاقت خدا کے حضور میں

متاعِ آبروئے عشق و عرفاں لے کے آیا ہوں — سلامت تیرے در تک دین و ایماں لے کے آیا ہوں

غمِ ملت میں جو مضطر رہی وہ جان لایا ہوں — جو گولی سے چھلنی ہو وہ قلبِ سوزاں لے کے آیا ہوں

تہی داماں نہیں ہوں خون سے رنگین ہے یہ دامن — گلستاں لے کے آیا ہوں بہاراں لے کے آیا ہوں

نہ قاتل کی شکایت ہے نہ شکوہ قتل ہونے کا — کہ دے کر جان، توقیرِ شہیداں لے کے آیا ہوں

وہ جنکی عصمتوں سے کافروں نے ہولیاں کھیلیں — میں اُن بہنوں کی فریادِ پریشاں لے کے آیا ہوں

وہ جنکی دھجیاں اُڑتی ہیں دستِ جور سے اب بھی — میں ان کشمیریوں کے جیب و داماں لے کے آیا ہوں

نبی کا واسطہ دیتا ہوں انکی آبرو رکھ لے — میں فریاد و فغانِ مضطرانہ لے کے آیا ہوں

(وقار انبالوی)

چند آنسو

اے مہ قوم ستاروں کی ضیا روئیگی ایک مدت تری تربت پہ گھٹا روئیگی
پھول وہ شاخ سے ٹوٹا کہ چمن ویراں ہے آج منہ ڈھانپ کے پھولوں میں صبا روئیگی
تیرے دامن پہ ہیں کس خون کے چھینٹے اے قوم یہ نہ سوچا کہ رہ و رسم وفا روئیگی
اے مرے قائد بیباک نڈر، شیر جری خود تری لاش پہ فطرت بخدا روئیگی
زندگی چاک گریباں ہے ترے لاشے پر تیری تربت پہ کھلے بال قضا روئیگی

دیدۂ عالمِ اسلام الگ روئے گا
خطۂ پاک کی تقدیر جدا روئے گی (سیف الدین سیفؔ)

شہیدِ ملت!

اندھیرا چھا گیا اس قائدِ ملت کے مرنے سے
لیاقت کا وجودِ پاک تھا یا شمع تھی روشن

اسی کی تابناکی سے اسی کی ضو فشانی سے
وطن کا ذرہ ذرہ تھا حریفِ وادیٔ ایمن

زیارت گاہِ اربابِ وفا ہوگا مزار اسکا
کہ ہوگا یہ مقامِ پاک صدق و مہر کا مدفن

شہادت کی سعادت کی خدا نے اسکو ارزانی
"بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

(عابد علی عابد)

لیاقت نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا، لیکن یہ دنیا انھیں کبھی فراموش نہ کرے گی، لیاقت علی کی شخصیت، سیرت، گفتار و کردار، اخلاص و دیانت، بے لوثی اور بے غرضی، صداقت اور شجاعت، سنجیدگی اور تدبر کو دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی،

نوحہ لیاقت علی خاں

اے شناسائے رازِ حسنِ طلب (۱) اوج پر آج ہے ترا کوکب

زندگی تھی مجاہدانہ تری سرفروشانہ تیری موت ہے اب

کیوں نہ تیرے بغیر ویراں ہو، آہ دنیائے چشم و گوش و لب

ہم شہادت طلب شہید شناس تو شہادت نسب شہید لقب

رہروِ جادۂ وفا ہے تو

پیروِ مسلکِ رضا ہے تو

(۲)

سربلند و دلاور و جانباز　　زندگی تھی کہ محشرِ تگ و تاز
تیرے جینے کا ڈھنگ ایک مثال　　اک سبق تیری موت کا انداز
رحمتِ حق سے ہو گیا واصل　　کھل گئی تجھ پہ بارگاہِ نیاز
اس جہاں میں بھی اشرف و اکبر　　اُس جہاں میں بھی سُرخرو، ممتاز

قوم میں اب تری مثال کہاں
ہیں مگر تجھ سے باکمال کہاں؟

(۳)

قائدِ دور بین و دور اندیش　　تیرے ماتم میں قوم ہے دل ریش
اک نہ اک معرکے سے کام رہا　　اک نہ اک مرحلہ رہا در پیش
تیرے ماتم کناں ہیں بیگانے　　یاد میں تیری بے قرار ہیں خویش

از شمارِ دو چشم یک تن کم   در شمارِ خرد ہزاراں بیش

سب پہ افزوں تھا ایک تیرا وجود
باعثِ ننگ تجھ کو نام و نمود

(۴)

اے امینِ پیامِ صبحِ ازل   کر گیا زندہ تجھ کو پیکِ اجل

ہم ہیں اب اور تیرے نقشِ قدم   گرچہ ممکن نہیں ہے تیرا بدل

کیوں نہ بے ربط ہو سخن میرا   تیرا ماتم ہے آج میری غزل

عجزِ گفتار لے کے آیا ہوں   میں سرِ بارگاہِ شانِ عمل

تحفۂ غم قبول ہو جائے
شاد قلبِ ملول ہو جائے

(حفیظ ہوشیارپوری)

برادرانِ ملّت!

قائدِملت خان لیاقت علی خاں راولپنڈی کے جلسۂ عام میں ۱۶ اکتوبر کو اتنا ہی کہنے پائے تھے! "برادران ملت" کہ ایک شقی القلب نے پستول کی دو گولیاں چلا کر مسلمانان پاکستان کا ایک مخلص ترین اور دانشمند کارواں سالار چھین لیا۔

قائدملت، برادران ملت سے کیا کہنا چاہتے تھے؟ اس کا ایک شاعرانہ تاثر درج ذیل ہے۔

جس نے بالاکوٹ میں گل کر دیا دیں کا چراغ ہو گیا ویراں اچانک جسکے ہاتھوں اپنا باغ
وہ ہزارہ کی زمیں وہ مدفنِ اہلِ جہاد لُٹتا آیا ہے جہاں اربابِ حق کا اعتماد

پھر وہی عنواں نظر آتا ہے اس محفل میں آج
پھر ستائے گی مجھے انسانیت کی احتیاج

آج پھر فتنہ کوئی بیدار ہو جانے کو ہے حادثہ کوئی اچانک پھر نمو پانے کو ہے
پھر لہو اہلِ وفا کا بہنے والا ہے یہاں کاروانِ زندگی کے سامنے ہے پھر زیاں

گونجتی ہے میرے کانوں میں شہادت کی نوید
دیکھو آئے ہیں مجھے لینے کو خود شاہِ شہید

بھائیو! میں جا رہا ہوں پھر نہ آؤں گا یہاں — دیکھنا لیکن نہ مر جائے وہ احساسِ جواں
جس سے وابستہ ہے ملک و قوم کی ہستی کا راز — زندگی ہوتی ہے جس کی دوستی سے سرفراز

نامناسب ہے کہ تم غم میں گریباں پھاڑ لو
ہاں مگر لازم ہے اپنی آستینیں جھاڑ لو

آستیں کے سانپ ڈستے آئے ہیں اسلام کو — صبحِ تازہ تم سمجھ لینا نہ ہرگز شام کو
میر صادق ہو کوئی یا میر جعفر ہو کوئی — آستیں کا سانپ ہے خواہ حیدر اکبر ہو کوئی

حملہ آور کو نہ چھیڑو مجھ کو بڑھ کر تھام لو

جوش سے کم اور زیادہ ہوش سے اب کام لو

متحد گر تم رہے، تم کو قضا ممکن نہیں — غیرتِ بیدار کو ہرگز فنا ممکن نہیں
بے ضرورت ہیں یہ بحثیں کون کس کے ساتھ ہے — آبروئے ملک و ملت اب تمھارے ہاتھ ہے

"میرا وعدہ ہو گیا پورا کہ گولی کھاؤں گا"
سب سے پہلے قوم کے ناموس پر مر جاؤں گا

(الطاف پرواز)

"یقینِ محکم" جواں رہے گا!

وزیرِ اعظم ہزار ہوں گے مگر لیاقت نہ مل سکے گا
چمن میں گُل تو کھلیں گے لیکن یہ غنچۂ دل نہ کھل سکے گا

ہوا ہے کچھ اس طرح سے مِلت کا دامنِ صبر پارہ پارہ
ہزار کوشش اگر کریں ہم مگر یہ پھر بھی نہ سِل سکے گا

یہ کیسے ممکن ہے جیتے جی اس عظیم صدمے کو بھول جائیں
یہ کیسے ممکن ہے ہم بھلا دیں شہیدِ ملت تری وفائیں
کہ آخری وقت بھی زباں پر بقائے مِلت کی تھیں دعائیں
لہو سے کیں استوار قصرِ یقین و ایمان کی بنائیں

قسم ترے پاک خوں کی اپنا "یقینِ محکم" جواں رہے گا
ہر اک جوانِ پاک سرزمیں کا بجان و دل پاسباں رہے گا
شکوہِ اسلام و دینِ حق کا جہاں میں اونچا نشاں رہے گا
رہے گی ہر دل میں یاد تیری زباں پہ تیرا بیاں رہے گا (مجید لاہوری)

شہیدِ ملت کے حضور میں

راہزن، راہ نماؤں کا بدل کر بہروپ
رہ گزاروں پہ اندھیرے کی طرح چھائے تھے
اک طرف وقت کے تیور ہی نہیں تھے بگڑے
اک طرف تیغ سنبھالے ہوئے ہمسائے تھے

اس سلگتے ہوئے دہکے ہوئے ماحول میں تو
عزم و ایقان کے اسرار بتاتا نکلا
کامرانی نے وہیں بڑھ کے قدم چوم لئے
تو جو رہوارِ قیادت کو اڑاتا نکلا
کتنے طوفان حبابوں کی طرح بیٹھ گئے
تو جو ہر موج کو آئینہ دکھاتا نکلا
کتنی راتوں نے نچھاور کئے ماہ و انجم
کتنی صبحوں کو اندھیرے سے بچاتا نکلا

کون کہتا ہے کہ بے رحم ہوا کا جھونکا
تیری عظمت کے چراغوں کو بجھا سکتا ہے
کون کہتا ہے کہ اک ذرۂ ناچیز کبھی
آسماں بوس پہاڑوں کو ہلا سکتا ہے
کون کہتا ہے زمانے نے تجھے چھین لیا
تو کہیں ہم کو بھلا چھوڑ کے جا سکتا ہے
تو ہے اک جذبۂ بے باک ہمارے دل میں
موت کا ہات یہاں تک نہیں آ سکتا ہے (نور بجنوری)

باب ۲۴

صِدّیق علی خاں نے کہا!

نواب صدیق علی خاں سی پی کے رہنے والے ہیں، خان بہادر کا خطاب برطانوی حکومت نے ان کی وجاہت اور اثر سے متاثر ہو کر عطا کیا تھا، سیاسیات ہند سے ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے، مسلم لیگ کے احیاء اور تجدید کے بعد، تن من دھن سے اس میں شریک ہو گئے، آل انڈیا مسلم نیشنل گارڈ کے عرصہ تک سالار رہے، سیاست کو علمی طور پر بھی جانتے ہیں، اور عملی طور پر بھی، ان کی شیریں بیانی کسی کو ان کے در سے مایوس نہیں جانے دیتی مخالف سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، اور حامی وہم خیال سے بھی، سی پی میں جب وار دھا اسکیم کے ماتحت مسٹر شکلا نے "ودیا مندر اسکیم" کا نفاذ کیا، تو صدیق علی خاں کے روپ میں

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق!

مسلم لیگ اب تک سول نافرمانی کے دور سے الگ تھی، انھوں نے سول نافرمانی کی، اب تک مسلم لیگ میں بڑے بڑے سر اور خان بہادر موجود تھے، لیکن صدیق علی خاں نے بغیر کسی کی تحریک اور اشارہ کے محض اپنی

کی مودداری کے جذبہ سے متاثر ہو کر ایہ " تین حرف " برطانیہ عظمی کو

عطائے تو بہ لقائے تو

کہہ کر واپس کر دیے۔ کئی سال تک مرکزی اسمبلی کے ممبر رہے، اور اپنے مقدور بھر مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے۔

قائد اعظم کی جن لوگوں پر خاص نظر توجہ تھی اُن میں ایک صدیق علیخاں بھی تھے، پاکستان بنا تو ہندوستان میں رہنا ان کے لیے دو بھر ہو گیا، مکان، جائداد املاک، سب کچھ خدا کے حوالے کیا اور پاکستان آ گئے، لیاقت علیخاں ان کے دوست بھی تھے، اور قدرشناس بھی، انھوں نے اپنا "پولیٹیکل سکریٹری" بنا لیا، اس گرانبار ذمہ داری کو پوری ذمہ داری اور وفاداری کے ساتھ اُن کی زندگی تک نباہتے رہے، اب بھی حالت یہ ہے کہ

صبا تو جائے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمھارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

لیاقت علی خاں کا ذکر کرتے کرتے نہ تھکتے ہیں، نہ تھکنے دیتے ہیں ایسی محویت اور استغراق کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی!

بمبئی میں دو ایک دفعہ مجھے صدیق علی خاں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا، کراچی میں دو ایک بار سے زیادہ ملنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن انکسار، تواضع، اور تپاک کی جو ادا پہلی ملاقات میں تھی وہ آج تک موجود ہے، واقعی وضعداری بڑی چیز ہے۔

لیاقت علی خاں کے حادثۂ قتل کے بعد میرا بے اختیار جی چاہا کہ صدیق علی خاں سے ملوں، اور شاہد عینی کی حیثیت سے اُن کے تاثرات معلوم کروں۔

چنانچہ تیسرے یا چوتھے دن ناخواندہ مہمان بن کر میں پہونچ گیا کسی ضروری کام سے باہر جا رہے تھے، رُک گئے، اور بغیر کسی تحریک کے وہ داستان درد شروع کردی، جس کا درد و کرب کوئی ایک شخص، یا ایک خاندان نہیں، ساری ملت پاکستان محسوس کر رہی ہے، اور شائد ایک عرصۂ دراز تک محسوس کرتی رہے گی، اس بیان درد میں صدیق علیخاں کی آنکھوں سے موتی کی لڑیاں گرتی رہیں، آنسو خود بخود اپنا رفیق و شریک تلاش کر لیتے ہیں، یہ آنسو بھی تنہا نہیں رہے، جب اور جہاں بھی بہے انھوں نے اپنے رفیق اور شریک پیدا کر لئے۔

میں نے صدیق علی خاں سے پوچھا، جب یہ حادثہ ہوا آپ کہاں تھے؟ کیا کر رہے تھے، یا آپ نے کیا دیکھا؟ کیا کیا؟

صدیق علی خاں نے کہا، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد لیاقت علیخاں قیلولہ کرنے اپنے کمرے میں لیٹ گئے، میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا جس وقت انھیں اٹھنا چاہئے تھا اس سے ذرا پہلے اٹھے، میں ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد مسٹر انعام الرحیم راولپنڈی کے کمشنر آ گئے، ہم دونوں باتیں کرنے لگے اتنے میں لیاقت علی خاں برآمد ہوئے، تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد ہمارا قافلہ جلسہ گاہ کی طرف

روانہ ہوگیا، لیاقت علی خاں ڈائس پر جاکر بیٹھ گئے، میں ڈائس کے بائیں بیٹھ گیا، انھیں سپاسنامہ پڑھ کر سنایا گیا، پھر وہ جواب دینے کے لئے اٹھے، جیسے ہی اُن کے منہ سے "برادرانِ ملت" کا لفظ نکلا گولی چلنے کی آواز آئی، میں نے دیکھا وہ اسٹینڈ سمیت تیورا کر گر رہے ہیں، میں لپکا، گرتے ہوئے لیاقت کو سنبھالا، اور لوگ بھی لپکے، سینہ سے خون کا فوارہ جاری تھا، گولیاں تابڑ توڑ چل رہی تھیں، میں گولیوں کی زد میں لیاقت علی خاں کا سر اپنے پہلو پر رکھ کر بیٹھ گیا کہ اب اگر کوئی گولی آئے تو وہ میرے لگے لیاقت علی خاں چشم زخم سے محفوظ رہے۔ لیاقت علی خاں نے آنکھ کھولی اور کہا۔ "گولی لگ گئی"، آواز میں نہ کمزوری تھی نہ ارتعاش، آنکھوں میں نہ مردنی تھی نہ یاس، پھر کلمہ پڑھا، اور "خدا پاکستان کی حفاظت کرے"، کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں، میں نے چاہا پانی پلا دوں، پانی آیا، میں نے پلایا، لیکن وہ حلق کے نیچے نہ اُتر سکا، ادھر اُدھر سے بہہ گیا، بس میں نے سمجھ لیا کام تمام ہوگیا، قوم کا دیوانہ قوم کے پیدا کرنے والے کے پاس پہونچ گیا، پھر لیاقت علی خاں کے جسدِ بے جان کو اسپتال پہونچایا گیا، داخلہ سے پہلے ڈاکٹر نے انجکشن دیا، پھر جائزہ لیا اور اعلان کردیا کہ لیاقت علی خاں نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔

صدیق علی خاں جس طیارے میں لیاقت علی خاں کے رفیق بنکر راولپنڈی گئے تھے اسی طیارے میں اُن کی لاش لے کر آئے۔ خوش نصیب

گئے تھے ارتے ہوئے آئے۔

میں نے پوچھا، یہ واقعہ ہے کہ لیاقت علی خاں کے روانہ ہوتے وقت ان کے لڑکے نے سفر ترک کرنے کا اصرار کیا تھا، اور بیدار ہونے کے بعد انھوں نے اپنے گھر پر نگاہ حسرت ڈالی تھی ؟

صدیق علی خاں نے کہا، "دونوں باتیں غلط ہیں، جب وہ جانے کے لئے باہر آئے تو بچے اسکول جا رہے تھے، اشرف نے کہا "ہم بھی چلیں گے" انھوں نے باوقار لیکن محبت بھری آواز میں جواب دیا، "نہیں تم اسکول جاؤ گے۔" ــــــــــــــ اور روانہ ہونے سے پہلے علی الصباح گھر پر اور اپنے کمرے پر نگاہ حسرت ڈالنے کی کہانی بھی من گھڑت ہے اس میں کوئی صداقت اور واقعیت نہیں ہے۔"

میں نے کہا یہ تو بتائیے لیاقت علی خاں کو واقعی اپنے حادثۂ قتل سے کچھ پہلے اپنے مرنے کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ صدیق علی خاں نے اس کی بھی تردید کی، انھوں نے کہا، "بالکل نہیں، وہ جس نشاط خاطر مستعدی اور جوش کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہتے تھے اسی طرح مصروف رہے، وہ ناامید ہونا اور مایوس ہونا جانتے ہی نہیں تھے، امید کا دامن وہ ہمیشہ پکڑے رہتے تھے، اور امید بھی کامرانی کا لباس پہن کر ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ چلتی تھی، وہ نہ کبھی ہراساں ہوئے نہ مایوس، وہ ہمیشہ اپنے ملک اس کے مستقبل، اپنی قوم اور اس کی زندگی کی طرف سے پُر امید رہتے تھے، ان کا یقین تھا، ملک ترقی کرے گا قوم

پھلے پھولے گی، یہ یقیناً ان میں ایک نیا جوش پیدا کر دیتا تھا اور وہ توقع سے کہیں زیادہ جوش اور ہمت کے ساتھ اپنے فرائض کی بجا آوری میں منہمک ہو جاتے تھے"

میں نے دریافت کیا، یہ فرمائیے، لیاقت علی خاں کو اپنا منصب کس قدر عزیز تھا؟ منصب ان سے چمٹا ہوا تھا، یا وہ منصب سے چمٹے ہوئے تھے؟

صدیق علی خاں نے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا "لیاقت علی خاں دو باتوں کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ایک مرنے کے لیے دوسرے استعفا دینے کے لئے۔ انھیں اپنے عہدہ سے وہ لگاؤ نہیں تھا کہ اس کے لئے دین اور ایمان کو خیرباد کہہ دیں، وہ اپنے ضمیر کی آواز پر استعفا تو دے سکتے تھے لیکن ضمیر سے بے پروا ہو کر حصول جاہ و منصب کے لئے تیار نہیں تھے"

وقت کافی گزر چکا تھا لیکن صدیق علی خاں اپنا کام چھوڑے اطمینان سے مصروف گفتگو تھے، میں نے موقع غنیمت جان کر پوچھا، لیاقت علی خاں کی مالی حالت کیا تھی۔؟

کہنے لگے "ان کے پاس، سوا ضمیر اور محویت عمل کے کچھ نہ تھا، جو کچھ تھا وہ ہندوستان میں چھوڑ آئے۔ یہاں ان کی مالی حالت کا یہ عالم تھا کہ راولپنڈی جانے سے چند روز قبل ان کے بینک میں دس ہزار اور کچھ روپے تھے، جاتے وقت انھوں نے دس ہزار کے چیک ان لوگوں کے نام کاٹ دیے جن کی رقومات واجب تھیں، اور بینک میں جو بیلنس رہ گیا وہ چند روپیوں سے زیادہ کا نہ تھا۔

میں نے کہا۔

کچھ اور فرمائیے!

کہنے لگے۔

"مجھے حیرت یہ ہے کہ مرتے وقت نہ اُن پر ہراس تھا، نہ گھبراہٹ، وہی اطمینان جو اُن کی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا تھا، اُس وقت بھی موجود تھا، دوسری جو بات مجھے نہیں بھولتی یہ ہے کہ ہوش و حواس قائم رہنے کی حالت میں جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اُسے "فرزند و زن" کا خیال ضرور ستاتا ہے۔ اُن کے بارے میں وصیت کرتا ہے، اُن کی راحت و آسائش کی ترکیبیں سوچتا ہے، یہ بندۂ خدا ایسا مردِ قلندر نکلا نہ زندگی میں اپنی محبوب بیوی اور محبوب بچوں کے لئے کوئی خاص انتظام کیا نہ مرتے وقت ان کے لئے کوئی وصیت کی، حد ہو گئی انھیں یاد تک نہیں کیا، کلمہ پڑھا اور پاکستان کے لئے دعائے خیر کی اور اس دنیا سے کنارہ کر گیا، بے غرض اور بے لوثی کی اتنی بڑی اور شاندار مثال میری نظر سے نہیں گزری۔"

میں نے عرض کیا۔

"ایک بات اور پوچھوں گا۔!"

کہا۔

"میں جواب دوں گا، فرمائیے۔!"

میں نے کہا،

"نواب صاحب، یہ بتائیے، لیاقت علی خان کا اور خدا کا کیا رشتہ تھا!!"

صدیق علی خان نے کہا۔

"جو زرہ پہننے کے بجائے قرآن کو حرزِ جان بنائے ہوا ہو، اس کے بارے میں آپ یہ سوال کرتے ہیں؟ کیا آپ کو علم نہیں، جب وہ شہید ہوئے ہیں، قرآن اُن کے گلے میں حمائل تھا!"

میں نے کہا

"آپ سچ کہتے ہیں ــــــ مگر ایک بات پھر اہی جاتی ہے۔ یہ کہ لیاقت علی خان وزارت کے استحکام کے لئے "سمجھوتہ بازی" کے قائل تھے یا نہیں؟ سچ سچ کہئے گا؟"

فرمایا۔

"جب میں ان کی زندگی میں ان کے لئے جھوٹ نہ بولا، تو اب مرنے کے بعد کیا بولوں گا ــــــ لیاقت علی خان اصول کے معاملہ میں، بڑے سخت تھے اور ہرگز کسی قیمت پر بھی "سمجھوتہ بازی" کے قائل نہیں تھے، اسی اصول پروری کے باعث انھوں نے اپنے بہترین دوستوں کو اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا، اور بدترین دشمنوں سے تعاون کرنے میں نہیں ہچکچائے، جو شخص اصول کا اتنا پکا ہو وہ بھلا کس طرح، اپنی وزارت کے استحکام یعنی اپنے جاہ و جلال کے لئے غلط سمجھوتہ کر سکتا تھا؟"

میں نے کہا۔

"ایک بات میں بھول گیا تھا، ضرور پوچھوں گا!
اپنی حفاظت کے لئے لیاقت علی خان نے کیا بند و بست کیا تھا، بہر حال وہ وزیر اعظم تھے، ان کے دوست بھی تھے اور دشمن بھی، ان دشمنوں کے شر فتنہ اور حملہ سے بچنے کے لئے انھوں نے کیا تدابیر اختیار کی تھیں؟

صدیق علی خان نے جواب دیا۔

"وہ ان چیزوں کے قائل ہی نہیں تھے، اُن کا اعتقاد تھا موت ٹل نہیں سکتی، اسکا ایک وقت مقرر ہے، اور اس وقت وہ آ کر رہے گی، میں نے بارہا اس طرف توجہ دلائی، یا تو ہنس کر ٹال دیا۔ یا مذاق میں اڑا دیا، یا صاف انکار کر دیا، اپنی طبیعت وہ احتیاطی اور حفاظتی تدابیر کی طرف مائل ہی نہیں ہونے دیتے تھے۔

یہ جو آپ کچھ عرصہ سے دیکھتے ہوں گے کہ پرائم منسٹر ہاؤس کی دیواریں اونچی کر دی گئی ہیں، یہ صرف میری اختراع تھی، اس رائے اور فیصلہ میں لیاقت علی خان کو، کوئی دخل نہیں تھا، وہ ان چیزوں کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے تھے۔"

میں سوچ رہا تھا کہ کچھ اور پوچھوں کہ خود صدیق علی خان نے کہا۔

"ایک بات مجھے یاد آگئی سُن لیجئے"!

میں نے عرض کیا۔

"فرمائیے!"

کہنے لگے۔

"لیاقت علی خاں نے اپنے کسی قریب ترین عزیز، اور عزیز ترین دوست کو بھی قاعدہ اور ضابطہ سے ہٹ کر کسی قسم کی مالی یا مادی منفعت نہیں پہونچائی۔ حالانکہ ان کے ہاتھ میں دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت تھی، وہ جو چاہتے کر سکتے تھے، وہ حکومت پر چھائے ہوئے تھے اُن کی شخصیت اتنی بڑی تھی کہ نہ کوئی ان کا حریف بن سکتا تھا نہ محتسب ——— بتائیے، یہ کوئی معمولی بات ہے؟"

میں نے عرض کیا۔

اُن کے تمام کارناموں میں صرف یہی ایک کارنامہ انکی نجات کا ضامن ہے، انسان کے کردار کی پرکھ ایسے ہی مواقع پر ہوتی ہے، ورنہ یوں ہم میں سے کون ایماندار اور بے لوث خادم قوم نہیں ہے؟ بات تو جب ہے کہ ہم۔

بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

کی طاقت رکھتے ہوں، اور پھر دوست پروری اور اقربا نوازی سے دور رہ کر، صرف حق و صداقت، دیانت اور انصاف، کو اپنا شعار بنالیں، جب ہوئی ایک بات!

پھر صدیق علی خاں نے مجھے گفتگو کا کوئی موقع نہیں دیا، انھیں وہ تاثرات یاد آرہے تھے جن پر ان کی پاکستانی زندگی استوار تھی، انھیں وہ لیاقت علی خاں یاد آرہا تھا جس نے انھیں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ محسوس

ہونے دیا کہ وہ کسی حاکم کے ماتحت کام کر رہے ہیں جو زندگی کی آخری سانس تک انھیں اپنا لائق ندیم اور جان نثار دوست اور وفادار ساتھی سمجھتا رہا، جو خلوت اور جلوت کی محفلوں میں انھیں اپنے ساتھ رکھتا تھا اپنی کہتا تھا، ان کی سنتا تھا، جسے اپنی رائے پر کبھی اصرار نہیں ہوا، جس نے ہمیشہ پوری شرافت اور صداقت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی رائے اور مشورہ کو سنا، اور جب معقول پایا، اپنی رائے بدل دی اور دوسرے کی مان لی جس نے اُن پر ایک بار اعتبار کیا۔ اور اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت تک اپنا اعتماد قائم رکھا، جس نے کبھی اور کسی مرحلے پر بھی، خود ہی کو خود پسندی نہیں بننے دیا، جس نے ہمیشہ اور ہر موقع پر قوم کے مفاد کو اپنی ذات اپنے اہل وعیال اور خاندان پر مقدم رکھا، جس نے دوست بھی بنائے اور دشمن بھی، لیکن دوست کو کبھی ناجائز فائدہ نہیں پہونچایا، اور دشمن کو کبھی ناجائز نقصان نہیں پہونچایا، جس نے ترازو کے دونوں پلوں کو ہمیشہ برابر رکھنے کی کوشش کی، جس نے دوستی اور دشمنی، تائید اور مخالفت کسی حالت میں عدل وانصاف کو بالائے طاق نہیں رکھا، جو کسی فرد، کسی جماعت، کسی حکومت سے مرعوب نہیں ہوا، جس نے اپنا شعار حیات صرف یہ رکھا کہ

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند!

خیالات نواب صاحب کے ہیں، الفاظ میرے۔ بڑی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، نواب صاحب روتے جاتے تھے، اور اپنے تاثرات الم بیان

کرتے جاتے تھے۔

میں نے آخر میں کہا۔

یہ رونا تو زندگی بھر کا ہے، آپ کب تک روئیں گے اور کس کس بات کو یاد کریں گے؟ سمجھ لیجئے۔

وہ بات کو وہ کن کی گئی کو وہ کن کے ساتھ!

وہ چپ ہو رہے۔ اور میں چلا آیا۔!

باب ۲۵

قائدِ ملّت ہاؤس!

لیاقت علی خاں کے حادثۂ شہادت کے بعد جب "حیات لیاقت" لکھنے کا خیال پیدا ہوا، تو سب سے پہلے ذہن صدیق علی خاں کی طرف منتقل ہوا کہ وہی شاہد عینی کی حیثیت سے صحیح اور مستند واقعات بتا سکتے ہیں، جس دن راولپنڈی سے واپس آنے کی خبر اخبار میں پڑھی، اس کے دوسرے ہی دن ۱۰۰، وکٹوریہ روڈ یعنی "پرائم منسٹر ہاؤس" کی طرف ان سطروں کا لکھنے والا چل پڑا۔

وہی بام و در تھے، وہی صحن چمن اور باب گلستاں، کل تک یہاں رونق تھی، زندگی تھی، دبدبہ تھا، جاہ و جلال تھا، قوت و طاقت تھی ملک و ملت کی قسمت کے فیصلے یہیں ہوتے تھے، اکابر، اصاغر بنکر یہاں آتے تھے جن کا سینہ ہمیشہ تنا رہتا تھا، وہ یہاں خمیدہ کمر ہوکر آتے تھے، جو اپنے ماتحتوں سے، ساتھیوں سے، دوستوں سے، غرض سب ہی سے بے رخی کا برتاؤ کرتے تھے، اکڑ کر ملتے تھے، یہاں آتے ہی ان کے قدم ڈگمگانے لگتے

تھے، دل دھڑکنے لگتا تھا، ـــــــــــــــ آج وہ بارُعب اور با اختیار شخصیت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے منہ موڑ چکی تھی، یہ مکان دن ہو یا رات ہمیشہ جگ مگا تا رہتا تھا، آج اسپر اُداسی چھائی ہے اس کی رونق چھن گئی، آبادی رخصت ہو گئی، اب ویرانی کا دور دورہ ہے، شام غم کی تیرگی، دن کی روشنی میں بھی موجود ہے، !

یہاں والیان ریاست آتے تھے، سفرائے دول آتے تھے، وزرا ے خوش تقدیر آتے تھے، حکام والا مقام آتے تھے، ارباب سیم وزر آتے تھے، نامور آتے تھے، رہبرانِ ملت اور زعمائے قوم آتے تھے، گمنام آتے تھے، نامور آتے تھے، غرض مند آتے تھے، بے غرض آتے تھے، موقع پرست آتے تھے، بے نیاز آتے تھے، ہر طبقہ اور گروہ کے لوگ آتے تھے ـــــــــــــــ اب ان میں سے کوئی یہاں نہ آئے گا، مکان موجود ہے، مکین رخصت ہو گیا، ہا،

یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے!

معلوم ہوا صدیق علی خاں یہاں نہیں ہیں،

پھر کہاں ہیں؟

قائد ملت ہاؤس میں،

وہ کہاں ہے؟

ہاتھ آئی لینڈ میں!

اب ہاتھ آئی لینڈ کی جستجو شروع ہوئی، جوئندہ یابندہ، آخر ہاتھ

آئی لینڈ کا سُراغ بھی مل گیا، اور ——————— قائدِ ملت ہاؤس کا بھی، !

یہ اب رعنا بیگم لیاقت علی خاں کا غم کدہ ہے ———————
اس خاتون کا کلبۂ احزان، جو کل تک پاکستان کی سب سے زیادہ با اقتدار خاتون تھی، جس کے ایک اشارہ پر قسمتیں بدل سکتی تھیں، جس کے منہ کا نکلا ہوا ہر حرف اپنے اندر وہ وزن اور قوت رکھتا تھا جو قانون میں ہوتی ہے، جس سے کجکلاہ اور شہر یار ملتے تھے، جس سے دول عالم کے صدر، اور وزرائے اعظم ملتے تھے، جس سے دنیا کے شعرا ملتے تھے، جس سے اپنے ملک کے حکام اور وزرا ملتے تھے، اور جب ملتے تھے اپنے اندر ایک قسم کا احساس تفاخر پاتے تھے، لیکن آج ——————— ؟

آج سے وہ ایک بیوہ خاتون ہے، کل تک وہ ۱۰ وکٹوریہ روڈ میں رہتی تھی، اور اس کی وسعت، اسے تنگ معلوم ہوتی تھی، اور آج سے ایک چھوٹا سا مکان اس کا نشیمن ہے، اور اُسے بھی وہ اپنی ضرورت سے زیادہ سمجھتی ہے، اس کا اقتدار ختم ہو گیا، اس کی دنیا لٹ گئی، اس کا سہاگ اُجڑ گیا، اب نہ اسے موٹر کی ہوس ہے، نہ محل کی، نہ دولت کی، نہ جاہ و منصب کی، نہ اقتدار و قوت کی، نہ جاہ و جلال کی، اب اسکی دنیا صرف اس کے بچوں تک محدود ہے، اب اس کا مشغلہ صرف ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والے شوہر کی یاد رہ گیا ہے، اور بس، !

یونہی رو کے صبح کرنا، یونہی رو کے شام کرنا!

اس آباد، اور بارونق دنیا میں اب اس کے لئے کوئی خوشی نہیں رہ گئی ہے،

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں؟

اب تک اس کے جلوس نکلتے تھے، وہ جلسوں میں شریک ہوتی تھی، اخباروں کے نمائندے اس سے انٹرویو کے لئے، اور کیمرے اسکی تصویر لینے کے لیے بیتاب و بے قرار رہتے تھے، وہ جدھر نکل جاتی تھی، مشتاقان زیارت کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا، وہ جدھر دیکھ لیتی تھی اُسے باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا، وہ مسکراتی تھی تو اس کا تبسم ایک "قیمت" رکھتا تھا، وہ بات کرتی تھی تو اس کی بات ایک وزن رکھتی تھی، وہ کہیں پہونچ جاتی تھی تو اس کی شخصیت کے ساتھ ساتھ وقار ہم رکاب چلتا تھا، اسے نذرانے پیش کئے جاتے تھے، اس کی خدمت میں سپاسنامے پیش کئے جاتے تھے، اس کی تقریر سننے کا اشتیاق ظاہر کیا جاتا تھا، اب وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز ہو چکی ہے، نہ اس کے لئے جلوس کوئی حیثیت رکھتے ہیں نہ جلسے، نہ انٹرویو نہ کیمرے۔ نہ سپاسنامے نہ نذرانے

——— اس کی زندگی کا یہ دور ختم ہو گیا، اب جو کچھ ہے وہ یاس، اور آہ کے سوا کچھ نہیں، اب اگر وہ کہتی ہے تو زبان حال سے صرف

صبا تو جا کے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمھارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

لیکن بیں؛

وہ ایک باہمت عورت ہے، وہ احساس فرض کو آنسوؤں کے سیلاب میں غرق نہیں ہونے دے گی، اشرف، اور اکبر، لیاقت کی امانت ہیں وہ اس امانت کی رکھوالی کرے گی، نگہداشت کرے گی، اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے گی اور ایک دن وہ آے گا کہ اسی "قائد ملت ہاؤس" سے ـــــــــــ جو آج صرف ایک چھوٹا سا، مختصر سا، ویران، اور بے نور سا مکان ہے ـــــــــــ لیاقت علی خاں کے یہ لخت جگر پروان چڑھ کر تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہو کر قوم کی خدمت کا ولولہ لے کر اور قوم کے لئے اپنے تئیں وقف کر دینے کی اُمنگ لے کر باہر نکلیں گے۔ لیاقت علی خاں کا کام ختم ہو گیا، یہ اب رعنا بیگم لیاقت علی خاں کا کام ہے کہ وہ اس کو تکمیل تک پہونچائیں۔

نشاط و مسرت

سوگ اور غم

اقوال و افکار!

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

باب ۲۶

لیاقت علی خاں نے بہت سی تقریریں کیں، صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے بھی اور وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے بھی، ان کی ہر تقریر اپنے کیف و تاثر، معنویت اور اہمیت، استدلال اور زور بیان کے لحاظ سے یاد رکھنے کی چیز تھی، ان کی بہت سی تقریروں میں سے چند کا مختصر ترین خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

مسئلہ کشمیر کا حل

بین الاقوامی معاہدہ کے مطابق جو سلامتی کونسل کی قراردادوں کی صورت میں موجود ہے کشمیر ہندوستان کا علاقہ نہیں اس لئے کہ ہندستان سے کشمیر کے الحاق کا مسئلہ ابھی فیصل ہونا ہے اور یہ فیصلہ صرف آزادانہ استصواب رائے سے ہی ہوگا جو ادارۂ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو، پاکستان ہمیشہ اس معاہدے کو بروئے کار لانے پر مستعد رہا ہے اور اب بھی ہے، اگر آپ (بھارت) بھی ایسا کریں، اپنی خود ساختہ تاویلوں پر مصر نہ ہوں بلکہ

سلامتی کونسل کی رہنمائی میں معاہدے کو بروئے کار لائیں تو کشمیر کا تمام مسئلہ اور بلاشبہ ہندوستان و پاکستان کے باقی متنازعہ فیہ مسائل بھی سرعت اور پُرامن طور پر حل ہو جائیں گے۔

میری طرف سے پیش کی ہوئی تجاویز صلح مختصراً یوں ہیں کہ دونوں طرف کی فوجیں زمانہ امن کے معمول کے مقامات پر ہٹا دی جائیں کشمیر اور دوسرے جھگڑوں کا پرامن طور پر حل ہو، ایک دوسرے کے خلاف اپنے اپنے ملک میں دشمنانہ پروپگنڈا بند کر دیا جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ دونوں میں سے کوئی ملک بھی دوسرے ملک کے علاقہ پر حملہ یا یلغار نہیں کرے گا۔

کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کرنا ہندوستان یا پاکستان کا کام نہیں کیونکہ کشمیر کے باشندے سودا بازی کا مال نہیں ہیں، یہ ان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں، یہ وہ جذبات ہیں جن کی تصدیق میں صدق دل سے کرتا ہوں، مگر کشمیر میں ہندوستان کی کارروائیاں ان جذبات کو جھٹلاتی ہیں، کشمیر کے لوگوں نے پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی واضح خواہش کی، اس کے باوجود ہندو راجہ نے ہندو لیڈروں سے سازباز کی، کشمیری باشندوں کے خلاف اپنی ڈوگرہ فوج کے ذریعہ نسل کشی کے ارادے سے حملے کرائے اور جب انھوں نے اس کی حکومت کا جُوا اتار پھینکا تو فوجی امداد کے عوض ہندوستان سے الحاق کی ایک غیر قانونی دستاویز پر دستخط کر دیے

تاکہ آزادی وطن کے بہادر مجاہدوں کو زیر کیا جائے۔

اس ظالم کو کیا حق تھا کہ وہ کشمیریوں کی آزادی کا سودا ہندستان سے کرے اور تم ہو کہ اس ظالم کے دستخطوں پر کشمیر پر اپنے فوجی قبضہ کو جائز کہتے ہو اور ایک ایسی حکومت لوگوں پر ٹھونس رکھی ہے جو آپ کی کٹھ پتلی ہے اور کشمیر کے عوام اس سے نفرت کرتے ہیں۔

(۱۴ اگست ۱۹۵۱ء)

اسلحہ کی اہمیت!

ہمارے پاس بہادر ترین جوان ہیں اور میری خواہش ہے کہ حتی الامکان ان کے لئے بہترین اسلحہ مہیا کئے جائیں۔

(۱۴ مئی سنہ ۱۹۵۰ء)

وعدہ

پاکستان کے عوام یہ جانتے ہیں کہ جب ایک بار ہماری حکومت نے کوئی وعدہ کر لیا تو وہ اس کو پورا کرنے کے لئے حکومت سے پورا پورا تعاون کریں گے۔ عوام کے اس رویے سے ہم میں مکمل اتحاد ہے اور یہی ہماری اصل طاقت ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ہمیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پاکستانی عوام کے عزم راسخ اور جذبۂ قربانی نے ہمیں اس قابل

بتا دیا کہ ہم ان مسائل پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔

(۸ رمئی ۱۹۵۰ء واشنگٹن)

پیغام!

میرا پاکستانیوں کے نام ایک ہی پیغام ہے کہ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی متحد اور مضبوط رہیں، ہمارا اپنا ملک ہے اسلئے ہم کسی ازم سے وابستہ نہیں۔

(۲ رمئی ۱۹۵۰ء لندن)

جمہوری ملک!

ایشیا میں مشکل ہی سے کوئی ایسا جمہوری ملک ہوگا جو پاکستان سے زیادہ آزاد اور متحد ہو، یقیناً کوئی ایسا ملک نہیں جو نہ صرف ہمیشہ اپنی آزادی کے تحفظ بلکہ اپنے عوام کو ترقی اور ارتقا کے راستہ پر لے جانے کا ہم سے زیادہ عزم رکھتا ہو۔

ہم اقتصادی اور صنعتی ترقی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور خاص طور پر اس سلسلہ میں انفرادی کوششوں اور ان آزاد اور امن پسند قوموں کے تعاون اور خیر سگالی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ٹیکنیکل تجربہ رکھتے ہیں۔

(۹ رمئی ۱۹۵۰ء)

علاقائی سالمیت!

پاکستان محض اپنی علاقائی سالمیت کو قائم رکھنے اور اپنے داخلی حقوق کو برقرار رکھنے سے دلچسپی رکھتا ہے اور وہ دوسروں کی خودمختاری میں دخل دینے کا خواہاں نہیں رہا ہے۔

(۱۳ر مئی ۱۹۵۰ء)

ہماری فوج!

خدا کے فضل سے ہماری فوج کا عزم و استقلال، جذبۂ بہادری و ایثار اور اس کی تنظیم بہت اعلیٰ ہے۔ ہماری فوج دنیا کے کسی ملک کی فوج سے کسی حالت میں کم نہیں، جہاں تک بہادری کا تعلق ہے اس میں ہماری فوج اپنے ہمسایہ ملک کی فوجوں سے زیادہ باہمت اور قوی ہے، ہر پاکستانی کو اپنی فوج پر ناز ہے، جب وقت آیا تو اس وقت یہ فوج اسی ہمت و شجاعت سے نبرد آزما ہوگی جو ایک بہادر فوج دنیا میں کر سکتی ہے۔

(۲۶ر دسمبر ۱۹۴۸ء لاہور)

آہنی دیوار بن جائیے!

ہم اس وقت بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں اس لئے ہمیں

ہمیں نظم وضبط کی بڑی ضرورت ہے، ہم نے ہر مسئلہ کو پرامن طور پر سلجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اگر ہمارے مخالف یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی دھمکیوں میں آکر گھٹنے ٹیک دیں گے تو ان کا خیال خام ہے، ہم نے ہمیشہ امن وانصاف کی خواہش کی ہے لیکن جب تک ایک پاکستانی بھی زندہ ہے اس کا سر ناانصافی کے سامنے نہیں جھک سکتا۔

قوم سے میری ایک ہی اپیل ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کے دفاع کے لئے آہنی دیوار کی طرح متحد ہو جاؤ، ہم تلوار اور توپ کی مدد سے لڑائی نہیں کرتے بلکہ اللہ کی مدد سے ہم لڑتے ہیں، انشا اللہ جب تک دنیا قائم ہے پاکستان قائم رہے گا۔

اختلافات!

اس وقت قومی اتحاد کی ضرورت ہے، اگر آپ کو حکومت سے اختلافات ہیں اور اختلافات لازمی ہیں ——————— کیونکہ اختلافات نہ ہوں تو دنیا بے مزہ ہو کر رہ جائے گی ——————— لیکن میں آپ سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ جن مشکلات میں آج ہم گرفتار ہیں اگر ان سے نکل جائیں تو آپ نکتہ چینی کو شدید کر سکتے ہیں مگر اس وقت اتفاق واتحاد کی ضرورت ہے۔ (۲۶ ستمبر ۱۹۴۸ء)

شیطان

ایک ملک کی سلامتی کے لئے سب سے زیادہ اس امر کی

ضرورت ہوتی ہے کہ اسکے باشندوں میں ہمت و استقلال بہت بلند ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ پاکستان کا ہر باشندہ اپنے دل اور اپنے خدا سے یہ عہد کرے کہ میں اپنے دماغ میں کبھی بھی اس خیال کو نہیں آنے دوں گا کہ یہ ممکنات میں سے کوئی چیز نہیں ہے کہ پاکستان قائم نہیں رہے گا، اگر کوئی شخص آپ سے کوئی ایسی بات کہے تو سمجھئے کہ شیطان ورغلا رہا ہے اور فوراً لاحول پڑھ کر شیطان سے پیچھا چھڑا لیئے۔

(تقریر لاہور)

ایشیا اور افلاس

ایشیا کے متعلق سب سے بڑی حقیقت جس کا سمجھنا ناگزیر ہے اس کا بے پناہ افلاس ہے، اس کے باشندوں کی ہمہ گیر جہالت اور ہر موسم میں پھیلنے والے امراض کی بہتات، ان کا پست معیار زندگی دنیا کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، اور کوئی سمجھدار فرد یا قوم اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتی، ان غریب انسانوں کا معیار زندگی بلند کرنا تمام جمہوری اقوام کا فرض ہے، جن کے لئے انھیں متحدہ محاذ قائم کرنا ہوگا۔

(امریکہ میں ایک تقریر)

ایشیا کی اہمیت

ایشیا کے واقعات پر دنیا کے امن کا دارومدار ہے کیونکہ دنیا

کی نصف سے زیادہ آبادی غیر مطمئن اور پسماندہ نہیں رہ سکتی (اس سے قبل انھوں نے ان واقعات پر روشنی ڈالی جن کے نتیجہ میں پاکستان معرض وجود میں آیا)

(امریکہ میں ایک تقریر)

احساس فرض کا ثبوت

پاکستان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے کیونکہ خدانخواستہ اگر پاکستان کا خاتمہ ہوگیا تو عالم اسلام بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی حکومت اور آپ دو مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی مشینری کے دو پرزے ہیں، اگر مشین کا ایک پرزہ کام نہ کرے تو ساری مشین بے کار ہو جایا کرتی ہے لہذا آپ کا فرض ہے کہ یک دل وجان ہو کر حکومت سے تعاون کریں اور پاکستان کی حفاظت کا کام صرف فوج پر نہ چھوڑیں بلکہ خود بھی حفاظت کی کوشش کریں، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس کی حفاظت کا کام صرف فوج تک محدود رہ سکے، اگر پاکستان کا ہر شہری فیصلہ کرلے کہ پاکستان کی دفاع کے لئے جان ومال کی قربانی کے لئے دریغ نہیں کرے گا تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کی آزادی سلب نہیں کرسکتی۔

——————— میں عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ

وہ اسی جذبہ کے تحت کام کریں۔

(ایک نشری تقریر)

آزادی!

میں پاکستان کے باشندوں کو بھوکا دیکھوں گا، فاقے کرتا دیکھوں گا مگر میں ان کی آزادی کو سلب نہیں ہونے دوں گا، جبتک مجھے آپ کا اعتماد حاصل ہے، آپ یقین رکھئے کہ کوئی کوشش جو آپ کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے ممکن ہے اس میں کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

(۲۶ر دسمبر ۱۹۴۸ء لاہور)

ایشیا کی ترقی کا راز!

بھارت اور پاکستان کے درمیان پرامن تعلقات قائم نہ ہوئے تو ایشیا کی ترقی رک جائے گی بلکہ دونوں ملکوں کے درمیان پرامن تعلقات نہ ہونے کا اثر عالمگیر امن پر بھی پڑے گا۔

آرام

پاکستانی یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ کشمیر کے عوام کو غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعہ اس بات کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا جائے گا کہ پاکستان میں شامل ہوں یا بھارت میں؟

(۱۸ ارپریل ۱۹۵۰ء)

کسی ملک کی بقا کا انحصار کسی فردِ واحد پر نہیں ہوا کرتا

یقیناً انسان فانی ہے اور "کل من علیہا فان" کے مصداق ہر شخص کو اس دنیا سے رخصت ہونا ہے لیکن حضرت قائد اعظم کا پیغام اور ان کا کام ہمارے سامنے ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ملت کو اُن کے پیغام پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہر وقت آمادہ کریں اور قائد اعظم کی روح کو مسرور رکھنے کے لئے اُن کے نقش قدم پر چلیں۔

میں خوب جانتا ہوں کہ بعض لوگ پریشان ہیں کہ اب کیا ہوگا میں ان بدخواہوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی ملک کی بقا یا دوام کا انحصار کسی فردِ واحد پر نہیں ہوا کرتا، کسی راہنما کو محض اس وجہ سے کامیابی حاصل ہوا کرتی ہے کہ قوم میں اس کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی تجاویز پر عمل کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر میری قوم میں اپنی آزادی کی حفاظت کی صلاحیت نہ ہوتی تو قائد اعظم اسے آزاد کرانے میں کامیاب ہی نہ ہو سکتے اس لئے میں کسی طرح پریشان نہیں ہو سکتا، دشمن کو توقع تھی کہ قائد اعظم کی وفات کی وجہ سے پاکستان میں افراتفری پھیل جائے گی اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا، اس کے برعکس عوام میں پہلے سے زیادہ اتحاد اور ذمہ داری کا مظاہرہ ہوا ہے، یہاں تک کہ جو لوگ حکومت کے نقاد تھے وہ بھی حکومت سے پوری طرح تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے

ہیں کیونکہ انھیں اچھی طرح احساس ہوگیا ہے کہ اس نازک وقت میں حکومت سے اختلاف رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

میں مسرت سے اعلان کرتا ہوں کہ میری قوم نے گزشتہ دس دن میں جس اتحاد و اتفاق کا ثبوت دیا ہے اس سے بین الاقوامی امور میں پاکستان کا وقار بڑھ گیا ہے، اور بین الاقوامی حالات کا جائزہ لینے والے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔

(۲۲؍مئی ۱۹۴۸ء)

ختم شد

(روڈی پریس کراچی)

مقبول ترین افسانہ نگار

علی عباس حسینی

کی تصانیف

باسی پھول — رفیق تنہائی — میلہ گھومنی

اُردو ادب میں سنگِ میل ثابت ہوئے

اب عرصہ دراز کے بعد آپ کا یہ محبوب فنکار ایک اور زندہ جاوید شاہکار

ناول

شائد کہ بہار آئی

پیش کر رہا ہے

جس کو جون ۵۲ء میں ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں

قیمت پاکستانی سکہ چار روپے

قیمت ہندوستانی سکہ پانچ روپیہ آٹھ آنہ

اودھ کتاب گھر پوسٹ بکس ۴۴۴ کچہری روڈ کراچی ۱

انتصار حسین کی دو نئی تصانیف

بدنام گلیاں

گیارہ افسانوں کا حسین و
دل کش مجموعہ
ایسے افسانے
ایسے واقعات
ایسی کہانیاں جسے ایک بار پڑھنے پر انکی
یاد ہمیشہ آپ کے دلوں میں سمائی رہے گی
قیمت پاکستانی سکہ ۸ قیمت ہندستانی سکہ

منگیتر

ایک ایسی لڑکی کی داستان جسے حالات
زمانہ نے زندگی کی ایسی موڑ پر کھڑا کیا جہاں پہونچکر
اس میں نہ آگے بڑھنے کی ہمت رہی نہ پیچھے لوٹنے کی
طاقت ـــــ پھر اس نے کیا کیا؟
اس کا جواب آپ کو ہماری نئی پیش کش
ناول ـــــ منگیتر ـــــ میں ملے گا
قیمت پاکستانی سکہ ۳ روپیہ
ہندوستانی سکہ ۴ روپیہ

خان محبوب طرزی کی دو بہترین تصانیف
ماضی ـــــ اور ـــــ مستقبل

اودھ کے بانکے

اس دور کی تاریخی اور رومانی داستان جب اودھ
ایشیا کا گہوارۂ تمدن تھا جب اودھ پر اسلامی
پرچم لہرا رہا تھا جب اس رنگین سرزمین کا ہر بانکا
فن سپہ گری میں طاق تھا اس دور کی رزم بزم کے
کے واقعات قیمت تین روپیہ آٹھ آنے

رہبر اعظم

تین ہزار سال بعد آنے والے دور کی ایک کہانی
جب انسان کی زندگی صرف دوسروں کے لئے
ہوگی ان کا تمدن ان کی معاشرت ان کی
تہذیب ان کا مقصد حیات غرضکہ ان کی ہر چیز
دیکھنے کے عجیب و غریب ہوگی قیمت دو روپیہ ۸

ناشر اودھ کتاب گھر پوسٹ بکس ۴۴ کچہری روڈ کراچی ۱

غلط فہمی

رئیس احمد جعفری کا بالکل نیا اور اچھوتا ناول!

اس ناول میں رئیس احمد نے اپنے فن کو بہت زیادہ اجاگر کر دیا ہے، زبان، بیان، واقعات کی دل آویزی، ہر چیز قدم قدم پر آپ کے دل و دماغ کو اپنی طرف کھینچے گی جو اپریل ۱۹۵۲ء میں نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہی ہے۔ آج ہی اپنا آرڈر روانہ کر دیجئے ایسا نہ ہو پھر آپ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑے۔

قیمت پاکستانی ۳ روپیہ بارہ آنے

قیمت ہندوستانی ۴ روپیہ چھ آنے

ملنے کا پتہ

اردو کتاب گھر پوسٹ بکس ۱۴۴۴، کچہری روڈ کراچی ۱

۴۴۲۸

محمد اثر لکھنوی

کا

پہلا کامیاب ناول

لئیم

JAF & CO
Plot # 43/4 Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

ناشر
اودھ کتاب گھر پوسٹ بکس ۴۴۴ کچہری روڈ کراچی